تذکرۂ شعرائے سہسوان

مؤلفہ

ابوالکمال حکیم سید اعجاز احمد معجزؔ

مرتبہ

پروفیسر حنیف نقوی

تذکرۂ شعراے سہسوان

مولفہ
ابوالکمال حکیم سید اعجاز احمد معجزؔ

مرتبہ
پروفیسر حنیف نقوی

Tazkira-e-Shoara-e-Sahaswan
By Prof. Haneef Naqavi

سالِ اشاعت	:	۲۰۱۰ء
تعدادِ اشاعت	:	۲۰۰
ناشر	:	مرتب
کمپوزنگ	:	کمپوزنگ پوائنٹ، نیا چوک، وارانسی
سرورق	:	کبیر اجمل، وارانسی
طباعت	:	اسکرین پلے، تل بھانڈیشور، وارانسی
قیمت	:	دو سو روپے

تقسیم کار

☆ ایجوکیشنل بک ہاؤس، شمشاد مارکیٹ، علی گڑھ (202002)
☆ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، گلی عزیز الدین وکیل، لال کنواں، دہلی (110006)
☆ نور نبی بک سیلرز، دال منڈی، وارانسی (221001)

انتساب

ساہتیہ اکیڈمی کے نام

جس نے

Writers in Residence Scheme

کے تحت

مجھے چھ مہینے کے لیے پچیس ہزار روپے ماہانہ بہ طور اعزازیہ عطا کر کے
اس تذکرے کی ترتیب کا موقع فراہم کیا۔

فہرستِ مشتملات

نمبر شمار		صفحہ نمبر

(حصہ دوم)

(حصّہ سوم)

مقدمہ

اتر پردیش کی روہیل کھنڈ کمشنری کے جن قصبوں اور قریوں کو ماضی میں اپنی مردم خیزی کی بدولت مراکزِ علم و ادب کی حیثیت حاصل رہی ہے، ان میں سہسوان کا نام بھی شامل ہے۔ یہ قصبہ جو اسی نام کی تحصیل کا صدر مقام بھی ہے، اپنے ضلعی مرکز بدایوں سے مغرب کی جانب چالیس کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے اور فی الوقت تقریباً ایک لاکھ کی آبادی پر مشتمل ہے۔ تاریخی و تہذیبی اور علمی و ادبی اعتبار سے اس کا ماضی جتنا تابناک اور شاندار رہا ہے، حال اتنا ہی عبرت خیز اور افسوس ناک ہے۔ مغل دورِ حکومت میں اسے سرکارِ بدایوں من مضافاتِ دارالخلافہ شاہ جہاں آباد میں ایک اہم پرگنے کی حیثیت حاصل تھی اور یہاں کے متعدد ہندو و مسلم فضلا اور اہلِ علم حکومت کے اعلیٰ مناصب پر فائز تھے۔ مغلوں کے زوال کا سلسلہ شروع ہوا تو ۱۷۷۴ء میں یہ پورا علاقہ نواب شجاع الدولہ کے زیرِ حکومت آ گیا۔ ستائیس برس چند مہینے سلطنتِ اودھ سے منسلک رہنے کے بعد نواب سعادت علی خاں اور لارڈ وارن ہسٹنگز کے درمیان ایک معاہدے کی رو سے نومبر ۱۸۰۱ء میں یہاں انگریزوں کی حکومت قائم ہوئی۔ اقتدار کی اس منتقلی کے بعد شروع میں چار سال تک یہ قصبہ ضلع مراد آباد سے متعلق رہا۔ اس کے بعد ۱۸۰۵ء میں اسے ضلع بریلی میں شامل کر دیا گیا۔ ۱۸۲۴ء میں ایک نئے ضلعے کی تشکیل ہوئی جس کا صدر مقام سہسوان قرار پایا۔ سیاسی و انتظامی نقطۂ نظر سے یہ اس قصبے کے عروج کا آخری دور تھا جو زیادہ دیرپا ثابت نہ ہو سکا، چنانچہ صرف چودہ سال کے بعد مئی ۱۸۳۸ء میں تمام ضلعی دفاتر بدایوں منتقل کر دیے گئے اور شہری ترقی کے وہ تمام امکانات جو کسی ضلعی مرکز سے وابستہ ہوتے ہیں، معدوم ہو گئے۔

اقتدار وانتظام کے محاذ پر پس پائی کے اس مرحلے تک پہنچنے سے پہلے علوم وفنون کے میدان میں اہلِ سہسوان خاصی پیش رفت کر چکے تھے۔ اس دور کے بعض علما و صلحا کے اذکار و احوال مولانا عبدالباقی سہسوانی کی تصنیف ''حیات العلما'' میں موجود ہیں اور بعض شعرا کے حالات اور کلام کے نمونے آئندہ اوراق میں سامنے آئیں گے۔ حالات کی تبدیلی کے باوجود لوح وقلم کی خدمت گزاری اور فکر ونظر کی تازہ کاری کا یہ عمل بعد کے زمانے میں بھی بہ دستور جاری رہا۔ چنانچہ اس چھوٹی سی بستی نے اس دور میں کئی ایسے عالم، شاعر اور طبیب پیدا کیے جنھوں نے ضلع اور صوبے کی حدوں سے آگے بڑھ کر ملکی سطح پر اپنا اور اپنے وطن کا نام روشن کیا۔ جہاں تک دینی علوم، عربی و فارسی زبان وادب اور فنِ طب کا تعلق ہے، ان سے اہل سہسوان کی یہ وابستگی انیسویں صدی کے اواخر تک پورے احساسِ برتری کے ساتھ مائل بہ فروغ رہی۔ بیسویں صدی کے طلوع کے ساتھ جب عصری تعلیم کا شعور عام ہوا تو یہ قدیم علمی روایت رفتہ رفتہ کمزور پڑنے لگی اور آبا واجداد کی متبرک میراث کے طور پر مزید کچھ دنوں تک اپنا وجود برقرار رکھ کر بالآخر ماضی کی تاریخ کا حصہ بن گئی۔ چنانچہ امام الطب حکیم عبدالحفیظ خاں زبیری (پ: ۱۸۹۷ء، ف: ۱۹۶۷ء) کے بعد فنِ طب میں، مولانا سید عبدالخالق نقوی (پ: ۱۹۱۲ء، ف: ۱۹۷۵ء) کے بعد عربی و فارسی زبان وادب میں اور مولانا سید نظیر الحسن رحمانی (پ: ۱۹۰۸ء، ف: ۲۰۰۰ء) کے بعد دینی علوم کے میدان میں فرزندانِ سہسوان میں کوئی ایسی شخصیت نظر نہیں آتی جسے آبا واجداد کی وراثت کے قابلِ فخر نمائندے کے طور پر پیش کیا جا سکے۔

شاعری کا معاملہ قدرے مختلف رہا۔ فرق صرف یہ ہوا کہ عربی یا فارسی میں شعر گوئی کا رواج اس نسل کے ساتھ ختم ہو گیا جو قدیم علوم کے دورِ عروج کی پروردہ تھی یا ۱۸۰۰ء کے بعد کے عبوری دور میں منصّہ شہود پر آئی تھی۔ لیکن اردو میں طبع آزمائی کا سلسلہ حصولِ آزادی کے چند سال بعد تک اسی ذوق وشوق اور آب وتاب کے ساتھ جاری رہا۔ آزادی کے بعد سرکار کی تبدیل شدہ لسانی پالیسی کے تحت یو۔ پی کے تعلیمی نظام سے اردو کی مکمل بے دخلی اور اسکولوں سے دفتروں تک ہر جگہ ہندی کے نفاذ اور اس کی توسیع وترقی کی ہمہ جہت کوششوں کے جو اثرات عام ذہنوں پر مرتب ہوئے اور تقسیمِ ملک کے پیدا کردہ حالات کے پس منظر میں لسانی

آویزش کے اس نازک مرحلے پر ترک و اختیار کی جو اضطراری کیفیت سامنے آئی، اس سے اردو شاعری بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ یہ صورتِ حال کسی خاص علاقے تک محدود نہ تھی بلکہ کم و بیش ہر وہ علاقہ اس کی زد میں تھا جہاں آزادی سے قبل اردو کا بول بالا تھا اور اب اس کے لب ودہن پر مہرِ سکوت ثبت کر دی گئی تھی۔ تاہم بڑے یا ترقی یافتہ شہروں کے مقابلے میں چھوٹے قصبات اور قریے جن کا دائرہ فکر و عمل مختصر اور ذرائع و وسائل محدود تھے، نسبتاً زیادہ تیزی کے ساتھ اس لسانی انقلاب کا شکار ہوئے۔ سہسوان بھی جو اس وقت اقتصادی اور تعلیمی اعتبار سے ایک پس ماندہ قصبہ تھا اور آج بھی اسی کیفیت سے دوچار ہے، خود کو زوال کے اس عمل سے محفوظ نہ رکھ سکا۔ چنانچہ موجودہ دور کے زندہ شعرا میں جو لوگ زبان اور فن دونوں پر اپنی مضبوط گرفت یا اندازِ فکر کی تازگی کے اعتبار سے مغتنمات میں شمار کیے جا سکتے ہیں، ان میں توصیف تبسم (پ: ۱۹۲۸ء)، اخلاق سہسوانی (پ: ۱۹۳۰ء)، شفیق انجم (پ: ۱۹۳۳ء)، اطہر نقوی (پ: ۱۹۳۵ء)، اور حضور سہسوانی (پ: ۱۹۴۰ء) آزادی سے قبل آنکھیں کھولنے والی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ آزادی کے بعد عرصۂ وجود میں آنے والے شعرا کی تعداد اگرچہ دورِ غلامی کے ان باقیات الصالحات کی بہ نسبت کہیں زیادہ ہے، لیکن ان کی صف میں اپنے تشخص کے ساتھ نمایاں نظر آنے والوں کا شمار اس سے بھی کم ہے۔ نام لینا اس لیے مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ اس میں باقی لوگوں کی دل شکنی کا امکان ہے اور دل شکنی اکثر اصلاح و ترقی کی راہ مسدود کر دیتی ہے۔

پیشِ نظر تذکرے میں اہلِ سہسوان کی شاعری کے اسی منظر نامے کو کسی قدر توضیح و تفصیل کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اصولی طور پر ہونا یہ چاہیے تھا کہ یہ تفصیلات تاریخی ترتیب کے ساتھ پیش کی جاتیں لیکن عملاً اس میں بعض دشواریاں نظر آئیں، اس لیے تذکرہ نگاروں کی عمومی روش کے مطابق الفبائی ترتیب ہی کو ترجیح دینا پڑی۔ وجہ یہ ہے کہ عمِ محترم ابوالکمال مولانا حکیم سید اعجاز احمد معجز مرحوم ۱۹۴۸ء کے آس پاس اسی نہج پر اس تذکرے کی داغ بیل ڈال چکے تھے اور راقم کو اسی بنیاد پر اپنے کام کو آگے بڑھانا تھا۔ عمِ محترم کا مرتبہ یہ تذکرہ جو اضمحلالِ قویٰ بالخصوص رعشے کے عارضے کی بنا پر مسودے سے مبیضے کی منزل تک نہ پہنچ سکا، صرف اکسٹھ شعرا کے ذکر پر مشتمل ہے، ان میں سے بھی سات شاعروں کے صرف تخلص لکھ

کر حالات اور کلام کے اندراج کو آئندہ پر موقوف رکھا گیا ہے، جب کہ پانچ شاعروں کے صرف حالات درج ہیں، کلام موجود نہیں۔ بعض شعرا کے حالات تذکرہ نگاری کی روایت کے عین مطابق بہ قدرِ ضرورت اور بعض کے انتہائی مختصر ہیں۔ جس وقت یہ تذکرہ زیرِ ترتیب تھا، راقم السطور اپنی عمر کی گیارھویں، بارھویں منزل سے گذر رہا تھا اور عربی کی بعض ابتدائی کتب کے درس کے لیے عمِ محترم کی خدمت میں حاضر رہتا تھا۔ کم سنی کے باوجود اسے اپنے وطنِ عزیز کے گذشتہ اور موجودہ شعرا کی یاد تازہ رکھنے کی اس کوشش سے غیر معمولی دلچسپی تھی، اس لیے وہ بھی حسبِ استطاعت اس کام میں ان کی مدد کرتا رہتا تھا۔ چنانچہ مرحوم کے دستی مسوّدے میں شاعروں کے حالات اور کلام سے متعلق اندراجات میں اس کے قلم کی طفلانہ کاوشوں کے متعدد نمونے موجود ہیں۔ تذکرے کے اس ابتدائی مسوّدے پر راقم کے موجودہ اضافوں کو اس کے دورِ طالب علمی کی انھی مبتدیانہ مساعی کا نقشِ ثانی یا تکملہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔

عمِ محترم نے فارسی وار دو دونوں زبانوں کے شاعروں کو اپنے تذکرے میں شامل کیا تھا۔ راقم نے بھی زبان کے اعتبار سے شعرا کے درمیان کسی قسم کی تفریق نہیں کی ہے۔ حالانکہ یہ بھی واقعہ ہے کہ راقم نے جن شاعروں کے تعارف سپردِ قلم کیے ہیں، ان میں فارسی شعرا کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے، لیکن ان میں ایک ایسا شاعر بھی شامل ہے جسے اب تک کی تحقیق کے مطابق سہسوان کا قدیم ترین صاحبِ دیوان شاعر ہونے کا فخر حاصل ہے۔ تذکرے کے نقشِ اول میں سب سے قدیم شاعر کافور خاں ہیں جن کا صرف ایک قطعۂ تاریخ دستیاب ہے، جس سے ۱۱۰۰ھ (۸۹-۱۶۸۸ء) برآمد ہوتا ہے۔ اس قطعے سے یہ اندازہ نہیں کیا جا سکتا کہ اس وقت کافور خاں عمر کی کس منزل میں تھے اور ایسا کوئی قرینہ بھی موجود نہیں جس سے یہ دریافت ہو سکے کہ وہ شعر گوئی سے باقاعدہ شغف رکھتے تھے یا صرف یہی قطعہ ان کی کل متاعِ فکر ہے۔ اس کے برخلاف راقم کے دریافت کردہ قدیم ترین شاعر کبیر خاں یتیم کے بارے میں یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ وہ ۱۰۷۴ھ (۶۴-۱۶۶۳ء) میں پیدا ہوئے تھے اور انھوں نے ایامِ جوانی ہی میں اپنا دیوان مرتب کر لیا تھا۔ نقشِ اول میں مذکور فارسی ہی کے ایک اور شاعر منشی ہرسہائے وہبی کے بارے میں صاحبِ تذکرہ نے مجملاً یہ اطلاع دی ہے کہ ان کی

رحلت کو تقریباً دو سو سال گذر گئے۔ راقم نے اس قیاس کے برخلاف معتبر شواہد کی بنیاد پر یہ دریافت کیا کہ وہ ۱۱۲۴ھ (۱۷۱۲ء) میں پیدا ہوئے اور ۱۲۰۰ھ (۸۶-۱۷۸۵ء) میں یا اس کے بعد کسی وقت فوت ہوئے۔ علاوہ بریں ان کے فارسی دیوان سے غیر متوقع طور پر اردو کے پانچ شعر ڈھونڈ نکالے جو ۱۱۸۴ھ (۱۷۷۰ء) کی تصنیف ہیں اور سہسوان کے کسی شاعر کے اردو کلام کے قدیم ترین نمونے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

معجزؔ مرحوم نے اپنے تذکرے کا آغاز ''تذکرۂ شعرائے ماضی و حالِ سہسوان'' کے عنوان سے کیا تھا لیکن دورانِ ترتیب ایک بار یہ بھی فرمایا تھا کہ تکمیل کے بعد اس کا نام ''تلامیذ الرحمٰن فی تذکرۃ الشعراء سہسوان'' رکھا جائے گا۔ پیشِ نظر ترتیب کے وقت راقم السطور کو یہ مناسب معلوم ہوا کہ ان دونوں ناموں کی طوالت کے پیشِ نظر اسے براہِ راست ''تذکرۂ شعرائے سہسوان'' سے موسوم کیا جائے۔ اس تبدیلیِ نام کا ایک جواز یہ بھی ہے کہ اس تذکرے کی موجودہ شکل اپنی اصل سے بالکل مختلف ہوگئی ہے۔ راقم نے عمِ محترم کی نگارشات اور اپنے اضافوں کے درمیان حدِ فاصل قائم رکھنے کی غرض سے اسے تین حصوں میں تقسیم کرکے مرتب کیا ہے۔ قدیم متن کو پہلے حصے کے تحت رکھا گیا ہے اور یہ فاضل مولف کے مسودے کے عین مطابق ہے۔ دوسرا حصہ پہلے حصے کے حواشی پر مشتمل ہے۔ ان حواشی کے واسطے سے شعرا کے احوال و آثار سے متعلق مولفِ تذکرہ کے بیانات پر موقع بہ موقع اضافے کرنے کے علاوہ بڑی حد تک وہ خلا بھی پر کر دیے گئے ہیں جو کسی شاعر کے بارے میں بروقت معلومات حاصل نہ ہونے یا فوری طور پر کلام کے نمونے دستیاب نہ ہو پانے کی وجہ سے باقی رہ گئے تھے۔ تیسرا حصہ راقم نے اپنی تحریروں کے لیے مخصوص کیا ہے۔ اس میں سترھویں صدی عیسوی کے عشرۂ ہفتم میں پیدا ہونے والے متذکرۂ بالا فارسی شاعر کبیر خاں یتیمؔ سے موجودہ دور کے نوعمر و نومشق شعرا تک ان تمام شاعروں کے حالات و اشعار شامل ہیں جو یا تو کسی خاص وجہ سے سابق الذکر تذکرے میں جگہ نہیں پا سکے تھے یا اس کی تالیف کے بعد منصۂ شہود پر نمودار ہوئے۔ ان شعرا کی تعداد اٹھاسی ہے۔ اس طرح اب اس تذکرے میں شامل شاعروں کی کل تعداد ایک سو انچاس ہوگئی ہے۔

راقم نے اپنی استطاعت کے بہ موجب اس تذکرے کو زیادہ سے زیادہ جامع بنانے کی کوشش کی ہے تاہم وہ یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس نے تمام قدیم و جدید شعرا کا احاطہ کر لینے میں پوری طرح کامیابی حاصل کر لی ہے۔ تقسیمِ ملک، خاتمۂ زمیں داری اور قدیم علوم و فنون کی طرف سے عام بے اعتنائی کی بنا پر پرانے کتب خانوں کی بربادی سارے ملک کا مشترک المیہ ہے۔ سہسوان بھی اس سے اچھوتا نہیں رہا۔ چنانچہ بزرگوں کا کلام اور بعض دوسری تصانیف جوان کتب خانوں میں بہ صورتِ مخطوطات محفوظ تھیں، ضائع ہو چکی ہیں۔ مطبوعات بھی بہ آسانی دستیاب نہیں۔ ''تاریخِ صحافتِ اردو'' کے مولف مولانا امداد صابری کی اطلاع کے مطابق اپریل ۱۸۸۵ء میں یہاں سے ''گل کدۂ بہار'' کے نام سے ایک ماہانہ گلدستہ شائع ہونا شروع ہوا تھا جس کے ایڈیٹر محلّہ نیا گنج کے باشندے حافظ متین صاحب متینؔ تھے۔ راقم اپنی تمام تر کوشش کے باوجود اس گلدستے کے کسی شمارے کے حصول میں ناکام رہا۔ ظاہر ہے کہ اس گلدستے کے شماروں میں بعض ایسے شعرا کا کلام بھی شامل ہوگا جن سے ہم واقف نہیں یا واقف ہیں تو ان کے صرف ایک دو اشعار ہی دستیاب ہیں۔ گلدستے کے ایڈیٹر بہ ذاتِ خود بھی شاعر تھے، اس لیے ان کا اپنا کلام بھی اس گلدستے میں ضرور شائع ہوتا ہوگا لیکن آج نہ ہم ان کے حالات سے باخبر ہیں اور نہ ان کا کوئی شعر ہماری دسترس میں ہے۔ اس طرح کے کچھ اور لوگ بھی ہو سکتے ہیں جن کے نام اور کلام دونوں پردۂ خفا میں ہیں۔

دورِ حاضر کے شعرا کے حالات اور کلام جمع کرنے کا مسئلہ بھی بہت آسان نہ تھا۔ ان میں اللہ کے بعض ایسے مستغنی المزاج بندے بھی ملے جنھوں نے ہماری تحریری درخواست اور یاددہانی کے باوجود اپنے متعلق ضروری معلومات فراہم کرنے میں مطلق دلچسپی نہیں لی۔ عین ممکن ہے کہ وہ اردو رسم الخط سے ناواقف ہوں اور یہ شرم جواب دہی میں حائل ہو۔ بہرصورت ہم نے مبتدی و منتہی کی تفریق کے بغیر اپنے زمانے کے ہر اس شخص کو اس تذکرے میں جگہ دینے کی کوشش کی ہے جس کا شاعر ہونا ہمارے علم میں آیا ہے اور ان میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جن کے عدم تعاون کا گذشتہ سطور میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ یہاں یہ وضاحت بھی بے محل نہ ہوگی کہ ہم نے ان لوگوں کے ساتھ جو سہسوان میں پیدا ہوئے، ان لوگوں کو بھی جن کے والدین یا ان میں سے کسی

ایک کی ولادت سہسوان میں ہوئی اور بعد میں انھوں نے بہ سلسلۂ ملازمت یا کسی اور وجہ سے کسی دوسری جگہ سکونت اختیار کر لی، سہسوانیوں ہی کے زمرے میں رکھتے ہوئے اس تذکرے میں شامل کیا ہے، لیکن تارکینِ وطن کی تیسری نسل کے لیے اس قسم کی کوئی گنجائش نہیں رکھی ہے۔ اس کے برعکس پاکستان ہجرت کر جانے والے حضرات میں سے صرف انھی شاعروں کا تذکرہ کیا ہے جو اپنے قیامِ ہندوستان کے زمانے ہی میں شاعری کا آغاز کر چکے تھے۔ وہاں پیدا ہونے والے یا یہاں سے جانے کے بعد شاعری شروع کرنے والے ہماری فہرستِ شعرا میں شامل نہیں۔

یہ تذکرہ اس صورت میں کبھی مرتب نہ ہو پاتا اگر بعض بزرگوں، دوستوں اور عزیزوں کی عنایات شاملِ حال نہ ہوتیں۔ اس سلسلے میں راقم کو سب سے زیادہ مدد برادرِ مکرم سید نسیم الحق نقوی (کراچی) اور جناب اخلاق سہسوانی سے ملی۔ اول الذکر نے پاکستان ہجرت کر جانے والے شاعروں کی وفات کی تاریخیں اور بعض دوسری معلومات فراہم کر کے مستفید فرمایا، جب کہ آخر الذکر اپنے شاگردوں کے حالات اور کلام کے حصول میں مدد فرمانے کے علاوہ بعض دوسرے معاملات میں بھی نہایت مستعدی کے ساتھ میرے استفسارات کے جواب دیتے رہے۔ جنابِ حضور سہسوانی نے بھی اسی طرح سفرِ سہسوان کے دوران اور اس کے بعد بھی بعض شعرا کے حالات اور کلام کی فراہمی میں غیر معمولی دلچسپی کا مظاہرہ فرمایا۔ ان حضرات کے علاوہ برادرانِ محترم ڈاکٹر سید عنایت الرحمٰن نقوی و سید صغیر احمد نقوی، محبانِ مکرم جناب اسلم محمود (لکھنؤ) و سید حبیب احمد (بھوپال) اور عزیزانِ گرامی پروفیسر ظفر احمد صدّیقی (علی گڑھ)، ڈاکٹر سید حسن عباس (بنارس)، تسلیم اللہ خاں غوری (بدایوں)، ڈاکٹر شمس بدایونی (بریلی) و ڈاکٹر صفدر امام قادری (پٹنہ) نے بھی اس کام کو آگے بڑھانے میں حسب الطلب مجھے ہر قسم کا تعاون دیا۔ میں اپنے ان سب کرم فرماؤں اور معاونین کا تہِ دل سے ممنون و متشکر ہوں۔ امید ہے کہ اہلِ سہسوان بالخصوص اور دیگر قارئین بالعموم میری اس کوشش کو بہ نظرِ استحسان دیکھیں گے اور میری کوتاہیوں سے مجھے مطلع فرمائیں گے تا کہ اگر آئندہ نظرِ ثانی کا کوئی موقع ملے تو ان کا ازالہ کیا جا سکے۔

حنیف نقوی

بنارس

۸؍فروری ۲۰۱۰ء

حصّہ اوّل

مؤلفہ

حکیم سید اعجاز احمد معجز

(۱) اعجازؔ : منشی محمد عبدالعزیز صدیقی المتخلص بہ اعجاز والمخاطب بہ اعجاز رقم، جامعِ اصنافِ فنون وقادرِ بدیہہ نگارِ شعر وسخن، استادِ ریختہ وفارسی۔ اواخرِ عہدِ حکومتِ اودھ میں بہ زمانۂ قیامِ لکھنؤ اساتذۂ فن سے مشقِ نظم ونثر وخوش نویسی فرمائی۔ شاعری میں اسیرؔ وامیرؔ لکھنوی اور خطاطی میں کالکا پرشاد موجدؔ سے استفادہ کیا۔ ریاست گوالیار وبھوپال میں بہ قدر ومنزلتِ تمام عمر کا ایک حصہ بسر کیا۔ صدہا شاگرد مختلف فنون میں چھوڑے۔ بھوپال میں تقریباً بہ عمر ۶۷ سال سنہ ۱۳۱۷ھ میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ کلام فارسی کا ذخیرہ معتد بہ موجود ہے لیکن کمترطبع ہوا ہے۔ محررِ سطور کو بجز چند قطعاتِ تاریخی دستیاب نہیں ہوا:

سحر افگنی وطیرۂ زلفِ سیاہِ کیست	خنجر کشی کرشمۂ ترکِ نگاہِ کیست
بے خود نظر بہ روے تو بستن گناہِ من	دزدیدنِ نگاہ و ندیدن گناہِ کیست
تازہ قیامتے بہ قیامت بپا شود	پرسندم ار بہ حشر کہ ایں داد خواہِ کیست
دارم نظر بہ مہر و نگہ بستہ ام بہ ماہ	در حیرتم کہ چشمِ مرا اشتباہِ کیست
قربانِ ایں تغافلِ قاتل کہ گویدم	ایں بے گناہ کشتۂ تیغِ نگاہِ کیست
آرے بہ تیغ و طشت رسیدن گناہِ من	بارے بہ کشتنم ندویدن گناہِ کیست
اعجازِ دل برشتہ و آشفتہ، دل فگار	پروانۂ جمالِ رخِ ہم چو ماہِ کیست

☆☆ ☆☆

چہ سبک تیغِ تو بردوشِ منِ زار افتاد	سر کہ یک بارِ گراں بود، بہ یک بار افتاد
لافِ شوخی بہ چمن نرگسِ شہلامی زد	دیدنِ چشمِ تو آں بود کہ بیمار افتاد

☆☆ ☆☆

چہ باید بہ تیر و کماں دست بردن چوکارِ خدنگ از نگاہے بر آید

☆☆ ☆☆

لبِ جاں بخشِ تو اعجازِ مسیحاے ہست کفِ پایت بہ تجلّی یدِ بیضاے ہست
کیف از بادۂ توحید مرا بخشیدند قل ہو اللہ مرا قلقلِ میناے ہست
بردرِ مصدرِ فیضِ شہِ لولاک بیا گرترا دیدۂ بینا، دلِ داناے ہست

تاریخ نوابِ مولانا سید محمد صدیق الحسن خاں والیِ بھوپال

فلک قدر نوابِ برجیس رفعت بہ فضلِ خدا خلعتے یافت ساطع
بہ اثباتِ دعویِٔ اقبال و دولت بود نامِ نامیش برہانِ قاطع
پذیرفت در منزلت ارتقاعے بگردید نوابیش مہرِ لامع
ز تقویمِ سالش نجومیِ فکرم بفرمود: نوابِ خورشید طالع

۱۲۸۹ھ

ایضاً

شہا مدام ترا فضلِ رب مبارک باد بہ نخلِ عمر ز دولت رطب مبارک باد
شمارِ سال ببیں از سرِ ہمیں الفاظ خطاب وخلعت وفرّ وطرب مبارک باد

۱۲۸۹ھ

تاریخِ تصنیفِ تذکرۂ صبحِ گلشن

صبحِ گلشن نمود جلوۂ نور گردِ آفاق اے خجستہ لقا
سالِ تاریخ آں بہ فکرِ متیں گفت اعجاز: آفتابِ ضیا

۱۲۹۵ھ

از غزلِ اردو

بام پر چڑھ کر ذرا تم بھی تماشا دیکھ لو ایک بے کس کو لیے جاتے ہیں گردن مارنے

(۲) اعجاز : سید عبدالعلی، ان کے احوال پر عبور نہیں۔ از تجلیاتِ سخن در صنعتِ قطع الحروف:

سینہ شق ہو سنو جو یک سرِ مو عشق کی دل پہ وہ مصیبت ہے

(۳) اظہر : خان بہادر میر اظہر علی ولد ڈپٹی کلکٹر مظہر علی خاں بہادر، تلمیذ امیر مینائی لکھنوی، ولادت ۱۲۹۰ھ، رئیسِ اعظم و آنریری مجسٹریٹ قصبۂ سہسوان، ذی علم و صاحبِ عزت و ثروتِ موروثی، نہایت خلیق و متواضع و دین دار، فارسی، عربی، انگریزی و گجراتی کے ماہر، شاعرِ فصیح البیان تھے۔ بیمار ہو کر بہ غرضِ معالجہ لکھنؤ گئے اور وہیں ماہِ رجب سنہ ۱۳۵۷ھ میں وفات پائی۔ عیش باغ لکھنؤ میں مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

آپ کے خلفِ رشید میر محمد علی صاحب مجسٹریٹ درجۂ اول نے آپ کا دیوانِ اردو طبع کرایا۔ نمونۂ کلام حاضر ہے:

یوں ہی سمجھائیں گے ہم بھی کسی دن تجھ کو اے ناصح! مزہ آئے گا تو بھی گر کسی پر مبتلا ہوگا

خدا کی بندگی راتوں کو چھپ کر کی تو ہے لیکن جو ظاہر ہو گیا اس بت کو اے اظہر تو کیا ہوگا

☆☆ ☆☆

یاد کو آپ کی اللہ سلامت رکھے اک فقط اس کو انیسِ شبِ ہجراں دیکھا

☆☆ ☆☆

نگہِ شوق کی اس رخنہ گری کے صدقے وہ نظر آتا ہے جلوہ پسِ چلمن ان کا

☆☆ ☆☆

بڑے با خدا آپ ہیں شیخ صاحب! ملے وہ صنم، یہ دعا کیجیے گا

☆☆ ☆☆

آ کر مقابلے میں نشانہ اڑایئے کیوں چھیدتے ہیں دل مرا ترچھی نظر سے آپ

☆☆ ☆☆

لیا ہے ضعف نے پیچھا یہاں تک　　مرے آگے ہے گردِ کارواں تک

☆☆ ☆☆

بات بھی کان میں نہیں سنتے　　ہائے اتنا بھی اعتبار نہیں

☆☆ ☆☆

خنجر بہ کف ہیں آپ بھی، ہوں میں بھی سر بہ کف　　پھر کیوں ٹھہر نہ جائے ابھی امتحان کی

☆☆ ☆☆

چاہیے دل میں خیالِ روئے یار　　ہے صفا درکار باطن کے لیے

(۴) افسوںؔ : زبدۂ علمائے فحول، حاویِ فروع واصول، جامعِ معقول ومنقول، ابوالعلاء، مولوی مفتی سید نظر احمد سلمہ اللہ وابقاہٗ، نجل المویّد من اللہ سید آل محمد شاہ نقوی، مودودی چشتی، قدس سرہٗ۔ اوقاتِ عزیز مشاغلِ تدریس وافتا میں وقف ہیں۔ مکارمِ اخلاق واصابتِ فہم ومتانتِ رائے ورزانتِ فکر میں ممتازِ عصر ہیں۔ عربی ادب میں مہارتِ خاص ہے۔ دیوانِ قصائدِ عربی مرتب ہے، لیکن فارسی واردو شاعری کا مشغلہ کم ہے، تاہم گاہے ماہے بہ تکلیفِ احباب سخن سرائی کا اتفاق ہوتا ہے۔ اس وقت آپ کا سن ساٹھ سال سے متجاوز ہے۔ بنابرِ ضابطہ چند نتائجِ طبع سپردِ قلم کیے جاتے ہیں۔ للہ درّ ما قال:

(۵) احقادؔ : میر احقاد علی صاحب مرحوم ولد میر یاد علی صاحب مرحوم خاموشؔ، عینِ جوانی میں ۳۳ سال کی عمر میں انتقال ہوا، رحمہ اللہ علیہ:

ہے کیا جو تم الجھتے ہو اہلِ نیاز سے　　چھوڑا ہے کیا ادا نے جو سمجھو گے ناز سے

(۶) ادبؔ : سید سعید احمد ولد پیرزادہ فیاض علی شاہ، علومِ رسمیہ سے آگاہ، فنِ انشا و نظمِ شعر میں دست گاہ رکھتے تھے۔ تصانیفِ مطبوعہ رقعاتِ ادب، انشائے ادب، مکتوباتِ

ادب عمدہ یادگار ہیں۔ دیوانِ ادب، مختصر مجموعۂ غزلیات مطبع احمدی علی گڑھ میں طبع ہوا۔ دوسرا مجموعۂ غزلیاتِ نعت بھی "نعتِ رسولِ عرب" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ اس میں آپ نے تخلص اپنا انیقؔ لکھا ہے۔ مدتِ دراز علی گڑھ میں قیام کیا اور وہیں سنہ ......۱۳ھ میں بہ عمر ساٹھ سال تقریباً انتقال کیا۔ انتخابِ کلام ہدیۂ ناظرین ہے۔

دینا ہے تو دے ساقیِ مہ وش! کوئی ساغر　　لب ریز ہے اب عمر کا پیمانہ ہمارا

☆☆ ☆☆

جرم ایک بھی ان کو نہ ملا قتل کو میرے　　الزام لگایا بھی تو الزامِ محبت

☆☆ ☆☆

گو نہیں ہم رند مشرب لیک ہر دم اے ادبؔ　　نشۂ الفت سے رہتے ہیں بہت سرشار ہم

☆☆ ☆☆

اے ادبؔ ہے سرکشی جن کا شعار　　گردن ان کے آگے ہم خم کیا کریں

☆☆ ☆☆

ہے مرے قتل کو ابرو کا اشارا کافی　　یوں ہر اک بات میں تلوار دکھاتے کیوں ہو؟

☆☆ ☆☆

لاتی خاطر میں زلیخا نہ کبھی یوسف کو　　دیکھ لیتی وہ نظر بھر کے جو جلوہ ان کا

☆☆ ☆☆

انیقِؔ زار کی سن کر غزل ہر کوئی کہتا ہے　　کہ لکھی دل سے تو نے خوب ہی مدحت محمدؐ کی

(۷) باقیؔ : زبدۂ افاضلِ علما، ابوالوفا مولانا سید عبدالباقی بن مولانا سراج احمد نقوی مودودی رحمہما اللہ، عالمِ علومِ عقلی و نقلی، جامعِ فضائلِ صوری و معنوی، مصنفِ کتب و رسائلِ کثیرہ تھے۔ تحصیلِ علومِ متداولہ و فنونِ درسیہ اپنے برادرِ معظم قدوۃ العلما والفضلا مولانا الحاج السید عبدالباری برداللہ مضجعہٗ سے فرمائی اور بہ توسلِ حضرتِ مبرور ریاست بھوپال میں ملازمت حاصل کر کے مدتِ دراز تک وہیں مقیم رہے۔ بعدِ حصولِ پنشن اکثر لکھنؤ

میں بہ اصرارِ صفی الدولہ حسام الملک نواب سید علی حسن خاں بہادر مرحوم قیام رہا۔ اسی زمانے میں تصنیف کی طرف توجہ فرمائی۔ مصنّفاتِ مطبوعہ حیات العلما، تذکرۂ علمائے سہسوان و تاریخِ قلعۂ رائسین و تنقید الانتقاد فی تحریم الربوا و مثنوی کیدِ فرنگ وزاریِ غمگیں وانبہ نامہ وغیرہ ہیں۔ کہیں باقیؔ اور کہیں وفاؔ تخلص لاتے ہیں۔ آپ محرّرِ سطور کے حقیقی عمِ شفیق تھے اور اکثر لکھنؤ سے فیض آباد پہنچ کر حقیر کے پاس قیام فرماتے تھے۔ ولادت سنہ ۱۲۷۳ھ سالِ غدر اور وفات ۲۰؍ماہِ ذی الحجہ سنہ ۱۳۵۴ہجری ہے۔ فیض آباد میں مدفون ہوئے۔ نہایت درجہ سخن فہم تھے لیکن فکرِ شعر کم فرماتے تھے۔ غفر اللہ تعالیٰ۔ اندازِ سخن یہ ہے:

انتخابِ از غزلِ مطبوعۂ تذکرۂ منشورِ سخن سنہ ۱۳۰۶ھ

دل میں، جگر میں شوقِ شہادت کہاں نہیں — کیوں کر کہوں لگاؤ یہاں تیغ واں نہیں
بولوں جو کچھ تو دیتے ہیں بسیار گو خطاب — چپ ہوں تو کہتے ہیں: ترے منہ میں زباں نہیں؟
بہتر ہے ان کو شاد کریں قتل ہو کے ہم — سر دے کے دل ملے تو یہ سودا گراں نہیں
خاموش کس لیے ہو تقاضائے وصل پر — آخر زباں سے کچھ تو کہو اپنی، ہاں، نہیں
دیکھو بتوں کا تذکرہ کیجو نہ اے وفاؔ — بھوپال ہے یہ، مردِ خدا سہسواں نہیں

از تذکرۂ بزمِ سخن، مطبوعہ آگرہ سنہ ۱۲۹۷ھ

بڑھا جب دستِ وحشت آستیں سے — کہیں سے جیب لی، دامن کہیں سے

☆☆ ☆☆

الماس گر نہیں تو نمک ہی بھرا رہے — زخموں سے چھیڑ چھاڑ کا کچھ تو مزا رہے

(۸) بدرؔ : مولوی حکیم بدر الحسن بن حکیم محمد نور الحسن فاروقی رحمہما اللہ، علومِ درسیہ کی تحصیل کی اور اکثر قیام وطن سے باہر رہا۔ بہ استیلائے افکارِ فاسدہ صحتِ دماغی میں قصور وفتور تھا۔ تقریباً بہ عمر اسی سال شہر آگرہ میں انتقال کیا۔ سنِ رحلت سنہ ۱۳۶۵ھ۔ نظم و نثر اردو لکھنے کا شوق تھا۔ مسائلِ مختلفہ میں رسائلِ کثیرہ آپ کی تصنیف سے مطبوع ہوئے۔ نعتِ نبی صلعم میں ایک غزل کے چند اشعار درج ہیں:

یارب مروں میں روضۂ شاہِ زمن کے پاس دم نکلے عندلیبِ حزیں کا چمن کے پاس
اشکِ غمِ نبی کے اثر سے یقین ہے نارِ جحیم آنہ سکے گی بدن کے پاس
محشر میں شور ہوگا کہ کس کا حساب لیں بدرالحسن کھڑا ہے حسین وحسن کے پاس

(۹) بیقیدؔ : منشی قیام الدین صاحب مرحوم:

گر بہ ایں بندہ وفائے زتو نیست جرمِ بخت است خطائے زتو نیست

☆☆ ☆☆

بے تو جگرم کباب تا کے معمورۂ دل خراب تا کے
آئی و سکوں دمے بجشی اے جانِ من! ایں عتاب تا کے
بیقیدؔ بہ خاکِ راہِ حرماں اے حضرتِ بوتراب تا کے

☆☆☆☆

درسرِ بالا بلندے شوقِ بالا دستِ من ہر زماں آہنگِ سیرِ عالمِ بالا کند

(۱۰) تائبؔ : وصی احمد بن حقیقت آگاہ سید آل محمد شاہ نقوی مودودی رحمہ اللہ، سالِ ولادت سنہ ۱۳۱۵ھ، انگریزی تعلیم کے بعد صنعت وحرفت کے امتحانات میں کامیاب ہوئے۔ شعر وشاعری سے فطری مناسبت ہے۔ جودتِ طبع میں ممتازِ اقران واماثل ہیں۔ مجموعۂ کلام بہ صورتِ دیوان مرتب ہے۔ پرگو، بدیہہ نگار، معنی آفریں ہیں۔ سنگلاخ زمینوں میں قافیہ پیمائی خوب کرتے ہیں۔ نتائجِ فکر حسب ذیل ہیں۔ سلمہ اللہ وابقاہٗ

مثلِ صرصر جا رہا ہے سوئے منزل تیز کیا توسنِ عمر رواں کو حاجتِ مہمیز کیا
بعدِ مردن میری مٹی اڑ کے پہنچی ہے وہاں ہے زمینِ کوچۂ قاتل بھی دل آویز کیا
خونِ ناحق کی گواہی دے گی کھل کر آستیں روزِ محشر کے لیے کم ہے یہ دستاویز کیا

☆☆☆☆

نہ پوچھو کس طرح مایوس اس محفل سے نکلے ہیں کلیجا تھامے، دل پکڑے ہوئے، بسمل سے نکلے ہیں

ڈبو کر کشتیِ عمرِ رواں گردابِ الفت میں حیاتِ جاوداں لے کر لبِ ساحل سے نکلے ہیں
قدم رکھنا سنبھل کر حضرتِ دل! راہِ الفت میں ہزاروں قافلے لٹ کر اسی منزل سے نکلے ہیں

☆☆☆☆

ناکام کوششوں میں مصروف چارہ جو ہیں زخمِ دل و جگر سب ناقابلِ رفو ہیں
دل پر بھی تو نہیں ہے کچھ اختیار اپنا مانا کہ بے مروت عالم کے خوب رو ہیں
اعمال نامہ اپنا اشکوں سے دھل گیا ہے اس چشمِ تر کے صدقے محشر میں سرخ رو ہیں

☆☆☆☆

میں ہی نہیں، جہاں ترے شیدائیوں میں ہے پر تجھ کو لطف کچھ مری رسوائیوں میں ہے
مستی و بے حجابی و اندازِ بے خودی کیا کیا، بتاؤں کیا، تری انگڑائیوں میں ہے
میں آپ کھو گیا ہوں اب اس کی تلاش میں ہر دم رگِ گلو کی جو گہرائیوں میں ہے

(۱۱) تسلیم : منشی انوار حسین صدیقی، استادِ محقق، اردو و فارسی کے اعلیٰ ناثر و ناظم، تاریخ گوئی کے ماہر، مشہور باکمال، مستغنی المزاج تھے۔ لکھنؤ میں بہ قدردانیِ منشی نول کشور ایک مدت قیام کیا۔ کتبِ مطبوعہ پر آپ کی تقریظ و تاریخ مندرج ہے۔ بعدِ ترکِ تعلق مرادآباد میں بہ اصرار اپنے شاگرد راجہ کشن کمار وقار کے مقیم ہوئے۔ فنِ جمل و صنائع و بدائع میں زنبیلِ تاریخی و ملخصِ تسلیم و مثنوی تاج الکلام و تاج المدائح وغیرہ فارسی آپ کی مطبوعہ یادگار ہیں۔ غزلیات و قصائدِ فارسی و اردو کا ذخیرہ نہیں کیا۔ شیخ علی بخش بیمار کے شاگرد تھے۔ مرادآباد میں بہ عمر ۸۰ سال سنہ ۱۳۰۹ھ میں انتقال ہوا۔ کلامِ اردو و فارسی کا نمونہ حسبِ ذیل ہے:

کاٹ سر میرا، مرا ہلکا بدن ہو جائے گا کام میرا، نام تیرا تیغ زن! ہو جائے گا

☆☆ ☆☆

مانندِ ابر اشک سے دامن بھگوئیں کیوں اک بوند آبرو ہے، اسے ہم ڈبوئیں کیوں
بہتر ہے مر رہیں کہ ٹلے سر سے بارِ عشق انصاف کی تو یہ ہے کہ بیگار ڈھوئیں کیوں

☆☆ ☆☆

حال یہ ان کی انجمن میں ہے　　ہر سخن معرضِ سخن میں ہے
مجھ سے وحشی زیادہ سمجھے آپ　　قدرداں! شاخ کیا ہرن میں ہے

☆☆ ☆☆

باغباں لوٹ ہے، حالت بری صیاد کی ہے　　دھج نئی، تازہ اپج وہ مری فریاد کی ہے

☆☆ ☆☆

دردِ فراق نے یہ کیا ناتواں مجھے　　پھرتا ہے ڈھونڈتا مرا وہم و گماں مجھے
شکرِ خدا کہ ہجر میں صورت بدل گئی　　وہ آتے ہیں سنانے مری داستاں مجھے

ازغزل ہائے فارسی

بوسہ از یار تمنا کردم　　طلبِ قطرہ ز دریا کردم
مست بودم بہ خیالِ ساقی　　دست در گردنِ مینا کردم

☆☆ ☆☆

نیست پروا زدلِ گم گشتہ　　خاطرم جمع کہ دل جو شدہٗ
منم و دیدنِ اربابِ وفا　　للہ الحمد کہ بدخو شدہٗ

☆☆ ☆☆

آں منم یاد نیایم بہ دلِ دشمن و دوست　　تو نہ آنی کہ شوی لحظہ فراموشِ کسے
قسمتِ نقطۂ موہوم کہ دیدو کہ شنید　　می طپد خندہ عبث برلبِ خاموشِ کسے
کاربا سوختن افتاد مرا اے تسلیم　　آتشے زد بہ دلم شعلۂ خس پوشِ کسے

(۱۲) تہذیب : سید تہذیب احمد بن سید ابو احمد صاحب نقوی مودودی سلمہما اللہ، عربی فارسی مدرس انگلش ہائی اسکول، سہسوان، انگریزی میں بی.اے. تک کی تعلیم ہے۔ امتحان منشی و کامل فارسی و قابل اردو الہ آباد پاس ہیں۔ عربی کی تحصیل اپنے نانا پیچ میرزمحمّد رسطور کے پاس مدرسۂ عربی وثیقہ، فیض آباد میں کی۔ ابتدا سے نظم ونثر کی مشق بہ مناسبتِ فطری و ذوقِ

طبعی کرتے رہے۔ ہر زبان میں آپ کا ادبی مذاق نہایت خوش سلیقگی کا ثبوت دیتا ہے اور اس کمال میں محسودِ اقران و امثال ہیں۔ نثر نگاری کا ملکہ عام ذہنوں کی رسائی سے بلند ہے۔ اس وقت عمر قریب ۲۹ سال ہے۔ سلمہ اللہ وابقاہٗ۔ غزل کا انداز یہ ہے۔ للہ درّہ حیث قال:

یہ کیا ہوا کہ ہوئی فکر آزمانے کی | نہ تھی ضرورت انھیں حالِ دل جتانے کی
بتائے گا غمِ پنہاں کو دیدۂ خوں بار | یہی ہے سرخیِ رنگیں مرے فسانے کی
کمی نہ دست درازی میں باغباں کرتا | خبر نہ لیتی اگر برق آشیانے کی

☆☆ ☆☆

مجھ کو احساس نہیں یا وہ ستمگار نہیں | یہ بھی اک راز ہے جو قابلِ اظہار نہیں
میں وفا کیش ہوں، پیماں شکنی کا کیا ذکر | مجھ کو دشوار ہے وہ، جو انھیں دشوار نہیں
گرم ہے عفو کا دربار، کہاں ہیں مجرم؟ | اس کی پرسش ہی نہیں ہے جو گنہگار نہیں
نہ کریں کوئی خطا پھر بھی خطاوار ہیں ہم | وہ کریں لاکھ گنہ، پھر بھی گنہگار نہیں

☆☆ ☆☆

شکوۂ بے رخیِ حسن شیوۂ عاشقی نہیں | ترکِ شریعتِ ادب مذہبِ بندگی نہیں
جس میں نہ ہو تلاشِ جور وہ روش آپ کی نہیں | جس میں نہ غم کی ہو خلش، میری وہ زندگی نہیں
وہ رخِ بے نقاب اور تابِ نظر کا امتحان | سامنا برقِ طور کا کھیل نہیں، ہنسی نہیں
توبہ کا وقت آ گیا، کام ہے میکدے سے کیا | خم کی تمام ہو چکی، شیشے میں کچھ رہی نہیں

☆☆ ☆☆

بے مہر سے نباہ کیے جا رہا ہوں میں | اک زندگی تباہ کیے جا رہا ہوں میں
پیغامِ صلح ہے رہِ الفت میں ہر قدم | دشمن کے دل میں راہ کیے جا رہا ہوں میں
یہ سوءِ ظن بڑھا ہے کہ اب رہ نما پہ بھی | رہزن کا اشتباہ کیے جا رہا ہوں میں
دل سے مٹا رہا ہوں میں جذبات کی خلش | اس کہربا کو کاہ کیے جا رہا ہوں میں

(۱۳) جادو : نواب میر احتشام علی خاں ولد نواب میر ابراہیم علی خاں وفا رئیسِ

بڑودہ وسہسوان، تلمیذ رشید ظہیرؔ دہلوی۔ آپ کے جدِ اعلیٰ سہسوان سے گجرات جا کر دربارِ ریاست بڑودہ میں مقتدر رکن ورئیسِ اعظم ہوئے۔ اہلِ وطن سے بہ حسنِ سلوک پیش آتے تھے۔ ریاست سے بڑی جاگیر پائی۔ جادو مرحوم اپنے اسلاف کی یادگار، نہایت بامروت وکریم النفس رئیس تھے۔ محررِ سطور ایک تقریب سے بڑودہ گیا اور چند ماہ بہ اصرار آپ کا مہمان رہا۔ آپ بھی اپنے آبائی وطن تشریف لائے تھے۔ اچھے شاعر تھے۔ دیوان مرتب ہے، عنقریب طبع ہوگا۔ آپ نے بڑودہ میں اب سے غالباً تیس برس قبل وفات پائی۔ ایک غزل کے اشعار درج ذیل ہیں:

رہی ہے میرے دم سے مدتوں آبادیِ زنداں — نہ بھولیں گی مگر پائے جنوں کو بیڑیاں برسوں
غضب دیکھو گراتی ہے وہی اب بجلیاں دل پر — سکھائیں جس نگاہِ فتنہ زا کو شوخیاں برسوں
نہ تو دل میں، نہ دل پہلو میں ٹھہرا ایک مدت تک — رہے ویراں مکیں کی یاد میں دونوں مکاں برسوں
لہو روئے گا خنجر خندہ ہائے زخمِ بسمل پر — وفائیں میری یاد آئیں گی بعد از امتحاں برسوں
بہارِ سوزشِ پنہاں دکھائی بعدِ مردن بھی — رہی شمعِ لحد تربت پہ میری گل فشاں برسوں

(۱۴) جمیلؔ : مولوی سید جمیل احمد بن میر امتیاز علی جوہرؔ، بہ غایت ذکی الطبع، کامل الاستعداد نامور شاعر تھے۔ ولادت آپ کی بعدِ غدر سنہ ۱۲۷۴ھ میں ہوئی۔ ریاست بھوپال میں قریب پچاس سال مقیم رہ کر وطن آگئے اور آخرِ حیات تک پنشن میں کامل تنخواہ پاتے رہے۔ نواب شاہ جہاں بیگم والیۂ ریاست بھوپال نے آپ کو شرفِ استادی بخشا، چنانچہ ضخیم دیوان آپ کی اصلاح سے مرتب ومطبوع ہوا۔ فنِ شاعری میں آپ کے صدہا شاگرد ہوئے۔ نواب شاہ جہاں بیگم ونواب سید صدیق الحسن خاں کی مدح میں فارسی، اردو فصیح وبلیغ قصائد آپ نے کہے جن کا ایک مجموعہ مسمّٰی ''ثمرۂ فصاحت'' آپ کے اہتمام سے طبع ہوا۔ مشاہیر اساتذۂ شعر کی غزلوں پر مخمسات بھی اسی کے ساتھ مطبوع ہوئے۔ بذلہ سنج، بدیہہ گو، اصنافِ سخن پر قادر تھے۔ بھوپال میں تلامذہ کی جماعتِ کثیر تھی۔ حلیۃ الابرار منظوم ورسالہ التامین وبسط المائدہ آپ کی مطبوعہ تصانیف ہیں۔ دیوانِ اردو مکمل ہے، طبع نہیں ہوا۔ آپ کو علومِ دینیہ میں خاص تبحر تھا۔ سنہ ۱۳۵۴ھ میں وفات پائی۔ تین چار غزلوں کا انتخاب پیش ہے:

دہشت عبث ہے خلق کو روزِ شمار کی　　ہوگی سحر نہ میری شبِ انتظار کی
اچھی کہی کہ اب ہمیں چاہا نہ کیجیے　　گویا کہ ہے یہ بات مرے اختیار کی
شہرت پہ وصلِ غیر کی مجھ پر عتاب ہے　　لیتے نہیں خبر نگہِ شرمسار کی

☆☆ ☆☆

روٹھو کہ منو غیر کی منت نہیں کرتا　　تقصیر معاف، ایسی محبت نہیں کرتا
تانو نہ بھویں سن کے مصیبت شبِ غم کی　　مقصود حکایت ہے، شکایت نہیں کرتا
رخ دیکھ کے رحمت کا، ہے جنت کا بھی طالب　　بخشش پہ جمیلؔ اپنی قناعت نہیں کرتا

☆☆ ☆☆

کیا پوچھتے ہو داغ جگر میں کہاں کے ہیں　　کچھ آپ کے دیے ہوئے، کچھ آسماں کے ہیں
کچھ بلبلوں کو یاد ہیں، کچھ قمریوں کو حفظ　　عالم میں ٹکڑے ٹکڑے مری داستاں کے ہیں

☆☆ ☆☆

بارِ عصیاں نہ گنہگار اٹھا کر لے جائیں　　اے خدا راہ میں لٹ جائے یہ ساماں ان کا

(۱۵) جلیلؔ : سید جلیل احمد ولد مولوی سید اولاد احمد مرحوم، سنہ ۱۲۷۳ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۳۰۷ھ میں بھوپال میں انتقال ہوا۔

لے لیا گر ہم نے بوسہ زلفِ عنبر بار کا　　کہیے اس میں کون سا نقصاں ہوا سرکار کا

☆☆ ☆☆

کیوں بنائیں دلِ صدچاک نشانہ اپنا　　کیا نگاہِ غلط انداز تری تیر ہوئی

☆☆ ☆☆

جس کا کشتہ ہے جہاں، وہ ستم ایجاد آیا　　کیا برا بھولے تھے، کیا خوب ہمیں یاد آیا

☆☆ ☆☆

تھا وعدۂ وصال جو شب کو تو شام سے　　پیغامِ مرگ آکے اجل نے سنا دیا

(۱۶) جوہر : منشی سید امتیاز علی ولد میر مراد علیؒ، خط نسخ و نستعلیق کے خوش نویس، نظم ونثرِ اردو و فارسی کے ماہر، نہایت ذکی و قابل تھے۔ قصیدہ گوئی میں اچھی مہارت تھی۔ بہ قدر دانیِ نواب میر ابراہیم علی خاں صاحب سہسوانی رئیسِ بڑودہ، ملکِ گجرات بڑودہ میں زیادہ مقیم رہے۔ آخر اپنے وطن سہسوان میں بہ عمر اکہتر سال سنہ ۱۳۲۸ھ میں وفات پائی۔ آپ کے خلف الصدق مولوی سید جمیل احمد صاحب نامور شاعر متوسلِ ریاست بھوپال ہیں۔ سلمہ اللہ تعالیٰ۔

اے جانِ جہاں! لطف سے فرما کے تبسم　　میرے دلِ افسردہ کے غنچے کو کھلا دے

☆☆ ☆☆

اسے گویا نہ کہنا، اس کی باتوں پر پڑیں پتھر　　نبی کے ذکر سے گونگا ہو جو منہ میں زباں رکھ کر

انتخاب از مثنوی

اے مرے اللہ غفور الرحیم　　کوئی نہیں تیرا شریک و سہیم
باقی و دائم تو، ہے قائم بذات　　تیرے بجز فانی ہے کل کائنات
ذات تری، آپ سے تو آپ ہے　　تیرا کوئی ماں نہ کوئی باپ ہے
حال کا ہے سب کے تو دانائے غیب　　سب کے ہیں معلوم تجھے وصف و عیب
عیب کو بندوں کے چھپاتا ہے تو　　سب کو رہِ نیک بتاتا ہے تو
قادر و قیوم و توانا ہے تو　　دل کے چھپے بھید کا دانا ہے تو
فضل سے تیرے مرے ربّ العلا!　　عام ہے سب پر درِ احساں کھلا

(۱۷) حیرتؔ : حکیم سید رئیس احمد ولد مولوی حکیم سید کریم احمد مرحوم نقوی، شعر گوئی میں طبعِ سلیم و فہمِ مستقیم رکھتے ہیں۔ نہایت ذہین وطبّاع، بدایوں و شیخوپور میں بہ تقریبِ مطب قیام ہے۔ خوش مزاج و بذلہ سنج و خوش گو ہیں۔ اس وقت عمر قریب پچاس سال ہے۔ قومی واصلاحی نظمیں آپ کی بہ توجہِ رؤسائے شیخوپور کثرت سے مطبوع و مقبولِ طبائع ہو چکی ہیں۔ یہاں صرف غزل کے چند اشعار پر اکتفا کی جاتی ہے:

لبوں پر ان کے ہے یوں تبسم، چمن میں آئے بہار جیسے　　نظر میں مستی کا ہے یہ عالم شراب میں ہو خمار جیسے

ہماری رودادِ زندگی پر یہ نکتہ چینی ہے روزِ محشر　　　　کہ ہم کو بھیجا گیا تھا حیرت بنا کے با اختیار جیسے

☆☆ ☆☆

اپنا نصیب، ان کی مہر دونوں کو آزما کے دیکھ　　　　دیکھ تو داستانِ غم ان کو کبھی سنا کے دیکھ
یاس کا نام بھی نہ لے، مذہبِ عشق میں ہے کفر　　　　حسن کی بارگاہ میں طور پہ جا کے دیکھ
خود ہی حجاب میں ہے تو اہلِ نظر کا کیا قصور　　　　منظرِ عام پر تو آ، رخ سے نقاب اٹھا کے دیکھ

☆☆ ☆☆

سنتا ہوں ان کی مشقِ ستم نا تمام ہے　　　　کیوں کر بڑھاؤں موت سے پیمانِ زندگی

☆☆ ☆☆

نزع میں پتلی نے پھر کر یہ کہا　　　　کس کے آنے کی تمھیں امید ہے؟

(۱۸) خاموشؔ : مولوی سید یاد علی ولد میر مراد علی رحمہما اللہ، نہایت متشرع، متقی، دین دار عالم تھے۔ نثر و نظم ہر طرز میں لکھنے کی قابلیت تھی۔ ایک مدت تک بہ عہدۂ منصرمی عدالتِ دیوانی ضلع بجنور میں کمالِ دیانت و نیک نامی کے ساتھ ملازمت کر کے پنشن پائی۔ آخر وطن میں تقریباً سنہ ۱۳۲۱ھ میں بہ عمر ۷۰ سال وفات پائی۔ نشۂ عشقِ حضرت رسالت پناہ میں سرشار، فقر و تصوف کے جادے میں قدم استوار تھا۔ کلام کا زیادہ حصہ نعت رسول ہے:

فقیروں میں ہیں لیکن ہم کسی در پر نہیں جاتے　　　　توکل کا ہے تکیہ، آشنا ہیں اپنے بستر کے

☆☆ ☆☆

نہ ہو خاموشؔ تو عہدہ برآ توصیفِ حضرت سے　　　　اگر ہر موے جسمِ زار گویا ہو زبان ہو کر

☆☆ ☆☆

دل پہلو میں اور جاں دلِ مضطر میں نہیں ہے　　　　جینے کا مزہ ہجرِ پیمبر میں نہیں ہے
یارب! ہو وہ دن کوئی پکارے تو یہ کہہ دیں　　　　خاموشؔ مدینے کو گیا، گھر میں نہیں ہے

(۱۹) دردؔ : ابوالکمال مولوی سید عبدالودودؒ بن مولوی غلام جیلانی صاحب

مرحوم ڈپٹی کلکٹر، معزز وذی علم خاندان سے، اسلامیہ ہائی اسکول، بریلی کے بانی اور قومی خدمات میں ممتاز تھے۔ گاہے گاہے جودت وذکاوتِ ذہن سے نظم کی طرف بھی توجہ مبذول کرتے تھے۔سنہ......۱۳ھ میں وفات پائی۔ایک قطعے کے بعض اشعار ہیں:

آپ فرماتے ہیں: لکھ کچھ "گل کدہ" کے واسطے — مجھ پہ اس ارشاد کی تعمیل از بس بار ہے
میں ہوں ایک آزادہ رو اور آپ پابندِ اصول — اپنی صد سالہ روش پر آپ کو اصرار ہے
آپ فرماتے ہیں: استادوں نے یوں باندھا نہیں — مجھ کو دقیانوس کی تقلید سے انکار ہے
الغرض میں بالمعانی اصطلح شاعر نہیں — اور مجھے اپنے قصور و عجز کا اقرار ہے

یادِ سہسوان

نامور ضلعِ بدایوں میں ہے قصبہ سہسوان — ہے وہی میرا وطن اور ہے وہیں میرا مکان
ہے ذہانت اور طبّاعی میں وہ ضرب المثل — فخر اس بستی پہ کرتا تھا کبھی ہندوستان
ایسے مردم خیز خطّے پر تھے نازاں اہلِ ہند — اب بھی ہے آب وہوا کی رو سے وہ جنت نشان
ہے کنارے اس کی آبادی کے اک لمبی سی جھیل — سہسواں کی جس سے صد گونہ بڑھی ہے عز وشان
سرزمینِ سہسواں مخزن تھی علم و فضل کی — شاعروں کی اور طبیبوں کی تھی گویا ایک کھان
مٹ گئیں سب خوبیاں لیکن خدا کے فضل سے — عظمتِ دیرینہ کے باقی ہیں اب بھی کچھ نشان
ہستیاں ہیں چند باقی سہسواں میں اب تلک — جن کو کہہ سکتے ہیں علم وفضل کا ہم آسمان

ازغزلیات

پھرے عمر بھر جستجو میں و لیکن — سوا اک لحد کے کوئی گھر نہ پایا

☆☆ ☆☆

ادائیں ہیں جدا خواہاں، کرشمے ہیں الگ طالب — مجھے کرنا پڑے اپنے دلِ ناشاد کے ٹکڑے
یہ ہیں کس چیز کے ریزے جو نکلے اشک کے ہمراہ — مرے لختِ جگر ہیں یا دلِ ناشاد کے ٹکڑے

(۲۰) رشیدؔ : مولوی حکیم عبدالرشید ولد منشی احمد حسن مرحوم، سالِ ولادت سنہ ۱۲۷۴ھ اور سنِ وفات سنہ ۱۳ھ ہے۔نہایت ذکی وذہین، درسیاتِ عقلیہ ونقلیہ سے فارغ،

ذی استعداد، فارسی و عربی کے ناثر و ناظم و ادیب، انگریزی و ہندی سے واقف، خط نسخ و نستعلیق کے ماہر تھے۔ فرخ آباد میں ہائی اسکول کے مدرس رہ کر پنشن پائی۔ تصنیف و تالیف میں اکثر اوقاتِ عزیز صرف کرتے تھے۔ سبیل الرشاد الیٰ بیانِ اصول الاجتہاد بہ زبانِ فارسی علم اصولِ فقہ میں اور شرح مقاماتِ بدیعی زبانِ عربی میں وغیرذالک من مجامیع النثر والنظم مطبوعہ یادگار ہیں۔ آپ کے تین فرزندانِ رشید اصحابِ علم و فضل ہیں۔ چند اشعارِ فارسی پیشکش ہیں:

ہاں چہ پرسی زحالِ من کہ چہا — زیرِ نہ طاقِ نیل گوں کردم
در چہل سال قطعِ منزلِ عمر — اندریں خارزار چوں کردم
بہ چہ زیں کاخ ہائے مینا رنگ — قدمِ آرزو بروں کردم
گہ رسیدم بہ سبزہ زارِ امید — داغ بر داغ ہا فزوں کردم
رہِ تقویٰ گہے نوردیدم — نفسِ امارہ را زبوں کردم
بہ خراباتِ تشنہ کامیِ خویش — ساغرے پر گہے زخوں کردم
گہ رسیدم بہ بزمِ شعلہ رخاں — جگر و دل بہ سینہ خوں کردم
تا ہم آغوشِ شاہدے گردم — بہر تسخیر صد فسوں کردم
بود بے ہودہ جملہ چالشِ من — ہمہ رفتار واژگوں کردم
کہ دریں عرصہ گاہِ ناز و نیاز — ہمہ کردم مگر جنوں کردم

اردو

لاکھ رسوا ہوئے رشیدؔ مگر — یار اب بھی بنے ہیں یاروں کے

(۲۱) ریاضیؔ : منشی محمد ریاض الدین جدِ جناب تسلیمؔ و فاخرؔ و صباؔ، فارسی کے بلند پایہ شاعر اور حضرت میرزا مظہرؔ جانجاناں کے مرید و معتقد تھے۔ آپ کا دیوانِ فارسی کتابت سنہ ۱۲۴۲ ہجری بہ قلمِ مصنف موجود ہے۔ کلام فصاحت و بلاغت کا نمونہ ہے۔ ایک غزل کا انتخاب حسبِ ذیل ہے:

تا گشتہ است زلفِ تو باشانہ آشنا — دیوانگی است با ہمہ فرزانہ آشنا

نا آشنا شدیم زناز و نعیمِ دہر | تا گشتہ ایم باغمِ جانانہ آشنا
شد از خیالِ خال بہ زلفش اسیر دل | افتد بہ دام مرغ کہ شد دانہ آشنا
نا مردم است ہر کہ پےِ کینِ مردم است | شاد آں کہ شد بہ ہمتِ مردانہ آشنا
بے گانہ است فکرِ ریاضی زدخلِ پوچ | دارد تمام معنیِ بیگانہ آشنا

(۲۲) رازؔ : نذرالحسن صاحب احسنی سلمہٗ، نہایت فصیح گفتار وخوش بیان شاعر ہیں:

برسرِ محفل کوئی زیرِ نقاب آہی گیا | بے حجابی میں بھی اندازِ حجاب آہی گیا
مستقل غم، دائمی حرماں، مدامی دردِ دل | عشق کا جن ساتھ لے کر سب عذاب آہی گیا
عرصۂ محشر ہے، لاساقی شرابِ تندوتیز | جام کی حاجت نہیں، پاس آفتاب آہی گیا
بھیج کر خط ان کو اس انداز سے مسرور ہوں | جیسے خاطر خواہ نامے کا جواب آہی گیا

(۲۳) زارؔ : مولوی حکیم سید کریم احمد مرحوم، عربی و فارسی کے کامل الاستعداد، ہرگونہ نثر و نظمِ فارسی و اردو پر قادر تھے۔ بدایوں میں مدّتِ مدید تک مطب کیا اور قبولیتِ عامّہ حاصل کی۔ شاعری میں انہماک نہ تھا لیکن جو کچھ کہتے تھے، خوب کہتے تھے۔ آپ کے خلف الرشید حکیم حیرتؔ سلمہٗ کا ذکر آچکا ہے۔ آپ نے بہ عمر ۶۵ سال سنہ ۱۹۳۰ء میں وفات پائی۔ مدفن بدایوں ہے۔

خستہ و زار و ناتواں شدہ ام | انچہ می خواستی، ہماں شدہ ام
چیست اے زارؔ سبحہ و زنّار | واقفِ رازِ این و آں شدہ ام

☆☆ ☆☆

چو موے او بہ ہوا از خیال می جنبد | نداد رخصتِ دیگر نزاکتِ تنِ او

☆☆ ☆☆

او بہ فکرِ صلح، من در جستجوے دیگرم | عاشقِ دردم، نمی سازم بہ درماں اختلاط

(۲۴) ساحرؔ : مولوی سید اقتدار احمد خلفِ عارف باللہ سید آل محمد شاہ رحمہ اللہ، ذی استعداد و پُر مایہ، صاحبِ علم و فضل۔ ابتدا سے شعر گوئی کی مشق ہے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ہائی اسکول میں مدرسِ فارسی و عربی۔ نکتہ سنج و کہنہ مشق، بدیہہ نگار، پرگو شاعر، اصنافِ سخن پر قادر ہیں۔ کلام طبع نہیں ہوا۔ سالِ ولادت آپ کا سنہ ۱۳۰۶ھ ہے۔ سلمہ اللہ

(۲۵) سائلؔ : منشی فضیل احمد صاحب سلمہٗ ولد چودھری منظور احمد صاحب مائلؔ مرحوم، سخن سنجِ پختہ کار ہیں:

دیکھ لینا دیکھنے والے! یہ تیرا کام ہے
ذرّہ ذرّہ ورنہ شاہد ہے کہ جلوہ عام ہے

بے نیازی دیکھیے، بولے کفن سرکا کے یوں
ڈھانک دو، نیند آ گئی ہے، اب اسے آرام ہے

دوسری دنیا ملے تو دوسرا سجدہ کروں
میرے اک سجدے کا ہی آغاز حشر انجام ہے

خود نمائی حسن کی ہے باعثِ بزمِ شہود
رازِ سربستہ کسی کا آج طشت از بام ہے

(۲۶) شائقؔ :

(۲۷) شمیمؔ :

(۲۸) شوقؔ : اقبال احمد ولد چودھری مقبول احمد مرحوم، شاعرِ خوش گفتار، مذاقِ سخن گوئی سے سرشار ہیں:

بیٹھ رہنے کا تو میں تربت میں بھی قائل نہیں
چلنے والے چل، یہ رستہ ہے، ابھی منزل نہیں

جان دی خود مرنے والے نے نمودِ عشق پر
حسن کہتا ہی رہا، میں حسن ہوں، قاتل نہیں

دل میں بھی داغِ محبت کے نشاں پاتا ہوں میں
اب کوئی شیشہ تری تصویر کے قابل نہیں

(۲۹) صبا : منشی محمد صابر حسین بن منشی احتشام الدین صدیقی، برادرِ کوچکِ حضرت تسلیم و فاخر و نبیرۂ ریاضی مرحوم، شاعرِ سحر البیانِ ریختہ و فارسی، تاریخ گوئی و صنائع میں یگانۂ عصر تھے۔ ریاست رام پور میں بہ قدر دانیِ نواب کلب علی خاں بہادر متوسل رہے۔ فارسی مثنوی ''شوکتِ خسروی'' نوابِ ممدوح کے بعض حالات و وقائع میں نہایت بلیغ تصنیف کی، جس پر نظامیِ ہند کے خطاب سے مخاطب ہوئے۔ وہاں سے ترکِ تعلق کر کے بھوپال میں ملازمت اختیار کی۔ نواب سید صدیق الحسن خاں و سرکار عالیہ نواب شاہ جہاں بیگم کی ہنر پروری سے امتیازِ خاص حاصل کر کے عہدۂ نظامتِ ضلع رائسین پر فائز ہوئے۔ آخر بھوپال میں سنہ ۱۳۱۳ھ میں انتقال کیا۔ آپ کا ذکر مع کلام تذکرۂ طورِ کلیم و بزمِ سخن و صبحِ گلشن میں مسطور ہے۔ آپ کے خلف الرشید مولوی منشی محمد شاکر حسین صاحب نکہت ابقاہٗ ربہٗ فخرِ خاندان ہیں۔ ان کا ذکر آئندہ ہوگا۔ حضرت صبا کے کلامِ فارسی و اردو کا مختصر نمونہ ہدیۂ ناظرین ہے:

غضب ہے اضطرابِ جاں، قیامت ہے تڑپ دل کی
مرے قالب میں گویا پھونک دی ہے روح بسمل کی

کہیں نظروں سے گر جائے نہ شوخی چشمِ قاتل کی
تڑپتی لاش دکھلا اے اجل بسمل پہ بسمل کی

مرے شوقِ شہادت کو عبث بدنام کرتے ہیں
مجھے کھینچے لیے جاتی ہے مٹی کوے قاتل کی

ہوئے جاتے ہیں بسمل خود تماشا دیکھنے والے
چھری کا کام کرتی ہے نگاہِ یاس بسمل کی

بناوٹ سے صبا واقف نہیں ہے سادہ پن ان کا
جو پوچھا کیوں دیا غم؟ تو وہ کہتے ہیں: خوشی دل کی

فارسی

گریۂ من آبرویم ریخت مانندِ سرشک
فاش گردد رازِ دل، باشد چو غماز آشنا

می شناسد نالہ ام را از فغانِ دیگراں
دشمنِ جانِ من است آں شوخِ آواز آشنا

دورِ پر کار است عشقِ پیریم با طفلکے
ساخت انجامِ مرا گردوں بہ آغاز آشنا

از خراشِ ناخنِ غم نالۂ دل سرکشید
زخمہ آواز آورد، گردد چو با ساز آشنا

جاں سلامت بردن و مردن چہ دشواری گرفت
ہست چشمش بافسون ولب بہ اعجاز آشنا

(۳۰) صدر : سید ابو احمد سلمہٗ بن طریقت آگاہ سید آلِ محمد شاہ مودودی چشتی

رحمہ اللہ، خویش و خواہرزادۂ راقم الحروف، صاحبِ قوتِ خداداد، جیّد الاستعداد، ممتازِ اقران واماثل، معدنِ فہم و ذکا، علوم السنۂ فارسی وانگریزی سے متمتع ہو کر فنونِ مختلفہ میں مہارت حاصل کی۔ نظم ونثر اردو، فارسی وانگلش میں حیرت انگیز جوہر دکھاتے ہیں۔ خوش خطی و بدیہہ نگاری وشیوا بیانی وتحقیقِ لغات ومحاوراتِ زبانِ فارسی وانگریزی میں محیرالعقول کارناموں کے خزینہ دار ہیں۔ کمالِ استغناو وارستہ مزاجی سے تجرّد وآزادی کے ساتھ بسر کرتے ہیں۔ آپ کے دو صاحب زادے مولفِ حقیر کے نواسے یعنی سید تہذیب احمد تہذیب سلمہٗ سابق الذکر و مولوی سید آفتاب احمد سلمہ اللہ محسودِ عصر ہیں۔ صدؔر سلمہٗ ربہٗ شاعرِ معنی آفریں و ناظمِ مضامینِ رنگیں ہیں۔ آپ کے چند اشعارِ متفرق درج ذیل ہیں:

کیوں دل کو پریشاں نہ کرے ضبطِ فغاں اور　　ہوتی ہے ہوا بند تو گھٹتا ہے دھواں اور

☆☆ ☆☆

اپنے نالوں سے اڑائیں کس طرح چنگاریاں　　رنگِ خورشیدِ قیامت کیوں عبث پھیکا کریں

☆☆ ☆☆

فرقت میں یادِ گیسو و رخسارِ یار ہے　　سر پر سوار گردشِ لیل و نہار ہے

☆☆ ☆☆

دشمنوں کے نام مقتل میں پکارے جائیں گے　　آج یوں حسرت سے ہم بے موت مارے جائیں گے

☆☆ ☆☆

کس آشیاں نشیں کی یہ حالت ہوئی ہے آج　　تنکے پڑے ہیں باغ سے دور اور شکستہ پر
کیا سمجھے کوئی آپ کے اوجِ کمال کو　　جبریل ہیں سراغ سے دور اور شکستہ پر

☆☆ ☆☆

خمیدہ ہونے پر ہرگز نہ جانا پیرِ گردوں کے　　یہ اتنے تیرِ غم برسائے گا جتنا کماں ہوگا

(۳۱) صوفؔی :

(۳۲) طاہرؔ : حکیم حافظ سید طاہر حسن صاحب سلمہ اللہ خلفِ مولوی شاہ سید اسرار حسن رحمہ اللہ، شاعرِ سخن فہم و سخن سنج، صاحبِ طبعِ مستقیم، فنِ طب میں دستگاہِ شائستہ رکھتے ہیں۔ باوجودِ شغلِ مطب فکرِ شعر بھی فرماتے ہیں۔ سنِ مبارک قریب ساٹھ سال ہے۔ منہٗ لافض فوہٗ:

غمِ فرقت سے دل اندوہگیں ہے　　کوئی دم کی بس اب جانِ حزیں ہے
دلِ مضطر کہاں ہے، کیا بتاؤں　　ٹھکانا بے ٹھکانوں کا کہیں ہے؟
درِ جاناں پہ پہنچادے خدا اب　　بہت مشتاقِ سجدہ یہ جبیں ہے

(۳۳) ظفرؔ :

(۳۴) ظہیرؔ : خطیب ظہیر الحسن صاحب:

نقابِ رخ نہ الٹا تم نے یہ اچھا کیا ورنہ　　یہیں جب حشر کر دیتے تو پھر محشر کہاں ہوتا

☆☆ ☆☆

کیا چراغوں نے انھی کے واسطے کھولی تھی آنکھ　　وہ ہوے رخصت تو مدھم روشنی ہونے لگی

(۳۵) ظہیریؔ : حکیم ظہیر احمد صاحب:

میسر کاش ہو جائے نظارہ روے حضرت کا　　گھٹا، گھٹ کر بڑھا ہر شب قمر آہستہ آہستہ
مدد اے بے قراری روضۂ پرنور ہے شہ کا　　ادب کے ساتھ چلنا سوے در آہستہ آہستہ
ہر اک پہنچا دیا پیغام اپنا روضۂ شہ پر　　صبا کو کر لیا پیغام بر آہستہ آہستہ
سراپا سے رسول اللہ کے یہ بات پیدا تھی　　بنا یہ نور ہے شکلِ قمر آہستہ آہستہ

(۳۶) عابدؔ : منشی عابد حسین صاحب صدیقی، امیرؔ مینائی کے مایۂ ناز شاگرد، صاحبِ استعداد، فصیح البیان، اردو فارسی کے عمدہ شاعر تھے۔ ابتدا میں ضلع سیتاپور میں بعض تعلقہ دارانِ اودھ کی ریاست میں ملازمت کی، بعدہٗ لکھنؤ میں آخر عمر تک قیام کیا۔ تحقیقِ زبان و

محاورات وفنِ شعر میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ ابتدائی کلام دیوانِ مکمّل چوری ہو گیا۔ دوسرا دیوان مرتب کیا لیکن افسوس! آپ کے انتقال کے بعد پس ماندگان کی بے اعتنائی سے وہ بھی ضائع ہو گیا۔ قصائد فارسی ومثنویِ فارسی کمالِ فصاحت کا نمونہ تھے۔ آخر بہ عمر اسّی سال لکھنؤ میں اب سے پچیس سال قبل وفات پائی۔ آپ کی ایک غزل کا مطلع اور دو غزلوں کے چند اشعار ثبت ہیں:

خانۂ دل کو اجاڑا، سخت نادانی ہوئی ‏ ‏ یہ نہ سمجھے آپ، کس کی خانہ ویرانی ہوئی

☆☆ ☆☆

جو درد بھرا ہے دلِ غمگیں کی صدا میں ‏ ‏ اے قافلے والو! وہ کہاں بانگِ درا میں
ہاں کھل نہ پڑے راہ میں نقدِ دلِ عاشق ‏ ‏ دے لیجیے ایک اور گرہ زلفِ دوتا میں
پھونکی ترے انداز نے شوخی میں نئی روح ‏ ‏ ڈالی تری شوخی نے نئی جان ادا میں
کیا پوچھتے ہو سینے میں حالِ جگر و دل ‏ ‏ دو پھول ہیں مرجھائے ہوئے باغِ وفا میں
کیوں چھپتی ہے اے یاس کہ پہچان گیا میں ‏ ‏ تو جھانک رہی تھی مری محرابِ دعا میں
عابد نے سحر ہوتے ہوئے راہِ عدم لی ‏ ‏ ٹھہرا تھا مسافر کی طرح رات سرا میں

☆☆ ☆☆

مارا ہے مجھ کو غم نے کیا کیا اذیتوں سے ‏ ‏ مرتا ہوں زندگانی! تجھ کو گواہ کر کے
دل بوند بھر لہو ہے لیکن یہ ظرف اس کا ‏ ‏ جس میں سما گئے ہیں ارماں جہان بھر کے
فرقت زدوں کے سر پر چلائیو نہ آ کر ‏ ‏ اے شورِ صبحِ محشر! جاگے ہیں رات بھر کے

(۳۷) عاقلؔ : سید ظفر الحسن صاحب:

دیکھ لیتا ہے جو حالت مری، اس کا غم سے ‏ ‏ ٹکڑے دل ہوتا ہے اور چاک جگر ہوتا ہے

(۳۸) عالمؔ :

(۳۹) عسکریؔ : مفتی عسکری احمد صاحب بن مفتی نور احمد صاحب رحمہما اللہ،

تلمیذ حضرتِ صبآ، شاعرِ پاکیزہ گفتار تھے۔ بھوپال میں بہت دن ملازم رہے۔

سانس سینے میں جو رکنے لگی آتے جاتے　　　میں رکاوٹ کا تری اس کو اشارا سمجھا

(۴۰) عبیدؔ :

(۴۱) فاخرؔ : منشی محمد فاخر حسین صدیقی، زبانِ اردو کے عمدہ غزل گو اور نازک خیال و نامور شاعر، جناب تسلیمؔ سہسوانی کے چھوٹے بھائی تھے۔ نہایت کہنہ مشق و پر گو تھے۔ ایہام و مراعات النظیر آپ کا خاص انداز تھا۔ طویل عمر مشغلۂ شاعری میں بسر کی۔ ایک طرح میں دس بارہ غزلوں سے کم نہ کہتے تھے۔ منیرؔ و امیرؔ لکھنوی سے اصلاحِ سخن لیتے رہے۔ آپ کے کلام کا ذخیرہ چار پانچ مجلّد سے کم نہیں ہے۔ قریب نوے سال عمر پا کر سنہ ۱۳۳۵ھ میں انتقال کیا۔ افسوس! کلام طبع نہیں ہوا۔ مشہور غزلوں کے بعض اشعار قلمبند کیے جاتے ہیں:

دہن میں کام کی رکھی نہ لکنت نے زباں میری　　　غضب ہے خواب گونگے کا ہوئی ہے داستاں میری
گریباں ہے گریباں گیر، دامن گیر ہے دامن　　　ہر اک کہتا ہے مجھ سے کیوں اڑائیں دھجیاں میری
بنایا آشیاں جس جا وہیں صیّاد جا پہنچا　　　یوں ہی اک عمر گذری تنکے چنتے باغباں میری
رہائی کے لیے صیّاد سے کیوں کر کہوں یا رب!　　　نہ میں سمجھوں زباں اس کی، نہ وہ سمجھے زباں میری
تماشا ہے کہ صورت ضعف نے ایسی بدل دی ہے　　　سناتے ہیں مجھی کو لوگ آ کر داستاں میری

☆☆ ☆☆

جو کہتا ہوں بناؤ زلف تو مجھ سے بگڑتے ہیں　　　خفا ہوتے ہیں سیدھی بات پر، الٹا زمانہ ہے
شکارِ تیرِ مژگاں ہوگا، گیسو میں پھنسا ہے دل　　　الٰہی خیر کیجو، بال کا باندھا نشانہ ہے
نہیں پڑتا ہے جب تک منہ میں، چلتا ہوں نہ پھرتا ہوں　　　بہ رنگِ آسیا باعث مری گردش کا دانہ ہے
کہوں کیا، کیوں بھرے ہیں اشک کے قطرے یہ دامن میں　　　مقدر میں یہی پانی، یہی قسمت میں دانہ ہے
تڑپنے کی کہاں سے اس میں طاقت آ گئی فاخرؔ　　　ازل سے طائرِ قبلہ نما بے آب و دانہ ہے

(۴۲) فدا : میر فدا علی بن سید مراد علیؒ، فارسی کے ماہر، لغات و محاورات سے خوب واقف تھے۔ شعر فارسی کہتے تھے۔ مغازیِ واقدی و فتوحات کو فارسی میں نظم کیا اور عربی الفاظ سے اجتنابِ کلّی کیا۔ اس مرحلۂ دشوار کو برسوں میں قطع کر کے تیس ہزار اشعار تصنیف کیے۔ بھوپال میں سنہ ۱۳۱۹ھ میں وفات پائی۔

(۴۳) قمر : ماہِ سپہرِ فہم و ذکا سید قمر احمد بن ابی العلا مولوی مفتی سید نظر احمد سلمہما اللہ تعالیٰ۔ بی۔ اے کے آخری سال میں تحصیلِ علومِ انگریزی و عربی میں مصروف ہیں۔ عمر تقریباً بیس سال ہے۔ استعدادِ فطری و موزونیتِ طبعی و قوتِ شاعری میں ممتاز بین الاقران اور خاندانی فضیلت و براعت و قابلیتِ ذہنی میں سابق الاقدام ہیں۔ بہ وجہِ شغلِ تعلیم فرصتِ شعر گوئی و نثر نگاری کم تر ہے تاہم فکرِ سخن خاص ذوق کے ساتھ کرتے ہیں۔ چند اشعار درجِ صحیفہ ہیں۔ لَا فُضَّ فُوْہُ:

(۴۴) کافور خاں : کتاب ''کشائش نامہ'' مطبوعہ مطبعِ نول کشور کے آخر میں آپ کا قطعۂ تاریخ نظر سے گزرا۔ حالات نامعلوم ہیں:

کشائش نامہ مثلِ آفتاب است | کہ فیضِ او بہ خاص و عام کم نے
پئے تاریخِ او از عالمِ غیب | سروش آمد، بہ گوشم گفت: غم نے

۱۱۰۰ھ

(۴۵) کامل : محمد علی صاحب سلمہٗ ربہٗ، شعر گوئی کا ذوقِ کامل رکھتے ہیں۔ جواں سال، صاحبِ فکرِ رسا ہیں۔ ملک کے اکثر رسالوں میں آپ کی غزلیں طبع ہو کر شہرت پذیر ہوتی رہتی ہیں۔ یہاں چند منتخب اشعار ثبتِ جریدہ ہیں:

مرنے کی کوئی اور ہی فکر دلِ خراب کر | آئے گی موت وقت پر، زحمتِ انتظار کیا

☆☆ ☆☆

یادِ بہار قیدِ قفس میں عذاب ہے برسوں غمِ بہار میں رویا کریں گے ہم

☆☆ ☆☆

توقیرِ خلد میری نظر میں ہو کس طرح آنکھیں ہیں تیری بزم کا نقشا لیے ہوئے

☆☆ ☆☆

نگاہِ نازکی گرتی ہیں بجلیاں دل پر سکوں کا درہم و برہم نظام ہوتا ہے

(۴۶) مائلؔ : میر عالم علی بن میر مودود بخش خاں بہادر، رئیس، تلمیذ غالبؔ، استعدادِ علمی سے بہرہ مند، فارسی کے ماہر، اردو کے خوش گو شاعر۔ ''اردوے معلّٰی'' میں آپ کے نام مرزا کے چند اصلاحی خطوط ہیں۔ عالمِ جوانی میں بہ عمر ۳۲ سال سنہ ۱۲۸۵ھ میں رحلت کی۔ کلام طبع نہیں ہوا۔ ایک غزل کے منتخب اشعار ہیں:

گل پوش بعدِ مرگ ہمارا مزار ہے کیا لطف ہے کہ عینِ خزاں میں بہار ہے

ظالم! کدورتوں کی تری انتہا بھی کچھ ہم خاک ہو گئے، ترے دل میں غبار ہے

انکارِ بادہ ساقی سے ناصح! نہ ہو سکا معذور ہوں کہ طبع مروت شعار ہے

چھاتی سے کیوں لگائے نہ رکھوں میں روز و شب ناسورِ سینہ دل کا مرے یادگار ہے

کیوں کر اٹھا سکے وہ مسی کی دھڑی کا بوجھ اپنا ہی رنگ جس لبِ نازک پہ بار ہے

کیفیتیں نئی ہیں خراباتِ دہر کی جو ہوش میں نہیں ہے، وہی ہوشیار ہے

حیلے سے مہندی ملنے کے ہاتھ اس کے چھو لیے مائلؔ بھی اپنے فن کا بڑا دستکار ہے

(۴۷) مائلؔ : چودھری منظور احمد صاحب مرحوم، سالِ وفات سنہ ۱۳۳۴ھ بہ عمر ساٹھ سال تقریباً۔ اکتسابِ علم وفن خصوصاً فنِ شعر و ادبِ فارسی و عروض و قافیہ حضرتِ محمود سہسوانی سے کیا۔ بہ غایت ذکی، ہر گونہ نظم و نثرِ فارسی و اردو پر قدرتِ تام رکھتے تھے۔ لطیف مزاج، بذلہ سنج، بدیہہ نگار تھے۔ غیر مطبوعہ مجموعۂ کلام موجود ہے۔ خواجہ وزیرؔ کی مشہور غزل کی

تخمیس میں کہتے ہیں:

مرا استاد محمودِ سہسواں، رہبرِ عارف　　سلیماں وہ ہے ملکِ نظم کا، مائل میں ہوں آصف
غزل یہ اس کی ہے جو یوں ہوا استاد کا واصف　　وزیر اس کا ہوں میں شاگرد جس کو کہتے ہیں منصف
لیا ملکِ معانی بادشاہِ شاعراں ہو کر

نمونۂ کلام حسبِ ذیل ہے:

آلودہ نسازد بہ غمِ چارۂ خویشم　　ممنونِ حیاے دلِ صد پارۂ خویشم
حسرت ز تماشاے رخش ماند پرار ماں　　من شاکرِ حیرانیِ نظارۂ خویشم
تالب نکشاید ز حلاوت گلہِ ہجر　　بوسہ بدہ از لعلِ شکر پارۂ خویشم
مدِ نظرم صورتِ آں روے کتابی است　　باللہ کہ من حافظِ سیپارۂ خویشم

☆☆ ☆☆

پایا جسے حسین، یہ دل اس پر آ گیا　　ہر جائی ہے یہ، اس کا ہو کیا غم، گیا گیا
آرام و عیش، صبر و قرار اب تو کچھ نہیں　　فرقت میں گھر لٹا ہے مرا، ان کا کیا گیا
جان آ گئی تصورِ جاناں سے نزع میں　　آیا خیالِ یار کہ مردہ جلا گیا

☆☆ ☆☆

رنگِ شوخی تری رفتار سے کیوں کر چھوٹے　　غیر ممکن ہے کہ تلوار سے جوہر چھوٹے
کنجِ عزلت نہیں یہ، مایۂ گم نامی ہے　　آبرو پائے جو اس قید سے گوہر چھوٹے

(۴۸) محمود: عمدۂ اذکیاے عصر مولوی سید محمود حسن مرحوم ابن قطب العارفین زبدۃ الاولیا حضرت مولانا سید تاج الدین حسن مودودی چشتی انار اللہ برہانہٗ و قدس سرہٗ، بہ درجۂ غایت ذکی الطبع، جید الفکر، صاحبِ ذہنِ وقاد تھے۔ اقلِ مدت میں بہ توجہِ حضرت والدِ ماجد خود درسیاتِ علومِ مروجہ سے فراغ حاصل کر کے دقائق و معضلاتِ فنونِ ادب و شعر و عروض و قافیہ و بدیع و معمّٰی وغیرہ حل کیے۔ زبانِ فارسی کے مصطلحات و محاورات کی تحقیق و معلومات میں عدیم النظیر تھے۔ غزل و قصیدۂ اردو و فارسی فی البدیہہ انشا کرتے تھے۔ تلامذہ کی جماعتِ کثیر

روزانہ اصلاحِ نثر و نظم میں آپ سے فیضیاب ہوتی تھی۔ افسوس! عہدِ شباب میں بہ حیاتِ حضرت والدِ ماجد خود متھرا میں بہ عمر ۳۲ سال رہ گرائے عالمِ قدس ہوئے۔ مولفِ حقیر کے ماموں تھے۔ کلام گم ہوگیا۔ تذکرۂ فارسی صبحِ گلشن سے ابیاتِ ذیل منقول ہیں:

عنقاست بے نشاں بہ تلاشِ نشانِ ما　　جز سادہ لوح کیست کہ جوید مکانِ ما

☆☆ ☆☆

ضبطِ جذبِ عشق بین کز وصل اقرارے نہ شد　　عیدِ مرگِ نا امیدی ایں کہ انکارے نشد
حاصلِ ماغیرِ نومیدی نبا شد در جہاں　　چوں گلے کز نامرادی زیبِ دستارے نشد
ایمن از تکلیف دارد سایۂ نخلِ رضا　　فرقِ محمود از تکلف زیرِ منشارے نشد

☆☆ ☆☆

عشقِ ما گو شاہدِ مستور باد　　وحشت از طرزِ نگاہش دور باد
عشق را محمود حسنے داد و رفت　　رحمتے بر روحِ آں مغفور باد

☆☆ ☆☆

آئینۂ عکسِ رخِ زیبائیِ خویشم　　من عاشقِ بینائی و رعنائیِ خویشم
ہر لحظہ ہوا خواہِ شناسائیِ خویشم　　ناداں ز حیاداریِ دانائیِ خویشم

(۴۹) مشرقی : مولوی احمد حسن انصاری، زبانِ فارسی کے استادِ ماہر، نثر و نظم پر قادر، شارحِ دیوانِ جلالِ اسیر۔ اکتسابِ فضل و ہنر حضرت مولانا تاج الاولیا قدس سرہٗ کی خدمت میں کیا۔ عروض و قافیہ و معمّی و مصطلحاتِ فارسی میں فائقِ اقران تھے۔ سنہ ۱۲۹۹ھ میں بہ عمر ساٹھ سال راہیِ دارالبقا ہوئے۔ اشعارِ مندرجہ تذکرۂ ''صبحِ گلشن'' سے ماخوذ ہیں۔ تشبیبِ قصیدہ:

دمِ سحر کہ بہ گل گشتِ سبزۂ گلزار　　شدم بہ دیدۂ دل داخلِ اولی الابصار
صبا بہ بادکشی ہائے نازکانِ چمن　　سحر بہ داد رسی ہائے نورسانِ بہار
بخواند آیۂ واللیل در چمن سنبل　　دمید سورۂ والشمس صبح بر گلزار
نمودہ سرو قیامِ نماز بر لبِ جو　　فزود قاریِ قمری بہ سرِّ حق تکرار

مثنوی

خدایا سینہ ام را طورِ خود کن | تنم فانوسِ شمعِ نورِ خود کن
سرم جامِ مےِ توحید گرداں | دلم پر نور چوں خورشید گرداں
بہ بوے خود دماغم آشنا کن | بہ دردِ خویش دردم را دوا کن
دلے دہ، گلشنِ باغِ محبت | گلستاں در بر از داغِ محبت
امامِ قبلۂ صدق و صفا دل | غزالِ کعبۂ مہر و وفا دل

(۵۰) **مضطؔر** : داروغہ قیوم بخش مرحوم، فنونِ سپہ گری و موسیقی وغیرہ میں مہارت رکھتے تھے۔ علمی بے مایگی وکم استعدادی کے باوجود ہر گونہ اشعار کہتے تھے۔ مرثیہ اچھا پڑھتے تھے۔ تیس سال سے زائد ہوئے کہ ستر سال کی عمر میں عالمِ جاودانی کا سفر کیا۔

نقاب الٹا صبا نے جب کہ اس کے روے تاباں کا | جھجک کر ابر کی چادر میں منہ خورشید نے ڈھانکا
ستارے یہ نہیں ہرگز، اثر ہے آہِ سوزاں کا | کلیجا بھر گیا ہے آبلوں سے چرخِ گرداں کا

☆☆ ☆☆

تمنائیں بر آئیں جی کی، نکلیں حسرتیں دل کی | گلے آ کر لگے دم بھر اگر شمشیر قاتل کی

(۵۱) **معجؔز** : مسودِ اوراقِ ہٰذا ابوالکمال اعجاز احمد بن صفوۃ العلماء الراسخین، قدوۃ الفضلاء المتکلمین مولانا الحاج العلامہ عبدالباری بن زبدۃ الفقہاء المحدثین، عمدۃ الاذکیاء المناظرین مولانا سید سراج احمد النقوی المودودی عافاہم اللہ تعالیٰ۔ ولادت پنج شنبہ ۲۲ صفر سنہ ۱۲۹۴ھ۔ ابتدائی تعلیم وتربیت زیرِ سایۂ عاطفتِ حضرت والدِ ماجد برّد اللہ مضجعہ، ریاست بھوپال میں ہوئی۔ پھر بعدِ رحلتِ آں جنابِ مغفور و واپسیِ وطن تحصیل و تکمیلِ علومِ معقول ومنقول وفروع واصول علماے سہسوان وبھوپال وغیرہم سے کی۔ ابتداے عمر سے شعر وادب کا مذاق خمیرِ طینت وجزوِ طبیعت رہا۔ متعدد سفر بہ غرضِ سیر وتفریح وقیامِ بلادِ مختلفہ بہ سلسلۂ کسبِ معاش وملازمت بڑودہ، لکھنؤ، آگرہ، قصبہ گنور وبسولی، بدایوں، فیض آباد پیش آئے۔ آخر کار

سنہ ۱۳۶۵ھ میں بعدِ ترکِ علائق وطن واپس ہو کر کنجِ عزلت اختیار کیا۔ اس عمرِ طویل میں جو کچھ ہوا، بہ کار آمد نہ ہوا۔ اب لمحاتِ حیاتِ مستعار میں زادِ عقبیٰ کا تہیہ صرف رب العلمین کی رحمت اور اس کے فضل و کرم پر منحصر ہے۔ وما ذٰلک علی اللّٰہ بعزیز ۔ حداثتِ سن کے ثمراتِ افکار میں جو نظر اعتبار میں ہفوات و ہذیانات سے کم نہیں ہیں، لائقِ دید ترجمۂ می باید دید، مطبوعہ لکھنؤ، پردۂ راز، ناول اردو، مطبوعہ آگرہ، جاریۂ عرب، ناول اردو، مطبوعہ بریلی، مولّفاتِ سنِ شعور: ابنِ سبا، نثر، نیرنگِ امامت، نظم مسدس، مطبوعہ لکھنؤ و علی گڑھ، اعیادِ ثلاثہ، مطبوعہ فیض آباد، معجز نما، دیوانِ اردو، مطبوعہ بدایوں، مومن و غالب، مطبوعہ فیض آباد۔ غیر مطبوعہ میں دیوانِ دومِ اردو، دیوانِ فارسی، غزل و قصائد، دیوانِ عربی، اسرارِ امامت، شعر العرب دو جلد میں۔ بہ اقتضائے سن مدت سے اضمحلالِ قویٰ و تعطلِ دماغ رونما ہے۔ بالخصوص چار سال سے تفرقۂ اسبابِ راحت حواسِ ظاہری و باطنی پر اثر انداز ہے۔ شاعری زمانۂ دراز سے شغلِ متروک تھی اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ مسدود۔ اب تعلیم علوم و اصلاحِ کلامِ تلامذہ وغیرہ سے بھی ذہن قاصر ہے۔ حسبِ ضرورت اشعارِ اردو و فارسی درج کیے جاتے ہیں:

چہ باشد در حریمِ جلوہ گاہش ارزشِ دل ہا — کہ برہم زد بہ یک گردش زچشمِ مست محفل ہا
سبک رو ہمچو آوازِ جرس در کارواں بودم — رسیدم پیشتر از ہمرہانِ خود بہ منزل ہا
زصبحِ حسنِ اوصد جیب و داماں چاک شد ورنہ — چو بوے غنچہ پنہاں بود رازِ عشق در دل ہا
دلیلِ نارسائی اضطرابِ شوقِ ما باشد — کہ در ہر گام بر بستیم و بکشادیم محمل ہا
بہ حلِ مشکلے غرّہ مشو در وادیِ مقصد — کہ می زاید دریں رہ مشکلے بسیار مشکل ہا
دریں رہ گام زن معجز بہ طرزِ حضرتِ حافظ — کہ سالک بے خبر نبود زراہ و رسمِ منزل ہا

☆☆ ☆☆

چنداں کہ بلند شد فغاں ہا — شد پنبۂ گوشِ آسماں ہا
ہنگامہ اگر نمی پسندی — افسانۂ کیست برزباں ہا
کے بہرہ برد ز لطفِ پابوس — ناسودہ جبیں بر آستاں ہا
گر رخصتِ شکوہ یابم از دل — در ہر بنِ موست صد زباں ہا

☆☆ ☆☆

باغِ امیدِ مرا رنگِ بہار از رخِ تست — اے عجب بہرِ تماشا نکشائی قدمے
للہ الحمد کہ غیبم بہ شہود انجامید — برہمن پردہ بینداخت زروے صنمے
مستِ نخوت کہ نظر سوے گدایاں نکند — واے معجزؔ کہ ازو داشتہ چشمِ کرمے

☆☆ ☆☆

زنجیر کو کہ جوششِ سودا فرو کند — زلفِ سیاہ و طرّۂ پیچانم آرزو ست
تنگم بہ جاں ز صحبتِ زہّاد در حرم — مے خانہ کو کہ مجلسِ رندانم آرزو ست
آمرزشِ ترا بہ خطا کار نسبتے است — صد دفترِ سیاہ زعصیانم آرزو ست

☆☆ ☆☆

دل برد از برم، نگہِ سحر کارِ کیست؟ — از دل ربود صبر، رخِ تابدارِ کیست؟
چشمم بہ راہ و گوش بر آواز و دل تپاں — خلقے بہ حیرت است کہ ایں انتظارِ کیست؟
از شکوہ در گذشتم و یا رب خجل شدم — سرگرمِ معذرت نگہِ شرمسارِ کیست؟
معجزؔ اگر فریب نگاہے نخوردۂ — آخر بہ من بگوے کہ جانت نثارِ کیست؟

دیوانِ اول اردو، معجزنما

داغِ عشقِ مہ جبیناں دل میں پنہاں لے چلا — بزم سے میں شمعِ روشن زیرِ داماں لے چلا
بیٹھے بیٹھے یاد وہ زنجیرِ گیسو آ گئی — پھر مجھے ذوقِ اسیری سوے زنداں لے چلا
جب چلا ناکام معجزؔ اس کی بزمِ ناز سے — ساتھ اپنے اک ہجومِ یاس وحرماں لے چلا

☆☆ ☆☆

غش سے موسیٰ کو نہ تا حشر افاقہ ہوتا — جلوۂ طور ترا جلوۂ رخسار نہ تھا
ان کو منظور نہ تھا بام پہ آنا ورنہ — شور کس دن ارِنی کا پسِ دیوار نہ تھا

☆☆ ☆☆

انداز مری چاہ کے غیروں میں نہ ڈھونڈو — جاں باز ہر اک چاہنے والا نہیں ہوتا
جو وعدہ کہ پورا ہو، وہ دشمن کو ملا ہے — حصّے میں مرے وہ ہے جو ایفا نہیں ہوتا

☆☆ ☆☆

سمجھا کیے اسے غلطی سے ترا دہن نقطہ لگا تھا رخ پہ جو ایک انتخاب کا
آجانا میرے دم میں وہ ان کا سمجھ کے طعن یوسف کے ذکر پر وہ الٹنا نقاب کا

☆☆ ☆☆

دل جلتے تری بزم میں کس کا نہیں دیکھا کب شمع نے آنسو نہ بہائے مرے آگے
کاہے کو سنتے تھے کبھی یہ نالۂ پر درد آج ان کے بھی آنسو نکل آئے مرے آگے
وہ شرم سے منہ پردے کے باہر نہ نکالیں جب جانوں خیال ان کا نہ آئے مرے آگے

☆☆ ☆☆

دل تڑپ جائے گا، مجھ کو نوحہ گر ہونے تو دو دیکھ لینا تم اثر بھی، نالہ سر ہونے تو دو
چارہ سازو! فکر کیا ہے اک ذرا سے زخم کی بخیے کے قابل مرا زخمِ جگر ہونے تو دو
پھیر لوں گا حلق پر میں تیغ اپنے ہاتھ سے ہمد موا! آمادہ ان کو قتل پر ہونے تو دو

☆☆ ☆☆

کوچے میں ازدحام گوارا اگر نہیں کیوں بے حجاب بام پہ بیٹھا کرے کوئی
کیا ظلم سہنے کے لیے دل اور جگر نہیں کیوں رحم کی کسی سے تمنا کرے کوئی

☆☆ ☆☆

اب رقیبوں نے پڑھایا ہے سبق یہ ان کو ورنہ کوچے میں کہاں رہتے تھے درباں پہلے
سامنے غیر کے اٹھتا نہ تھا چہرے سے نقاب حسنِ عارض تھا چراغِ تہِ داماں پہلے

دیوانِ دوم ریختۂ معجز

سمجھے وہ چارہ گری جان کا خواہاں ہونا اب بہت سہل ہوا درد کا درماں ہونا
اے بتو! پیشِ نظر اپنے ہے بربادیِ دل جب سے معلوم ہوا کعبے کا ویراں ہونا
بزمِ عشاق میں سرکاؤ نہ چہرے سے نقاب موت پروانوں کی ہے شمع کا عریاں ہونا
عام دعوائے محبت ہے تو کس کی پرسش قدر کھو دیتا ہے ہر جنس کا ارزاں ہونا
دلِ ناکام کی دشوار پسندی دیکھو کسی مشکل کا گوارا نہیں آساں ہونا

☆☆ ☆☆

نمایاں ہو ہی جاتی ہیں ادائیں لالہ وگل میں — کسی کا حسن ان پردوں میں پنہاں ہو نہیں سکتا

ادا ہو یا نگاہِ ناز ہو، قاتل تو ہے کوئی — مرے خوں سے کبھی پاک ان کا داماں ہو نہیں سکتا

وہی تو آئنہ خانے میں ہے جو دل میں ہے میرے — کسی جلوے کی کثرت سے میں حیراں ہو نہیں سکتا

☆☆ ☆☆

ہو برا اضطرابِ بسمل کا — ہاتھ چلتا ہے رک کے قاتل کا

رہ نوردی سے ہے غرض دن رات — سر میں سودا نہیں ہے منزل کا

درِ زنداں سے پاسباں نہ ہٹا — نغمہ دلکش تھا کچھ سلاسل کا

☆☆ ☆☆

بہ قدرِ ظرف ہے فیّاض کی عطا کہ نہیں — دیا ہے مجھ کو دلِ درد آشنا کہ نہیں

نشہ خودی کا وہ اے مدّعی خدائی کے — ہے اب بھی سر میں تہِ قلزمِ فنا کہ نہیں

ہجومِ یاس میں بے موت جان دی معجزؔ — اب ان کو ہوگا کچھ اندازۂ وفا کہ نہیں

☆☆ ☆☆

ہے جس کا رخ سوے منزل، وہ نقشِ پا ہوں میں — نظر میں اہلِ حقیقت کی رہ نما ہوں میں

تباہی نام ہے جس کا وہ ہے مرا ساحل — دلِ شکستہ کی کشتی کا نا خدا ہوں میں

تجلیات کی نیرنگیوں میں گم ہو کر — تعیّنات کی حد سے گذر گیا ہوں میں

خبر رسائی کی دیتی ہے بے خودی میری — یقین ہے سرِ منزل پہنچ گیا ہوں میں

☆☆ ☆☆

کیا ہے آپ کو گم اس کی جستجو کے لیے — میں خارِ راہ تھا خود اپنی آرزو کے لیے

کھلا ہے راز یہ فطرت کا صرف عاشق پر — پڑی ہے دل کی بنا داغِ آرزو کے لیے

کہاں کا ذوقِ نظر، کس کا جلوۂ پرفن — بہانہ مل گیا موسیٰ کو گفتگو کے لیے

☆☆ ☆☆

فضا رنگین ہوتی جاتی ہے صحنِ گلستاں کی — ہوا کا رنگ بدلا، خیر ہو یا رب! گریباں کی

جھکا ہے آستانِ دل پہ خود دیر و حرم کا سر اسی جا ختم ہوتی ہے کشاکش کفر و ایماں کی
نہیں ممکن، میسر قیدِ ہستی سے ہو آزادی یہ ترکیبِ عناصر چار دیواری ہے زنداں کی
ضرورت کیا ہے برقِ جلوہ ہو پیشِ نظر معجز فضائے دل ازل سے جلوہ گہ ہے روئے تاباں کی

(۵۲) مہر : نارائن پرشاد ورما، تلمیذِ داغ دہلوی، ریاست گوالیار میں معزز عہدے پر فائز و آنریری مجسٹریٹ، خوش گو، نامور شاعرِ کہنہ مشق ہیں۔ آپ کا دیوان ''شعاعِ مہر'' زیورِ انطباع سے مزیّن ہو چکا ہے۔ بجز ایک مقطعِ غزل کے کلام دستیاب نہیں ہوا:

کہیں دیکھا ہے کوئی مہر سا بھی خوش بیاں شاعر زباں موتی اگلتی ہے، قلم موتی پروتا ہے

(۵۳) مولیٰ داد خاں : قوم افغان بھٹّی سے مشہور طبیبِ تجربہ کار و شاعرِ خوش گفتار تھے۔ تقریباً اب سے ڈیڑھ سو سال قبل گذرے ہیں۔ زیادہ حال معلوم نہ ہو سکا۔ ان کا ایک مطلع غزلِ فارسی کا مشہور ہے۔ وہو ہٰذا:

نو خاستہ سروے کہ دلم فاختۂ اوست اندوختہ ام از نظر انداختۂ اوست

(۵۴) نادر : منشی نادر حسین وکیل ساکن چودھری محلّہ، طبّاع و غزل گو شاعر تھے۔ آپ کی تصنیف ''واسوختِ نادر'' طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔ سالِ وفات سنہ...... ہے۔ ایک غزل کا مقطع ہے:

آوارگی برستی ہے، ویراں ہے سہسواں دشتِ جنوں کو جاتا ہے نادر وطن سے آج

از واسوخت

گل کی مانند نہ تھا چاک گریباں میرا دل نہ بلبل کی روش تھا کبھی نالاں میرا
شبنم آلود نہ تھا سبزۂ مژگاں میرا خارِ صحرا سے الجھتا نہ تھا داماں میرا
خندۂ گل سے طبیعت مری گھبراتی تھی
باغ میں نالۂ بلبل پہ ہنسی آتی تھی

(۵۵) نامیؔ : حکیم شیخ صدیق احمد ولد شیخ علی احمد صاحب سلمہما اللہ، قصبہ چندوسی ضلع مرادآباد میں چند سال سے کامیابی کے ساتھ مطب کرتے ہیں۔ ذکی وذی استعداد، صاحبِ طبعِ وقاد، سخن گوے پختہ کار ہیں۔ آپ کے عم وجد حاملِ علم وفضل تھے۔ رحمہما اللہ تعالیٰ۔ آپ کی عمر اس وقت تیس سال تقریباً ہے، لیکن کلام سے کہنہ مشقی نمایاں ہے۔ کلام کا نمونہ یہ ہے:

بیان کیا ہو سکے صلِّ علیٰ رتبہ محمدؐ کا ہوا محبوبِ حق جو بن گیا شیدا محمدؐ کا
صبا اترائی، کلیاں مسکرائیں، ہر شجر جھوما گلستانِ نبوت میں جو گل مہکا محمدؐ کا
فضائے لامکاں تک دم کے دم میں جا کے پھر آئے یہ تھا اعجاز اک ادنیٰ شبِ اسریٰ محمدؐ کا

☆☆ ☆☆

تم چھپ گئے دکھا کے جھلک برقِ طور کی تصویر کھنچ کے رہ گئی آنکھوں میں نور کی
آئی نوائے دوست رگِ جاں سے بھی قریب نزدیک سن رہا ہوں میں آواز دور کی

☆☆ ☆☆

مجھ سے ظاہر ہو چلے جلوے ترے انداز کے سامنے ہی آگئے پرتو نیاز و ناز کے
نزع میں بیمار کے بالیں پہ آکر دیکھ لو ٹوٹتے ہیں تارکیوں کر زندگی کے ساز کے
چھا گئے ہیں ذرّے ذرّے پر حجاباتِ نظر دیکھیے نامیؔ کرشمے اہتمامِ راز کے

(۵۶) نذیرؔ : صاحبِ کراماتِ باہرہ، زبدۂ اولیاے کرام حضرت مولانا حکیم سید نذیر احمد شاہ بن عمدۂ عرفاے سالکین، قطبِ دائرۂ ولایت ومعرفت حضرت سید آل احمد شاہ نقوی مودودی چشتی سقی اللہ ثراہما۔ شاعری دونِ رتبۂ آں حضرت ہے لیکن باہمہ فضائلِ صوری ومعنوی حمد ونعت ومنقبت میں قصائدِ غرّا نتیجۂ فکرِ اقدس ہیں۔ وفاتِ شریف ماہِ ربیع الاول سنہ۱۳۰۹ھ میں بہ عمر سڑسٹھ سال ہوئی۔ بعدِ اکتسابِ علومِ عقلیہ ونقلیہ مسندِ خلافتِ آبائی پر پچاس سال معالجۂ امراضِ روحانی وجسمانی سے مریدین ومعتقدین کو مستفید فرمایا اور آخر تک سلسلۂ ارشاد وہدایت قائم رکھا۔ تبرّکاً وتیمناً چند اشعار زینتِ قرطاس ہیں:

بے ہوش کر گئی مجھے تصویر یار کی جلوہ تھا طور کا کہ تھی تنویر یار کی

ہر ماسوا کو دم میں فنا کر دیا نذیرؔ　　پیدا ہے لا الٰہ سے تکبیر یار کی

(۵۷) نکہتؔ : منشی محمد شاکر حسین صاحب خلفِ منشی محمد صابر حسین صباؔ مرحوم، نقطۂ دائرۂ ہمہ دانی، وارثِ کمالاتِ خاندانی، جامعِ علومِ صوری و معنوی، حاملِ فضائلِ دینی و دنیوی، سرِ بحارِ فصاحت و بلاغت، اشعرِ شعرائے پارسی گو، رشکِ قاآنیؔ و خاقانیؔ، نیرِ سپہرِ نکتہ سنجی و سخن دانی، اکتسابِ علوم وفنونِ درسیہ بھوپال میں بہ ظلِ عاطفتِ والدِ ماجد خود فرمایا اور عربیت و ادب، فقہ و حدیث و تفسیر وغیرہ سے فراغ حاصل کر کے ریاستِ مذکور میں عہدہ ہائے جلیلہ پر فائز رہے اور سنہ..........ھ میں قطعِ تعلق فرما کر مراجعتِ وطن اختیار کی۔ حقیقت یہ ہے کہ عصرِ حاضر میں اس قوت و استعداد و ملکۂ خداداد کا حامل خصوصاً فنِ قصیدہ گوئی میں آپ کا نظیر نہیں ہے۔ عمرِ شریف اس وقت اسّی سال کے قریب ہے۔ نامِ تاریخی ''نظیر حسن'' ہے۔ سلمہ اللہ وابقاہٗ۔ کلامِ بلاغت نظامِ عربی و فارسی و اردو غیر مطبوعہ ہے۔ یہاں بہ رعایتِ مقام چند اشعارِ فارسی و ریختہ پر اکتفا کی جاتی ہے:

ہر نفس در خونِ دل می پرورم فریاد را　　تادہد رنگے دگر افسانۂ بیداد را
از تپم شد آب و باخوں در جگر پیوست نیش　　دست مزدش ماند بر کف آبلہ فصّاد را

☆☆ ☆☆

بہ قید و بندِ خودی کارِ خلق افتاد است　　اسیرِ شیوۂ خویش است ہر کہ آزاد است
نمی بود غمِ آسیب سر بلنداں را　　حبابِ چرخ زبیمِ شکست آزاد است
نہ ہر کہ اہلِ نظر ہست، ہست اہلِ نظر　　نہ آدمی است ہر آں کس کہ آدمی زاد است
دلِ شگفتہ چوگل داشتم ہمیں قدر است　　مرا بہ کنجِ قفس انچہ از چمن یاد است

☆☆ ☆☆

نرگس آسایم کہ جز دیدن بہ گفتن کار نیست　　چشمِ بینا دارم و پیدا لبِ گفتار نیست
فرصت از افکارِ عالم طرفہ تر فرزانگی است　　ہوشیار است آں کہ در بزمِ جہاں ہشیار نیست

☆☆ ☆☆

هوائے دہر چو از بس مخالف افتاد است — بہ ہر گلے کہ برم دست، خاری گردد
کسے کہ حرفِ حق آرد بروں زلب نکہتؔ — دریں زمانہ سزاوارِ دار می گردد

☆☆ ☆☆

اے وا کہ بخیہ نا زدہ بر چاکِ دل زضعف — از دست شد رہا سرِ تارے کہ داشتیم
شد مدتے کہ رفت زیادم دلِ حزیں — وزدل نرفت یادِ نگارے کہ داشتیم

ازغزلِ ریختہ

پست و بلندِ دہر جہاں بے نشان ہے — اپنی وہی زمین، وہی آسمان ہے
حیف اس تلاش پر بھی نہ پائیں پتا حضور — ہے جھونپڑا فقیر کا یا لامکان ہے
دہلی و لکھنؤ کی روش خاص ہی سہی — دونوں جگہ کا قلب مگر سہسوان ہے
نکہتؔ قدِ خمیدہ میں دم خم وہ اب کہاں — جو پھر نہ چڑھ سکے، یہ وہ اتری کمان ہے

(۵۸) نورؔ : مولانا مفتی سید نور احمد بن حضرت شاہ مفتی سید نظر محمد رحمہما اللہ، جامعِ علومِ عقلی و نقلی و حاویِ فضائلِ صوری و معنوی تھے۔ فارسی شعر گوئی میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ وفاتِ شریف سنہ ۱۲۷۲ھ میں ہوئی۔ چند ضخیم مثنویاں یادگار ہیں۔

(۵۹) واحدؔ :

(۶۰) وفاؔ : نواب میر ابراہیم علی خاں نبیرۂ میر سرفراز علی رئیسِ درجۂ اول ریاست بڑودہ، روسا و جاگیر دارانِ عظام میں مقتدر و ممتاز، علم و فضل کے نہایت قدر دان، اعزہ و اہلِ وطن پر بہ غایت مہربان۔ مرزا غالبؔ سے اصلاحِ سخن لیتے تھے۔ ''اردوے معلّی'' میں مرزا کے چند خطوط آپ کے نام ہیں۔ میر احتشام علی خاں جادؔو مذکور آپ کے فرزندِ ارجمند تھے۔ آپ کے انتقال کو پچاس سال سے زیادہ زمانہ ہوا۔ دیوان غیر مطبوعہ ہے:

کب لبوں پر مرے نالہ نہیں، فریاد نہیں　　کب تری وعدہ فراموش! مجھے یاد نہیں
ہے مرے قتل کو یک جنبشِ ابرو کافی　　تیغ کیوں باندھتے ہو؟ تم کوئی جلاّد نہیں
وادیِ عشق ہے آباد ہمارے دم سے　　دشت میں قیس نہیں، کوہ پہ فرہاد نہیں
رنجِ عشاق سے کب چین ہے معشوقوں کو　　صید کی فکر میں صیاّد بھی آزاد نہیں
مژدہ اے دل کہ وفا کا ہے زمانہ آخر　　ان سے بھی اب کوئی ہوتا ستم ایجاد نہیں
ہجر میں کیونکہ تسلّی دلِ تبیاب کو ہو　　آپ کے وصل کی مدت نہیں، میعاد نہیں
چھیڑنے کو یہ جفا اس کی وفا ہے ورنہ　　طبع اس شوخ کی کچھ مائلِ بیداد نہیں

(٦١) وہبی : منشی ہرسہائے، مصنفِ مرصّع و مرقّع، انشاو ادبِ فارسی میں صحیح الفکر و جیّد الاستعداد، فائقِ عصر تھے۔ فنِ بدیع وصنعتِ تاریخ گوئی میں یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ ''مرصّع'' و ''مرقع'' کمالِ بلاغت کے شاہد ہیں۔ پسرِ نواب نجیب الدولہ کی تہنیتِ عروسی میں قصیدۂ تاریخی لکھ کر عجب کمال دکھایا ہے۔ قصیدے کا ہر مصرع تاریخی اور حروفِ منقوطہ و مہملہ متساوی الاعداد ہیں: مطلع

عشوہ را عود کن اے ساقیِ سیمیں اندام　　تا دہد رو بجلا راوقِ گلفام بجام

ہر مصرعے کے اعداد ۱۱۸۰ ہوتے ہیں، اسی طرح ہر شعر کے صرف حروفِ منقوطہ اور صرف حروفِ مہملہ بھی یہی عدد رکھتے ہیں۔ حقیقت میں بڑا کمال ظاہر کیا ہے۔ ہر شعر چار مادہ ہائے تاریخ کا حامل ہے۔

وہبی کی ایک انشا ''تحفۃ العاشقین'' ہے۔ اس میں انھوں نے اپنے چچا جواہر مل کی مدح میں ایک فارسی قصیدہ جس کا قافیہ و رَدیف بہ تتبّعِ عرفی شیرازی بیانِ علم، مکانِ علم ہے، لکھا ہے اس کا مطلع ہے:

اے روشن از جواہرِ طبعِ تو کانِ علم　　ارکانِ علم یافت زنامت نشانِ علم

قصیدے کے کل اشعار چھتیس ہیں۔ چند شعر انتخاب کیے جاتے ہیں:

عقلِ ازل کہ جوہرِ فیّاض نامِ اوست　　ارزاں نمود بر تو متاعِ دکانِ علم

آئینۂ تصور و تصدیق برکف است — از منطقِ تو طوطیِ شکّر فشانِ علم
گفتم: جہانِ علم دریں سہسوانِ ماست — در سہسواں تو خود شدۂ سہسوانِ علم
حرف از تکلف است معرّا، ندیدہ اند — جز فطرت و دماغِ تو کون و مکانِ علم

وہبیؔ کی رحلت کوتقریباً دوسو سال گذر گئے۔

انتخاب از غزلیاتِ وہبیؔ

مے خوارہ را بہ توبۂ عصیاں چہ حاجت است — زہد و ریا بہ مشربِ رنداں چہ حاجت است

☆☆ ☆☆

دولت غلامِ ماست، نہ تذویر می کنم — کز خاکِ کوے میکدہ اکسیر می کنم
خواہم درید پردۂ صبحِ امل کنوں — رخصت بہ کارِ نالۂ شبگیر می کنم
دل را کہ داشت عذرِ جنون و رمیدگی — از حلقۂ دو زلفِ تو زنجیر می کنم
وہبیؔ چو منعِ شیوۂ رندی کنند خلق — من کے دریں معاملہ تقصیر می کنم

حصّہ دوم

حواشی از مرتّب

(یہ حاشیے مسلسل نمبر شمار کی بجائے تذکرے میں درج نمبر سلسلہ کے حوالے سے لکھے گئے ہیں)

(۱)

اعجازؔ: آپ کا تاریخی نام ''آغا میر'' تھا، جس سے سنہ ۱۲۵۲ھ (۱۸۳۶-۳۷ء) بر آمد ہوتا ہے۔ والد کا نام اصلح اللہ تھا۔ موصوف لکھنؤ میں کسی معزز عہدے پر مامور تھے۔ اعجازؔ نے صغر سنی ہی میں وطن سے لکھنؤ پہنچ کر انھی کے زیر سایہ تعلیم و تربیت کے مراحل طے کیے۔ ابتداے مشقِ سخن میں مولوی الٰہی بخش نازشؔ خیر آبادی (متوفی ۱۲۸۹ھ/ ۱۸۷۲-۷۳ء) سے اصلاح لی۔ بعد ازاں اسیرؔ لکھنوی (متوفی ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۲ء) اور امیرؔ مینائی (متوفی ۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۰ء) سے بھی مشورۂ سخن کیا۔

سنہ ۱۸۵۷ء کے ہنگاموں کے آخری دور میں لکھنؤ سے بھوپال پہنچے اور پندرہ سولہ سال نہایت عزت کے ساتھ ریاست کی ملازمت میں بسر کیے۔ بعد ازاں غالباً اپنے مربی و سرپرست نواب یٰسین محمد خاں اور نواب شاہ جہاں بیگم کے درمیان بعض تنازعات کی وجہ سے ترکِ ملازمت کر کے گوالیار چلے گئے۔ اکیس بائیس برس وہاں گذار کر سنہ ۱۳۱۴ھ (۱۸۹۶-۹۷ء) میں یا اس کے آس پاس بھوپال واپس آئے اور نواب یٰسین محمد خاں کی رفاقت میں عمر کا بقیہ حصہ وہیں بسر کیا۔ ۷/ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۳/ ستمبر سنہ ۱۸۹۹ء کو بھوپال ہی میں آپ کا انتقال ہوا۔

اعجازؔ خوش نویسی میں بھی مہارتِ تامہ رکھتے تھے۔ علاوہ بریں آپ کو تاریخ گوئی میں بھی غیر معمولی کمال حاصل تھا۔ انتقال سے تھوڑی دیر قبل ''اعجاز رقم خاں مرد'' سے خود

اپنی تاریخِ وفات نکالی تھی۔

انتخابِ کلام کے تحت مولف کی صراحت کے برخلاف فارسی غزلیات کے اشعار کا اضافہ محررِ سطور کے قلم سے ہوا ہے۔ اردو کے چند منتخب اشعار درج ذیل ہیں:

مرے غم خوار فکرِ پیرہن بے سود کرتے ہیں جنوں کو دشمنی ہے جیب سے، وحشت کو دامن سے
زباں رکھتا ہوں میں گویا مگر خاموش رہتا ہوں گرہ میں باندھ رکھا ہے یہ نکتہ میں نے سوسن سے
یقیں ان کو وفا کا ہے، نہ میری جاں نثاری کا مجھے پالا پڑا ہے یا الٰہی کیسے بدظن سے
کیا ہے نیک و بد سے بے خودی نے بے خبر ایسا کہ شکوہ دوست کا کرتا ہوں میں جا جا کے دشمن سے

☆☆☆☆

کدورت آبرو والوں سے کوسوں دور رہتی ہے نہ دیکھا خاک کا دھبّا کہیں دریا کے داماں پر
اڑائیں دھجیاں دامانِ صحرائے قیامت کی گماں ہے صبحِ محشر کا مرے چاکِ گریباں پر
نگاہیں بر سرِ کاوش، ادائیں درپئے ایذا جفائیں ہو رہی ہیں بے طرح جانِ پر ارماں پر
تماشا دیدنی ہے، دیکھ جاؤ، فاتحہ کیسی برستی ہے اداسی چار سو گورِ غریباں پر
لہو پھیکا نہیں پڑتا شہدانِ محبت کا کہ رنگِ خونِ بلبل آج تک ہے گل کے داماں پر

☆☆☆☆

رہتا ہے دستِ یار میں ساغر شراب کا کیوں کر نہ ہو فلک پہ دماغ آفتاب کا

☆☆ ☆☆

وہ آئے بن بلائے، بڑا ہی غضب ہوا ارمان دل کو نالہ و افغاں کا رہ گیا

☆☆ ☆☆

شرمِ عصیاں کی جو دامن گیر تھی ہم کفن میں منہ چھپائے چل دیے

(۳)

اظہر : سید اظہر علی آپ کا تاریخی نام تھا۔ آپ کی وفات ۷؍رجب سنہ ۱۳۵۷ھ مطابق ۲؍ستمبر سنہ ۱۹۳۸ء کو ہوئی۔ دیوان سنہ ۱۹۳۹ء میں شروانی پرنٹنگ پریس، علی گڑھ میں

چھپ کر شائع ہوا۔

(۴)

افسوںؔ: آپ کی ولادت ماہِ ذی قعدہ سنہ ۱۳۰۴ھ (جولائی، اگست، ۱۸۸۷ء) میں ہوئی تھی۔ ''میاں نظر احمد'' آپ کا تاریخی نام تھا۔ ''تذکرۂ شعرائے بدایوں'' کے مولف نے ''نذر احمد'' لکھا ہے جو درست نہیں۔ وفات ۳۰ر ستمبر سنہ ۱۹۶۰ء کو لکھنؤ میں ہوئی۔ اگلے روز وطن میں دفن ہوئے۔ مولفِ تذکرہ نے آپ کے اشعار نقل نہیں کیے ہیں، اس لیے فارسی و اردو کے چند اشعار سطورِ ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

نذرِ گردابِ غمت شد دلِ دیوانۂ ما　　در رہِ سیلِ فنا بود مگر خانۂ ما
دل بہ ہر زاویہ صد عالمِ مستی دارد　　می کند مے کدہ ہا جوش ز پیمانۂ ما
آہِ سوزاں کہ ز دل در شبِ ہجراں سرزد　　شعلۂ بود کہ بر جست ز پیمانۂ ما
اے کہ راحت طلبی، سوزِ دلِ من مشنو　　خواب از دیدہ برد گرمیِ افسانۂ ما
جملہ بودِ منِ بے بود نبود افسوںؔ ہیچ　　بود فی الجملہ ہمیں حاصلِ افسانۂ ما

☆☆ ☆☆

اللہ پہ تکیہ ہے ہمارا تو پھر افسوںؔ　　کیا لے کے کریں اطلس و کمخواب کا تکیہ

☆☆ ☆☆

لگی ہے آگ سینے میں، جلا جاتا ہے دل اپنا　　اجل اتنی تو مہلت دے کہ کچھ ان سے بیاں کر لیں
رقیبوں کا اگر ڈر ہے انھیں گھر میرے آنے میں　　بہانے سے چلے آئیں کہ سیرِ سہسواں کر لیں

☆☆ ☆☆

مجبور ہو گئے ہیں دلِ مبتلا سے ہم　　ورنہ نہ رکھتے واسطہ اس بے وفا سے ہم
افسوںؔ تھکی ہوئی ہے طبیعت کچھ ان دنوں　　مانگیں نہ کیوں سکونِ مکمل خدا سے ہم

(۵)

احقؔر : آپ کا مختصر ترجمۂ احوال ''بزمِ سخن'' کے حوالے سے راقم السطور نے تذکرے کے مسودے میں درج کیا ہے۔ آپ کے خویش اور راقم کے نانا منشی شاکر حسین نکہتؔ کی یادداشت کے مطابق آپ کا انتقال ۲۱ر صفر سنہ ۱۳۱۲ھ (۲۳ر اگست سنہ ۱۸۹۴ء) کو ہوا۔

(۶)

ادیبؔ : آپ کا قیام زیادہ تر علی گڑھ میں رہا، اس لیے آپ کی شخصیت عام سہسوانیوں کے درمیان متعارف نہیں۔ اس سلسلے میں یہ صراحت کافی ہوگی کہ آپ قاضیِ شہر حافظ سید حفیظ احمد صاحب مرحوم (متوفی ۲۹ر ستمبر سنہ ۲۰۰۸ء) کے حقیقی چچا تھے۔ ''نعتِ رسولِ عربؐ'' کے ایک اندراج سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے والد خواجہ محمد فیاض علی بھی شاعر تھے اور شفیقؔ تخلص کرتے تھے۔ ان کے بارے میں مزید کوئی معلومات حاصل نہیں ہو سکی۔

(۸)

بدرؔ : ''رموز الاطبا'' مولفہ حکیم محمد فیروزالدین (جلد اول، مطبوعہ لاہور، سنہ ۱۹۱۵ء) میں آپ کے حالات نہایت تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔ لیکن یہ خود صاحبِ ترجمہ کی فراہم کردہ معلومات اور ان کی لایعنی لاف وگزاف پر مبنی معلوم ہوتے ہیں۔ مرحوم نہایت لاابالی اور غیر ذمہ دار قسم کے انسان تھے۔ نام کے ساتھ سید کا سابقہ بھی خلافِ واقعہ ہے۔ جیسا کہ صاحبِ تذکرہ نے لکھا ہے، موصوف نسباً شیخ فاروقی تھے۔

(۹)

بیقیدؔ : بیقیدؔ کا ترجمہ راقم السطور کے قلم کا اضافہ ہے۔ موصوف منشی انوار حسین تسلیمؔ کے حقیقی چچا اور خسر تھے۔ مراد آباد میں کوتوال کے منصب پر فائز تھے۔ ان کا نقل کردہ کلام تسلیمؔ کی قلمی ایک یادداشت سے ماخوذ ہے۔

(۱۰)

تائبؔ : آپ کا تاریخی نام ''غلام الباری'' تھا، جس سے سنہ ۱۳۱۵ھ (۹۸-۱۸۹۷ء) حاصل ہوتا ہے۔ آپ نے روایتی تعلیم سے فراغت کے بعد لاہور کے ایک کالج میں داخلہ لے کر ڈرائینگ اور ڈیزائننگ میں ڈپلوما حاصل کیا تھا۔ خاتمۂ زمیں داری کے بعد کچھ دنوں تک میونسپل بورڈ، سہسوان میں بہ حیثیت محصلِ ٹیکس ملازمت کی۔ بعد ازاں نومبر ۱۹۵۹ء میں ترکِ وطن کر کے کراچی (پاکستان) چلے گئے۔ چند سال کے بعد وہاں آپ پر فالج کا حملہ ہوا تو آپ کے منجھلے صاحبزادے سید علی اوسط نقوی آپ کو ہندوستان لے آئے اور بھوپال میں اپنے ساتھ رکھا۔ وہیں ۳۰؍جون سنہ ۱۹۸۲ء کو آپ کا انتقال ہوا۔ کلام کے مجموعے پاکستان ہی میں رہ گئے اور غالباً ضائع ہو گئے۔

(۱۱)

تسلیمؔ : آپ کی ولادت ۲۱؍یا ۲۲؍رجب سنہ ۱۲۳۰ھ (۲۹؍۳۰؍جون سنہ ۱۸۱۵ء) کو سہسوان میں ہوئی تھی۔ تاریخی نام ''خورشید علی'' تھا۔ تعلیم و تربیت مرادآباد میں ہوئی جہاں آپ کے والد منشی احتشام الدین محمد وکالت کرتے تھے۔ ملازمت کا ابتدائی دور بھی وہیں گذرا۔ نومبر سنہ ۱۸۶۵ء میں مرادآباد سے لکھنؤ گئے اور مطبعِ اودھ اخبار (منشی نول کشور پریس) سے وابستہ ہو گئے۔ یہ تعلق ۲۸؍فروری سنہ ۱۸۷۹ء تک برقرار رہا۔ اکتوبر سنہ ۱۸۸۱ء میں اپنے شاگرد راجا کشن کمار وقارؔ، رئیس مرادآباد کے اصرار پر وہاں سے مستقلاً ترکِ سکونت کر کے دوبارہ مرادآباد چلے آئے۔ وہیں ۱۲؍شوال سنہ ۱۳۰۹ھ مطابق ۹؍مئی سنہ ۱۸۹۲ء کو آپ کا انتقال ہوا۔

(۱۲)

تہذیبؔ : آپ کی ولادت شوال سنہ ۱۳۳۶ھ (جولائی، اگست سنہ ۱۹۱۸ء)

میں ہوئی۔ ''سید محمد تہذیب احمد'' آپ کا تاریخی نام تھا۔ سنہ۱۹۴۲ء میں پنّالال ہائی اسکول (موجودہ انٹر کالج) سہسوان میں فارسی و اردو کے استاد مقرر ہوئے۔ دورانِ ملازمت سنہ۱۹۵۱ء میں آگرہ یونیورسٹی سے اردو میں ایم.اے. کیااور سنہ ۱۹۵۵ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے فارسی میں ایم.اے. کی ڈگری حاصل کی۔ سنہ۱۹۸۳ء میں ملازمت سے سبک دوش ہوئے۔ ۱۶/نومبر سنہ۱۹۹۲ء کولدھیانہ میں اپنے منجھلے صاحبزادے سید سلمان معجز نقوی کے ہاں قیام کے دوران آپ کا انتقال ہوا۔ تدفین اگلے روز سہسوان میں ہوئی۔

(۱۳)

جادو : (۱) آپ کی ولادت ۲۶/ربیع الآخر سنہ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۶/اگست سنہ۱۸۶۸ء کو بڑودے میں ہوئی تھی۔ (۲) آپ کے جدِّ اعلیٰ کا نام میر سرفراز علی تھا جن کو پہلی بار ریاست میں اعزاز و اقتدار حاصل ہوا تھا۔ (۳) ظہیر دہلوی سے پہلے آپ عرصے تک نجم الدین ثاقب بدایونی سے اصلاح لیتے رہے تھے۔ (۴) فاضل مولف اپنی ایک یادداشت کے مطابق ماہِ شعبان سنہ۱۳۱۸ھ مطابق نومبر سنہ۱۹۰۰ء میں بڑودے گئے تھے اور وہاں آٹھ مہینے قیام کیا تھا۔ (۵) جادو کا انتقال صرف انتالیس برس کی عمر میں ۲۵/ربیع الآخر سنہ۱۳۲۵ھ مطابق ۲۸/مئی سنہ۱۹۰۷ء کو ہوا۔ لالہ سری رام نے ''خم خانۂ جاوید'' (جلد دوم، ص۱۹۴) میں اسے آپ کی تاریخِ ولادت قرار دیا ہے جو صریحاً غلط ہے۔

(۱۴)

جمیل : (۱) تذکرہ ''روزِ روشن'' کے مولف مظفر حسین صبا گوپامئوی کے مطابق آپ کا سالِ ولادت سنہ۱۲۷۷ھ (۶۱-۱۸۶۰ء) اور تاریخی نام ''مظہر اسلام'' تھا۔ (۲) ''ثمرۂ فصاحت'' سنہ۱۹۱۱ء میں مطبعِ سلطانی، بھوپال میں چھپ کر شائع ہوا۔ (۳) مطبوعہ تصانیف میں متذکرہ کتب و رسائل کے علاوہ رسالہ ''اصباغ الطہور'' بھی شامل ہے۔ (۴) فنِ شاعری میں آپ کو منشی انوار حسین تسلیم، منشی صابر حسین صبا اور منیر شکوہ آبادی سے فیضِ تلمذ حاصل تھا۔

(۵) آپ کی تاریخِ وفات ۱۶؍ جمادی الاخریٰ سنہ ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۵؍ ستمبر سنہ ۱۹۳۵ء ہے۔

(۱۵)

جلیلؔ : جلیلؔ کا مختصر حال راقم السطور کے قلم سے شاملِ تذکرہ ہوا ہے۔ کلام ''طورِ کلیم'' اور ''بزمِ سخن'' سے ماخوذ ہے۔ ''حلیتہ الابرار'' مولفہ سید جمیل احمد جمیلؔ کے ایک اندراج (حاشیہ ص ۴۶) کے مطابق آپ کا انتقال صرف بتیس (۳۲) سال کی عمر میں بروزِ جمعہ ۲۲؍ صفر سنہ ۱۳۰۷ھ (۱۸؍ اکتوبر سنہ ۱۸۸۹ء) کو ہوا۔

(۱۶)

جوہرؔ : اصل مسودے میں جوہرؔ کا تعارف صرف ان کے نام، ان کے والد کے نام اور انتخابِ کلام پر مشتمل ہے۔ یہاں ان کا ترجمہ احوال مولفِ تذکرہ کی ایک اور کتاب ''تاریخِ سہسوان'' (مصنفہ ۱۳۳۸ھ/ ۲۰-۱۹۱۹ء) سے اخذ کر کے شاملِ تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں کلام منقول نہیں۔ منشی شاکر حسین نکہتؔ کی یادداشت مورخہ ۱۵؍ ربیع الاول سنہ ۱۳۲۷ھ کے مطابق جوہرؔ کی صحیح تاریخِ وفات شنبہ، ۱۱؍ ربیع الاول سنہ ۱۳۲۷ھ مطابق ۲؍ اپریل سنہ ۱۹۰۹ء ہے۔

(۱۷)

حیرتؔ : تقسیمِ ملک کے چند برس بعد آپ ترکِ وطن کر کے پاکستان چلے گئے۔ وہیں کراچی میں ۱۰؍ دسمبر سنہ ۱۹۶۰ء کو آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کی دو قومی و اصلاحی نظمیں ''انجامِ کار'' اور ''مرقعِ حقیقت یعنی درسِ کربلا'' بہ صورتِ مطبوعہ راقم السطور کے مطالعے میں رہی ہیں۔ یہ دونوں نظمیں نظامی پریس، بدایوں میں چھپ کر شائع ہوئی تھیں۔ اس کے علاوہ آپ نے سنہ ۱۹۳۰ء میں بدایوں سے ''خادم الاطبا'' کے نام سے ایک ماہ نامہ بھی جاری کیا تھا جو اس وقت ''صوبۂ متحدہ کا واحد طبی آرگن'' تھا۔ اس کے اکتوبر سنہ ۱۹۳۰ء سے جولائی سنہ ۱۹۳۱ء

تک کے کئی شمارے راقم کی نظر سے گذر چکے ہیں۔

(۱۸)

خاموشؔ : ''بزمِ سخن'' سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تالیف کے وقت (۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء) آپ مرادآباد میں کسی ''معقول خدمت'' پر مامور تھے۔ نکہتؔ کی یادداشت کے مطابق آپ کا انتقال شروع ماہِ محرم سنہ ۱۳۲۰ھ (اپریل سنہ ۱۹۰۲ء) میں ہوا۔

(۱۹)

دردؔ : مولّف نے دردؔ کا تخلص لکھ کر جگہ خالی چھوڑ دی تھی۔ مسودے میں ان کا حال اور کلام راقم کے قلم کا تحریر کردہ ہے۔ دردؔ کا مجموعۂ کلام ''درد و انبساط'' کے نام سے سنہ ۱۹۳۹ء میں نظامی پریس، بدایوں میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔ اس مجموعے کے مقدمہ نگار پرنسپل عبدالشکور کے مطابق دردؔ کی پیدائش بریلی میں ہوئی تھی۔ اس کے برخلاف سید نسیم الحق نقوی نے اپنے ایک مضمون (مشمولہ ماہ نامہ ''کاروانِ سہسوان''، کراچی، شمارہ نمبر ۶) میں ان کی حقیقی بھتیجی سیدہ بیگم کے حوالے سے لکھا ہے کہ وہ گورکھ پور میں پیدا ہوئے تھے، جہاں ان کے والد بہ حیثیت حاکمِ بندوبست مامور تھے۔ سیدہ بیگم کو ان کی دادی یعنی دردؔ کی والدہ نے یہ بھی بتایا تھا کہ وہ دو دجب صدی پلٹی تو پیدا ہوا تھا۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ محرم سنہ ۱۳۰۰ھ میں پیدا ہوئے ہوں گے۔ ماہ نامہ ''زمانہ'' کان پور، شمارہ مئی سنہ ۱۹۳۰ء کے مطابق آپ کا انتقال ۲۴/جون سنہ ۱۹۲۹ء کو ہوا۔

(۲۰)

رشیدؔ : آپ کا تاریخی نام ''ظہور الاسلام'' تھا جس سے مولّف کے بیان کردہ سالِ ولادت کی تائید ہوتی ہے۔ وفات یکشنبہ، ۲۶/ربیع الآخر سنہ ۱۳۴۶ھ مطابق ۲۳/اکتوبر سنہ ۱۹۲۷ء کو سہسوان میں ہوئی۔ آپ کی ایک ناقص الطرفین بیاض محررِ سطور کے

پاس محفوظ ہے، جس میں اردو، فارسی اور عربی تینوں زبانوں کا کلام درج ہے۔ آپ رشیدؔ کے علاوہ عشرتیؔ بھی تخلص فرماتے تھے۔

(۲۱)

ریاضیؔ : مولانا قمر الحسن بدایونی نے نظامیؔ بدایونی کے مجموعۂ کلام ''تجلیاتِ سخن'' (مطبوعہ سنہ ۱۹۳۰ء) کے مقدمے میں آپ کے والد کا نام قاضی عبدالواسع لکھا ہے۔ (ص ۲۹) یہ دراصل آپ کے دادا کا نام تھا۔ والد کا نام قاضی محمد وجیہ الدین تھا۔ مولفِ تذکرہ کے مطابق آپ مرزا مظہر جانِ جاناں کے مرید و معتقد تھے۔ لیکن آپ کی تصنیف ''ریاض العاشقین'' (مخزونہ مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اصلاً حضرت آل احمد شاہ قادری مارہروی (پ: ۱۱۶۸ھ/۱۷۵۴ء، ف: ۱۲۳۵ھ/۱۸۱۹ء) کے حلقۂ مریدین میں شامل تھے اور بہ قولِ خود ۱۵/محرم سنہ ۱۲۰۳ھ (۱۶/اکتوبر سنہ ۱۷۸۸ء) کو بعدِ نمازِ ظہر شرفِ بیعت سے مشرف ہوئے تھے۔ اس وقت آپ کی عمر بیس سال تھی۔ اس اعتبار سے آپ کا سالِ ولادت سنہ ۱۱۸۳ھ/۱۷۶۹ء قرار پاتا ہے۔ چوں کہ مرزا مظہرؔ جانِ جاناں کی شہادت محرم سنہ ۱۱۹۵ھ/جنوری ۱۷۸۱ء کا واقعہ ہے اور اس وقت آپ کی عمر صرف بارہ سال تھی، اس لیے بہ ظاہر ان سے بیعت کا امکان نظر نہیں آتا۔

(۲۲)

رازؔ : آپ کے والد کا نام مظہر الحسن تھا۔ ''تذکرۂ شعرائے بدایوں'' کے مولف کے مطابق آپ کی ولادت ۲۸/جنوری سنہ ۱۹۰۰ء مطابق ۲۶/رمضان المبارک سنہ ۱۳۱۷ھ کو ہوئی تھی۔ اردو و فارسی کی ابتدائی رسمی تعلیم کے بعد عبدالعلی اشکؔ کی تحریک و تربیت کی بدولت شعر گوئی کی طرف راغب ہوئے۔ بعد ازاں جناب احسنؔ مارہروی کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہو گئے اور ان کے ساتھ بیرونی مشاعروں میں شریک ہونے لگے۔ واقعہ یہ ہے کہ احسنؔ صاحب کے شاگردوں میں خوش گوئی اور قادر الکلامی کے اعتبار سے رازؔ کا مقام بہت بلند تھا

لیکن نام ونمود سے بے نیازی کے باعث انھیں وہ حیثیت حاصل نہ ہوسکی جس کے وہ بجا طور پر مستحق تھے۔ تاہم بعض رسائل جن میں وقتاً فوقتاً ان کا کلام شائع ہوتا رہتا تھا، ان کے نام کے ساتھ ''نبّاضِ سخن'' کا لاحقہ لگا کر ان کی استادی کا اعتراف کرتے رہتے تھے۔ سہسوان میں انھیں بہرحال ایک مسلّمہ استاد کا مرتبہ حاصل تھا۔ رآز صاحب نے ۲۳ رمئی سنہ ۱۹۶۵ء کو انتقال فرمایا۔ آپ کے صاحبزادے حضور الحسن حضورؔ جنھیں جنابِ جوشؔ ملسیانی سے فیضِ تلمذ حاصل ہے، سہسوان کے موجودہ شعرا میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ رآز صاحب کے چند مزید اشعار سطورِ ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:

مرے دامن میں پھولوں کی جگہ کانٹے ہی تم بھر دو — تمھیں دیتے ہوئے دیکھیں گے، دامن کون دیکھے گا

☆☆ ☆☆

سحر کا کیا بھروسا، جاؤ جاکر دیکھ بھی آؤ — سحر ہوتے مریضِ غم خدا جانے کہاں ہوگا

☆☆ ☆☆

وہ بھی کیا دیدار جس میں اس قدر طومار ہو — ہم مریں، مر کر جئیں، پھر حشر، پھر دیدار ہو

☆☆ ☆☆

عدم بھی تیری محفل، بزمِ ہستی بھی تری محفل — تری محفل میں جا نکلوں گا اٹھ کر تیری محفل سے

☆☆ ☆☆

وعدۂ فردا کو محشر تک برابر ٹالیے — کیجیے ایسا مگر فردا بہ فردا کیجیے

☆☆ ☆☆

وعدۂ دیدار تیرا ہر طرح منظور ہے — حشر پر ہے منحصر تو حشر بھی کیا دور ہے

☆☆ ☆☆

شبِ غم آئی ہے تو جس طرح ہوگا بسر ہوگی — یہ ممکن ہے سحر تک ہم نہ ہوں لیکن سحر ہوگی

خفا ہونا ہے تو، ہو لیجیے عرضِ تمنا پر — یہ گستاخی تو ہم سے بندہ پرور! عمر بھر ہوگی

☆☆ ☆☆

ہر سحر غم کی سحر، ہر شام غم کی شام ہے — کیا اسی کا نام یا رب! گردشِ ایّام ہے

(۲۳)

زآر : ماہ نامہ ''خادم الاطبا''، بدایوں، شمارہ جنوری سنہ ۱۹۳۱ء کے مطابق آپ کا انتقال ۱۰ر جنوری سنہ ۱۹۳۱ء کو ہوا۔ اسی شمارے کے ایک مضمون نگار حکیم قاضی عبدالحنّان کا بیان ہے کہ ''آپ نے ۳۵ سال تک مستقل بدایوں میں مطب فرمایا۔ آپ کے تجرِ علمی اور وسیع تجربے کا ہر شخص معترف ہے۔''

(۲۴)

ساحر : آپ کی تاریخِ پیدائش شنبہ، یکم محرم الحرام سنہ ۱۳۰۶ھ (۸ر ستمبر سنہ ۱۸۸۸ء) ہے۔ تاریخی نام ''منظور علی'' تھا۔ مولانا محمد حسین آزاد، ڈپٹی نذیر احمد اور مولانا محمد بشیر محدّث جیسے جیّد صاحبانِ فضل و کمال سے کسبِ فیض کر کے تکمیلِ علم کی تھی۔ شاعری میں مولفِ تذکرہ کے شاگرد تھے۔ سنہ ۱۹۴۹ء میں علی گڑھ سے ترکِ ملازمت کر کے پاکستان چلے گئے تھے۔ وہاں یکے بعد دیگرے کراچی کے دو گرلز کالجز میں اسلامیات کے پروفیسر کی خدمات انجام دیں۔ ۱۸ر ستمبر سنہ ۱۹۶۵ء کو کراچی ہی میں آپ کا انتقال ہوا۔ کلام شائع نہیں ہو سکا حالانکہ لالہ سری رام نے ''خم خانۂ جاوید'' میں ''بت خانۂ ساحر'' کے نام سے دیوان کے تیار ہونے کی اطلاع دی ہے۔ (جلدِ چہارم، ۱۹۲۶ء، ص ۱۶) نمونۂ کلام کے طور پر چند اشعار سطور ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

ملے نہ آپ جو کعبے میں، شرمسار آیا　　گناہگار گیا تھا، گناہگار آیا
زیارتِ درِ جاناں کا باندھ کر احرام　　غریب جامۂ ہستی وہیں اتار آیا

☆☆ ☆☆

خدا جانے مجھے کیوں لوگ دیوانہ سمجھتے ہیں　　گریباں چاک چاک اپنا نہ دامن تار تار اپنا
کسی کے قصۂ الفت کی بس اتنی حقیقت ہے　　زباں پر ان کی نام آتا ہے ساحر بار بار اپنا

☆☆ ☆☆

حجابوں میں بھی صورت روبرو ہوتی تو اچھا تھا　　وہ ہوتے سامنے اور گفتگو ہوتی تو اچھا تھا
مجھے بھٹکا رہی ہے یہ تلاشِ رہبرِ کامل　　جو دل میں ہے اسی کی جستجو ہوتی تو اچھا تھا
جہانِ رنگ و بو میں رنگ و بو ہونے سے کیا ساحؔر　　چمن میں تیری رنگت، تیری بو ہوتی تو اچھا تھا

☆☆ ☆☆

وہ آئینہ ہے یکتائی ترے حُسنِ مکمل کی　　نظر آنے لگیں ہر چیز میں کچھ خامیاں مجھ کو
ملا تھا آج موقع سرگذشتِ دل سنانے کا　　بہت سوچا نہ آئی یاد لیکن داستاں مجھ کو

☆☆ ☆☆

ذکرِ دشمن پر جو کچھ باتوں میں ان بن ہوگئی　　کچھ پشیمانی انھیں ہے کچھ پشیمانی مجھے

☆☆ ☆☆

نظر میں اس طرح پھرتا ہے نقشا عیشِ رفتہ کا　　خیالوں میں شبِ غم جیسے کوئی مہ جبیں آئے

☆☆ ☆☆

نہیں چھوڑا ہے ساحؔر آپ نے ملنا حسینوں سے　　بڑھاپے میں بھی قبلہ! پاک دامانی نہیں جاتی

(۲۵)

سائؔل : سائؔل کو عصری مسائل پر نظمیں اور قطعات کہنے میں خاص ملکہ حاصل تھا۔ تحت اللفظ پڑھنے کا انداز بھی بالکل منفرد اور دلچسپ تھا۔ چنانچہ بزرگوں کی بہ نسبت نوجوانوں میں آپ بے حد مقبول تھے۔ اگست سنہ ۱۹۷۰ء میں تقریباً ستر سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا۔

(۲۶)

شائؔق : سید انیس احمد بن سید صدیق احمد۔ مولوی سید لئیق احمد عاجؔز کے سب سے چھوٹے بھائی اور پختہ مشق شاعر تھے۔ ہائی اسکول تک تعلیم حاصل کی تھی۔ خاتمۂ زمیں داری کے بعد چند برس پنا لال میونسپل انٹر کالج میں بہ حیثیت کلرک ملازم رہے۔ سنہ ۱۹۶۲ء یا

۱۹۶۳ء میں انتقال کیا۔ اس وقت عمر پینسٹھ سال سے متجاوز تھی۔ نمونۂ کلام درج ذیل ہے:

جز کیفِ طلب جز لذتِ غم کچھ اور مجھے منظور نہیں ‏ وہ آئیں نہ آئیں ان کی خوشی، اب عشق کہیں مجبور نہیں

نظروں میں سمائے رہتے ہیں، ہر شے پہ وہ چھائے رہتے ہیں ‏ یہ دوری بھی کیسی دوری ہے، وہ دور بھی ہیں اور دور نہیں

یہ ذوقِ نظر ہے اس میں ترے جلووں ہی کی تو رنگینی ہے ‏ پھر اپنوں سے پردہ کیا معنی، دنیا کا تو یہ دستور نہیں

اے حسنِ مجسم تو ہی بتا شائق ہی پہ کچھ موقوف نہیں ‏ وہ کون ہے دل جو تیرے لیے بیتاب نہیں، رنجور نہیں

☆☆ ☆☆

مقدر نے اسی دن کے لیے چنوائے تھے تنکے ‏ کہ بجلی گر پڑے جب ہم مکمل آشیاں کر لیں

(۲۷)

شمیم : سید قدرت علی بن سید انتظام علی، آپ خان بہادر میر مودود بخش کے نواسے اور میر عالم علی مائل شاگردِ غالب کے حقیقی بھانجے تھے۔ عین عالمِ جوانی میں چہارشنبہ، ۹/ ذی قعدہ سنہ ۱۳۰۸ھ مطابق ۱۷/ جون سنہ ۱۸۹۱ء کو سہسوان میں وفات پائی۔ منشی فاخر حسین فاخر نے اپنی ایک مثنوی ''حکایتِ فاخر'' (۱۳۲۰ھ) میں شمیم کو تسلیم، صبا اور اعجاز کے ساتھ سہسوان کے چار ممتاز شعرا میں شمار کیا ہے۔ شعر درجِ ذیل ہے:

تسلیم، صبا، شمیم، اعجاز ‏ یہ تھے فنِ شاعری میں ممتاز

''طور کلیم'' اور ''بزمِ سخن'' کے حوالے سے ہمیں شمیم کے کل پانچ شعر دستیاب ہوئے ہیں جو درج ذیل ہیں:

اے جنوں! مجھے لے جائے گا اب اور کہاں ‏ شہر ان کا نظر آتا ہے، بیاباں ان کا

☆☆☆☆

تھی یہ قسمت کی برائی کہ تجھے او ظالم! ‏ سارے عالم کے حسینوں سے میں اچھا سمجھا

ہجر میں آگ نظر آئی شرابِ گل گوں ‏ ساغرِ مے کو ہتھیلی کا پھپولا سمجھا

مہِ کامل کبھی سمجھا، کبھی مہرِ روشن ‏ اللہ اللہ ترے رخسار کو کیا کیا سمجھا

نامرادی نہ چھپی پردۂ تصویر میں بھی ‏ جس نے دیکھا مجھے، محرومِ تمنا سمجھا

شوقؔ : ''ناموران سہسوان'' کے مولف اور آپ کے شاگرد سعیدؔ زبیری نے آپ کا سالِ ولادت سنہ ۱۹۰۷ء بتایا ہے۔ (ص ۵۸) اس کے برخلاف عرفانؔ عباسی نے ''تذکرہ شعرائے اتر پردیش'' میں لکھا ہے کہ ''آپ ۵ر جنوری سنہ ۱۹۱۲ء کو پیدا ہوئے''۔ (تیرھویں جلد، ص ۱۹۶) اور بہ ظاہر حال یہی بیان صحیح معلوم ہوتا ہے۔ شوقؔ صاحب نہایت زندہ دل، خوش باش اور نفاست پسند انسان تھے۔ نکہتؔ سے شرفِ تلمّذ حاصل تھا۔ علمِ عروض وقافیہ اور معانی وبیان کے ماہر اور بیشتر اصنافِ سخن پر قادر تھے۔ ۲ر جون سنہ ۱۹۶۰ء کو بہ عارضۂ قلب آپ کی وفات ہوئی۔ کچھ اور اشعار درج ذیل ہیں:

موت بھی جس پر کفِ افسوس مل کر رہ گئی　　وہ ہلاکِ یاس و غم اپنا دلِ ناکام تھا
عمرِ بے اندیشۂ انجامِ غم کٹتی رہی　　کس قدر رنگیں فریبِ گردشِ ایّام تھا
شوقؔ اپنی قیدیوں صیّاد کے بس کی نہ تھی　　جذبۂ شوقِ اسیری بھی شریکِ دام تھا

☆☆ ☆☆

شوقؔ ناکامی سہی، مایوس ہونا کفر ہے　　بے نیازی اس کی عادت ہے مگر غافل نہیں

☆☆ ☆☆

مری وحشت کا عالم دیکھنے آئے تو ہو لیکن　　خبر لیتے رہو اپنے بھی دامن کی، گریباں کی
یہ کس کے نام سے اے شوقؔ چھیڑی داستاں تم نے　　بلائیں لے رہے ہیں سننے والے حسنِ عنواں کی

☆☆ ☆☆

ارادے ٹوٹتے ہیں، کوششیں ناکام ہوتی ہیں　　تو اک طاقت کو مجبوراً خدا کہنا ہی پڑتا ہے

☆☆ ☆☆

اسیری سلب کر لیتی ہے شوقؔ احساسِ آزادی　　رہا ہوتے ہی سر ٹکرا دیا دیوارِ زنداں سے

صبا : ولادت سنہ۱۲۵۳ھ (۳۸-۱۸۳۷ء) میں سہسوان میں ہوئی۔ ریاست رام پور سے ترکِ ملازمت کے بعد سنہ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء میں ریاست بھوپال سے متوسل ہوئے۔ ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے جنوری سنہ۱۸۹۰ء میں نظامتِ ضلع (کلکٹری) کے منصب پر فائز ہوئے۔ ۷/رمضان المبارک سنہ۱۳۱۳ھ/۲۲/فروری سنہ۱۸۹۶ء کو بھوپال ہی میں انتقال کیا۔ مطبوعات میں ''شوکتِ خسروی'' کے علاوہ ایک فارسی لغت ''لسان العجم'' بھی شامل ہے۔

(۳۰)

صدر : آپ کی ولادت سنہ۱۳۱۰ھ (۹۳-۱۸۹۲ء) میں ہوئی تاریخی نام ''سید تہذیب الحق'' تھا۔ فارسی و عربی کی ابتدائی تعلیم کے بعد گورنمنٹ ہائی اسکول، علی گڑھ میں داخلہ لے کر ہائی اسکول کی سند حاصل کی۔ مختلف ملازمتیں کیں لیکن آزادہ روی اور متلون مزاجی کی وجہ سے کہیں بھی جم کر نہیں رہ سکے۔ بدیہہ گوئی میں غیر معمولی ملکہ حاصل تھا۔ کلام کو ضبطِ تحریر میں لانے اور جمع کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ صدر کے علاوہ نامی، کوکب اور جادو بھی تخلص کرتے تھے۔ تخلص کی تبدیلی کا یہ عمل بھی مخصوص مزاجی کیفیت ہی کا نتیجہ تھا۔ مارچ سنہ۱۹۳۱ء میں عین عیدالاضحیٰ کے دن جوان العمر بیٹے کی وفات کے بعد ساری زندگی ایک قسم کی از خود رفتگی اور بے خبری کے عالم میں گذاری لیکن اس حالت میں بھی شعر گوئی اور علمی و ادبی معاملات میں ذہن کی کارکردگی میں کوئی نمایاں فرق واقع نہیں ہوا تھا۔ ۱۷/جون سنہ۱۹۶۴ء کو آپ کی وفات ہوئی۔

(۳۱)

صوفی : سید رضی احمد بن سید فیض احمد، لچکے، گوٹے کے تاجر اور نہایت خوش مذاق، مرنجاں مرنج اور مجلسی قسم کے انسان تھے۔ مشاعروں میں بڑے شوق سے شرکت کرتے اور ایک ادائے خاص سے شعر پڑھتے تھے، جس میں کبھی کبھی ڈرامائی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی۔ سنہ۱۹۶۰ء کے آس پاس وفات پائی۔ نمونۂ کلام درجِ ذیل ہے:

چن رہی ہے تنکے بلبل آشیانے کے لیے منتظر ہیں بجلیاں اس کو جلانے کے لیے

☆☆ ☆☆

بے تکلف آیئے اور شوق سے رہیے یہاں　　خانۂ دل میرا کچھ دشمن کا کاشانہ نہیں
کیوں رہے یادِ بتاں یادِ خدا کے ساتھ ساتھ　　دل ہے مومن کا مرا، کوئی صنم خانہ نہیں
دل کیا تم پر فدا، صدقے کیے جان و جگر　　پھر بھی صوفیؔ کو مری جاں! تم نے پہچانا نہیں

(۳۲)

طاہرؔ : آپ حکیم شمس الحسن فاروقی متولد ۹ر شعبان سنہ ۱۳۰۳ھ (۳ر مئی سنہ ۱۸۸۶ء) کے رضاعی بھائی تھے۔ اس لحاظ سے آپ بھی سنہ ۱۳۰۳ھ/ ۱۸۸۶ء میں یا اس کے آس پاس پیدا ہوئے ہوں گے۔ شعر اچھا کہتے تھے لیکن بہت کم کہتے تھے۔ کلام جمع کرنے یا بیاض کی صورت میں قلمبند کرنے کی طرف کبھی توجہ نہیں کی۔ دو شنبہ ۱۱ر ستمبر سنہ ۱۹۸۲ء کو انتقال ہوا۔

(۳۳)

ظفرؔ : مولوی سید عبدالحی بن حاجی سید انوار احمد، سنہ ۱۹۱۰ء میں سہسوان میں پیدا ہوئے۔ تعلیم و تربیت والد کے زیر سایہ بھوپال میں ہوئی۔ وہیں رہ کر بورڈ آف عربک اینڈ پرشین ایکزامنیشنز، الہ آباد سے مولوی عالم اور فاضلِ ادب کے امتحانات پاس کیے۔ آپ کا شمار سہسوان کے بہترین مقرروں میں ہوتا تھا۔ قومی مسائل اور سیاسی معاملات سے بھی دلچسپی تھی۔ جدو جہدِ آزادی میں بھی عملاً شریک رہے۔ چنانچہ دوسری جنگِ عظیم کے دوران سنہ ۱۹۳۹ء میں ڈی.آئی.آر کے تحت آپ کی گرفتاری بھی عمل میں آئی۔ ہومیو پیتھک طریقۂ علاج میں بھی آپ کو اچھا خاصا درک تھا۔ کچھ دنوں تک سہسوان میں اور بعد ازاں اس کے اطراف میں مطب کرتے رہے۔ ۲۳ر نومبر سنہ ۱۹۷۶ء کو موضع اسولی، تحصیل آنولہ، ضلع بریلی میں وفات پائی۔ کلام کے چند متفرق نمونے درجِ ذیل ہیں:

خورشیدِ جہاں تاب ہو تم، ڈوب کے ابھرو　　سورج نے تمھیں روز یہی درس دیا ہے

☆☆ ☆☆

نہ خوفِ برقِ و باراں ہو، نہ ہو صیاد کا کھٹکا جو ہو کوئی چمن ایسا تو ہم بھی آشیاں کرلیں
عناصر قبضۂ قدرت سے باہر ہو نہیں سکتے شیاطین ایٹمی طاقت کا اپنی امتحان کرلیں

☆☆ ☆☆

دوستو! ترکِ محبت سے تو معذور ہیں ہم کیا کریں اس دلِ بیتاب سے مجبور ہیں ہم
راحتیں کون و مکاں کی ترے قدموں پہ نثار ہے کوئی تازہ ستم اور کہ مسرور ہیں ہم

☆☆ ☆☆

فصاحت کی زمانے میں اسی نے طرح ڈالی ہے روا داری کا تحفہ ہے، محبت کی یہ ڈالی ہے
نہیں ممکن کہ پامالِ خزاں ہو گلشنِ اردو خدا ہے اس کا مالی اور یہ اللہ والی ہے

(۴۴)

ظہیر : ظہیر خطیب فرمود حسن کے صاحبزادے تھے۔ تعلیم اوسط درجے کی تھی لیکن قدرت نے شعر فہمی اور شعر گوئی کا اچھا ملکہ ودیعت کیا تھا۔ ابتدائے مشق کے زمانے میں کچھ دنوں تک اقبال احمد شوق سے اصلاح لی۔ بعد ازاں علی گڑھ میں قیام کے دوران قمر جلالوی سے استفادہ کرتے رہے۔ آخر میں منشی شاکر حسین نکہت سے سلسلۂ شاگردی استوار کیا۔ تقسیمِ ملک کے بعد پاکستان چلے گئے۔ وہیں ۲۰/اگست سنہ ۱۹۹۰ء کو انتقال ہوا۔ عمر اس وقت ستر برس سے متجاوز ہوگی۔ چند اشعار بہ طورِ نمونہ سطورِ ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

فنا کی گود میں بیٹھا ہوں، یہ ہستی ہے کیا میری نہ جانے ابتدا کیا ہے، کہاں ہے انتہا میری
میں عصیاں کار ہوں، ہے کام تیرا درگزر کرنا نمودِ لغزشِ آدم ہوں، فطرت ہے خطا میری
بدل جائیں گے اک دن خود غرورِ حسن کے تیور کبھی مجبور ہوں گے وہ بھی سننے پر صدا میری
یہ میرا حوصلہ تھا جو سرِ دار و رسن آیا یہ تیرا ظرف ہے سمجھے نہ سمجھے تو وفا میری

☆☆ ☆☆

صاف گوئی رسن و دار پہ لے آئی ہے یہ سزا کم ہے تو تجدیدِ سزا اور سہی

رونقِ بزم جہاں لغزشِ آدم سے ہوئی　　گر یہ اقدام خطا ہے تو خطا اور سہی
جان دنیا بھی محبت میں عبادت ہے ظہیرؔ　　یہ بھی سجدہ پےِ تسلیم و رضا اور سہی

☆☆ ☆☆

جاتے ہوئے شرماتی ہے یہ بابِ اثر تک　　ہوں اتنا خطاوار کہ نادم ہے دعا بھی

☆☆☆☆

یہ کہہ کے سرہانے میّت کے وہ شانہ پکڑ کر بیٹھ گئے　　لو اٹھو اب ضد پوری ہوئی ہم تم کو منانے آئے ہیں

(۳۵)

ظہیرؔی : مولف نے صرف تخلص لکھ کر جگہ خالی چھوڑ دی تھی۔ باقی اندراجات راقم کے قلم کا اضافہ ہیں۔ حکیم ظہیر احمد حکیم فتح محمد صدیقی سبزواری کے صاحبزادے تھے۔ تاریخی نام ''غلام جبار'' تھا۔ ولادت ۷ر محرم سنہ ۱۲۷۷ھ (۲۶ر جولائی سنہ ۱۸۶۰ء) کو سہسوان میں ہوئی۔ علومِ درسیۂ عربی و فارسی کے ساتھ ساتھ فنِ طب کی بھی باقاعدہ تحصیل کی تھی۔ ابتدا میں کچھ دنوں تک بھوپال میں بہ حیثیت مدرس ملازم رہے۔ بعد ازاں بدایوں چلے آئے اور مولوی نذیرالدین رئیسِ شیخوپور کی سرپرستی حاصل کر کے تصنیف و تالیف کے کاموں میں مشغول ہو گئے۔ بدایوں ہی میں ۲۲ر مارچ سنہ ۱۹۴۲ء کو آپ کا انتقال ہوا۔

ظہیرؔی صاحبِ تصانیفِ کثیرہ تھے۔ ایک روایت کے مطابق انھوں نے اردو، فارسی و عربی تینوں زبانوں میں تقریباً چار سو مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابیں اپنی یادگار چھوڑیں۔ کتابوں کی تعداد کی طرح ان کے موضوعات کا دائرہ بھی کافی وسیع تھا۔ اردو و فارسی نظم میں ان کی مطبوعہ تصانیف میں (۱) نالۂ درد انگیز (۲) بہارستانِ منقبت (۳) دیوانِ ظہیری (۴) صنم خانۂ ظہیری (۵) قصائدِ ظہیری (۶) مخمسِ ظہیری بر ہفت بندِ کاشی (۷) نالۂ ظہیری اور (۸) نغمۂ ظہیری شامل ہیں۔ (۱) رباعیاتِ ظہیری (۲) ظہیرالکلام (۳) مخمساتِ ظہیری اور (۴) مے خانۂ ظہیری غیر مطبوعہ ہیں۔

(۳۶)

عابدؔ : آپ منشی غضنفر حسین صدیقی کے صاحبزادے تھے۔ مولفِ ''یادگارِ ضیغم'' کے مطابق والد کے انتقال کے بعد ان کے چچا مولوی احمد حسن نے ان کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ فرمائی۔ چنانچہ اکثر علوم میں اچھی استعداد رکھتے تھے۔ لکھنؤ میں قیام کے دوران منشی غلام حسنین قدرؔ بلگرامی اور خواجہ مرتضیٰ حسین بقاؔ سے باقاعدہ علمِ عروض کی تحصیل کی تھی۔ انگریزی میں بھی بہ قدرِ ضرورت لیاقت حاصل کر لی تھی۔ ضلع سیتاپور میں واقع رام پور بتھرا اسٹیٹ کے مختارِ عام تھے۔ اس سلسلے سے زیادہ تر قیام تعلقہ دارِ موصوف کی کوٹھی واقع نظیر آباد، لکھنؤ میں رہتا تھا۔ شعر گوئی کے ابتدائی دور میں اسیرؔ لکھنوی سے اصلاح لی۔ ان کے انتقال (۷ر فروری سنہ ۱۸۸۲ء) کے بعد امیرؔ مینائی سے مشورۂ سخن کرتے رہے۔ آپ کا شمار امیرؔ کے ممتاز ترین شاگردوں میں ہوتا ہے۔ ۶ر جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۴۰ھ مطابق ۵ر جنوری سنہ ۱۹۲۲ء کو وفات پائی۔ آپ کے شاگرد سید خلیل احمد عاقلؔ سہسوانی نے ''عابد حسین بجنت رفت'' سے سنہ ہجری میں اور ''پنجشنبہ، ششم جمادی الاولیٰ، پنجم جنوری مرد مومن'' سے سنہ عیسوی میں تاریخِ رحلت نکالی۔ آپ کا کلام ''دامنِ گلچیں''، ''پیامِ یار'' اور دوسرے معاصر گلدستوں میں برابر شائع ہوتا رہتا تھا۔

(۳۷)

عاقلؔ : آپ کا نام ظفر الحسن اور عرفیت محمد عاقل تھی۔ سید رضاء الحسن کے فرزندِ اکبر اور مشہور استاد اور عالم مولوی حافظ امیر حسن انصاری کے نواسے تھے۔ تقسیمِ ملک کے بعد پاکستان چلے گئے تھے۔ اگست سنہ ۱۹۸۵ء تک بہ قیدِ حیات تھے۔ مزید حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

(۳۸)

عالمؔ : سید محمد عالم ابن محمد سید عالم خنجرؔ، تاریخی نام ''سید مظہر علی'' تھا۔ یکشنبہ، ۱۷ر اپریل سنہ ۱۹۱۱ء کو سہسوان میں پیدا ہوئے۔ اردو و فارسی کی ابتدائی تعلیم اپنے نانا سید خلیل احمد عاقلؔ کے زیرِ نگرانی گھر پر حاصل کی۔ بعد ازاں عصری تعلیم حاصل کرنے کے لیے مقامی انگریزی

اسکول میں داخل ہوئے۔ وہاں سے آٹھواں درجہ پاس کر کے علی گڑھ چلے گئے اور غالباً سنہ ۱۹۳۶ء میں بی۔اے۔اور ایل،ایل۔بی کی ڈگریاں حاصل کر کے فارغ التحصیل ہوئے۔ شروع میں دس بارہ سال سہسوان کی عدالتِ منصفی میں وکالت کی۔ بعدازاں بدایوں منتقل ہو گئے اور آخر تک وہیں ضلعی عدالتوں میں وکالت کرتے رہے۔ جمعہ، ۱۵ر جون سنہ ۱۹۹۰ء کو آگرہ سے جہاں آپ بہ غرضِ علاج گئے ہوئے تھے، بدایوں واپس آتے ہوئے اثنائے راہ میں نو دس بجے شب کے درمیان آپ کا انتقال ہوا۔ اگلے روز سہسوان میں اپنے آبائی قبرستان میں دفن ہوئے۔ آپ نے شعر گوئی کو کبھی باقاعدہ شغل کے طور پر اختیار نہیں کیا۔ کسی وقتی ضرورت یا فرمائش کے تحت گاہ بہ گاہ فکرِ سخن کر لیا کرتے تھے۔ غزل کی بہ نسبت نظم کی طرف زیادہ رجحانِ طبیعت تھا۔ دو نظموں ''پیامِ تعلیم'' اور ''نغمۂ اتحاد'' سے دو دو بند بہ طور نمونہ یہاں پیش کیے جاتے ہیں۔ یہ دونوں نظمیں ۱۹۴۰ء کے دو خاص جلسوں میں پڑھی گئی تھیں:

ملک کی پستی کا باعث قلتِ تعلیم ہے　　قوم میں تعلیم ہے تو قوم کی تنظیم ہے
علم سے عزت وطن کی، قوم کی تعظیم ہے　　اجتماعِ قومیت کی علم سے تکریم ہے
علم کیا ہے؟ زندہ دارِ ہستی اقوام ہے
علم میں جو پست ہے، وہ زیست میں ناکام ہے

بزمِ ہستی ہے منور آفتابِ علم سے　　ارتقائے قومیت ہے اکتسابِ علم سے
رونق مے خانۂ دل ہے شرابِ علم سے　　راہِ قصرِ حریت ملتی ہے بابِ علم سے
کٹتے ہیں بندِ غلامی علم کی شمشیر سے
جگمگاتے ہیں مقدر علم کی تنویر سے

☆☆☆☆

ربط باہم ہی کتابِ زیست کا عنوان ہے　　اتحادِ ہندو و مسلم وطن کی جان ہے
جس کو انسانوں سے الفت ہو وہی انسان ہے　　حق پرستوں کا یہی مذہب یہی ایمان ہے
فعلِ انساں اتباعِ رسم چنگیزی نہیں
شیوۂ اربابِ ہمت قتل و خوں ریزی نہیں

قطرہ ہائے آب سے بنتا ہے بحرِ بے کراں ہے مرکّب ربطِ انجم سے نظامِ کہکشاں
منسلک ہیں ایک رشتے میں زمین و آسماں منحصر ربطِ عناصر پر ہے تنظیمِ جہاں

جس طرف دیکھو نمایاں جذبۂ تنظیم ہے
شومیِ قسمت! تمھاری بزم میں تقسیم ہے

(۳۹)

عسکریؔ : عسکریؔ کا ترجمہ راقم نے ''بزمِ سخن'' کے حوالے سے اضافہ کیا ہے۔ نکہتؔ کی یادداشت کے مطابق آپ نے ماہِ شوال سنہ ۱۳۲۶ھ مطابق نومبر سنہ ۱۹۰۸ء میں وفات پائی۔

(۴۰)

عبیدؔ : سید عبید الرحمٰن بن پیر جی سید اعجاز علی۔ سرکاری دستاویزات کے مطابق آپ کی ولادت سنہ ۱۹۲۳ء میں ہوئی تھی۔ ابتدائی تعلیم سے فراغت کے بعد ہائی اسکول، منشی اور ادیب کامل کے امتحانات پاس کیے۔ اس کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے صرف انگریزی میں انٹر اور بی.اے. کی اسناد حاصل کیں۔ مقامی پرمودا انٹر کالج میں عرصۂ دراز تک اردو کے استاد کی حیثیت سے خدمات انجام دے کر جون سنہ ۱۹۸۳ء میں ملازمت سے سبک دوش ہوئے۔ چند روزہ بیماری کے بعد ۱۸/جولائی ۱۹۸۹ء کو شب میں دس بجے آپ کا انتقال ہوا۔ تدفین اگلے روز عمل میں آئی۔ عبید صاحب مقامی مشاعروں میں پابندی کے ساتھ شریک ہوتے اور نہایت شائستہ ترنّم میں اپنا کلام سناتے تھے۔ عام طور پر سادہ اور عام فہم زبان میں شعر کہتے تھے۔ دو غزلوں کے چند اشعار نموتناً سطورِ ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

کون کہتا ہے مجھ کو، تنہا ہوں ساتھ ہیں گردشیں زمانے کی
کیوں کسی غیر سے کریں شکوہ بات ان کی ہے یا زمانے کی؟
کوئی پیدا ہوا، کوئی ناپید رسمِ دنیا ہے آنے جانے کی
آج اپنے نہیں رہے اپنے کیا شکایت کریں زمانے کی

دل میں حسرت ہے اے عبیدؔ اپنے　　ان کو روداد غم سنانے کی

☆☆ ☆☆

ان کی نظر نے ایسا اڑایا　　طائرِ دل پھر ہاتھ نہ آیا
عارضِ رنگیں، کاکلِ مشکیں　　چاند پہ جیسے بادل چھایا
میں نے کسی کے غم کو پاکر　　دنیا کے ہر غم کو بھلایا

(۴۱)

فاخرؔ : فاخرؔ نے اپنے کلام پر اپنے زمانے کے کئی معروف اساتذہ سے اصلاح لی تھی۔ چنانچہ ان کے استادوں میں منیرؔ شکوہ آبادی اور امیرؔ مینائی کے علاوہ منشی انوار حسین تسلیمؔ، میر ضامن علی جلالؔ لکھنوی اور منشی امیر اللہ تسلیمؔ کے نام بھی شامل ہیں۔ شعر گوئی کے علاوہ دیگر کئی علوم وفنون میں بھی انھیں مہارتِ تامہ حاصل تھی۔ ان کی مختلف الموضوع تصانیف اس کا ثبوت فراہم کرتی ہیں۔ ان میں سے فقہ سے متعلق ایک مبسوط تصنیف ''قانونِ شریعتِ محمدی'' سنہ ۱۸۷۵ء میں مطبعِ آگرہ پریس، آگرہ سے، طاعون کے علاج سے متعلق ایک کتاب بہ نام ''نسخۂ اسبابِ تندرستی'' سنہ ۱۹۰۵ء میں وکٹوریا پریس، بدایوں سے اور تاش وشطرنج کے کھیلوں کے بارے میں ایک رسالہ موسوم ''بہ بیانِ تاش وشطرنج'' سنہ ۱۹۱۴ء میں عبدالعلی پریس، سہسوان میں چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔ باقی تصانیف اور دواوین کے نسخے یا ان کے باقیات خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ میں محفوظ ہیں۔ صاحبِ ''طورِ کلیم'' نے آپ کے دوسرے دیوانِ ریختہ کے بارے میں لکھا ہے کہ ''در یک قافیہ وردیف است۔ قریب یک ہزار غزل دراں بودہ باشد'' (ص ۷۶) آپ کی تاریخِ وفات یکشنبہ، ۲۱ر رجب سنہ ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۳ر مئی سنہ ۱۹۱۷ء ہے۔

(۴۲)

فداؔ : فداؔ کا ترجمہ اصلاً تذکرے میں شامل نہ تھا۔ راقم نے ''تاریخ سہسوان'' سے اخذ کر کے اضافہ کیا ہے۔ منشی شاکر حسین نکہتؔ کی یادداشت مورخہ ۷ر محرم سنہ ۱۳۲۱ھ کے مطابق فداؔ کی وفات ۵ر محرم سنہ ۱۳۲۱ھ مطابق ۴ر اپریل سنہ ۱۹۰۳ء کو ہوئی۔ آپ کے کلام

کا کوئی نمونہ دستیاب نہیں ہو سکا۔

(۴۳)

قمر : آپ کی ولادت یوم جمعہ، ۱۳ ذی قعدہ سنہ ۱۳۴۶ھ (۴ر مئی سنہ ۱۹۲۸ء) کو ہوئی تھی۔ تاریخی نام ''سید محمد ظفر'' تھا۔ ہائی اسکول تک کی تعلیم سہسوان ہی میں مکمل کی۔ انٹرمیڈیٹ امیر الدولہ اسلامیہ انٹر کالج، لکھنؤ سے پاس کیا۔ بعد ازاں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے سنہ ۱۹۴۹ء میں بی۔اے کیا اور سنہ ۱۹۵۲ء میں ایل، ایل۔ بی۔ کی ڈگری حاصل کی۔ آخر الذکر امتحان میں یونیورسٹی کے تمام سابقہ رکارڈ توڑ کر بہ یک وقت تین گولڈ میڈل حاصل کیے۔ اس کے معاً بعد ایک سال تک شعبۂ قانون میں لیکچرر کی خدمات انجام دیں۔ بعد ازاں بدایوں میں وکالت شروع کی اور بہت جلد ضلع کے درجۂ اول کے وکیلوں میں شمار ہونے لگے۔ ۳ر دسمبر سنہ ۱۹۹۲ء کو بہ عارضۂ سرطان بدایوں ہی میں وفات پائی۔ دوسرے دن سہسوان میں آبائی قبرستان میں تدفین ہوئی۔ دورِ طالب علمی کے بعد شعر کہنا تقریباً ترک کر دیا تھا۔ اسی زمانے کے چند شعر بہ طورِ نمونہ سطورِ ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

پےِ اظہارِ غم مجبور کرتی ہے زبان مجھ کو — کہیں رسوا نہ کر بیٹھیں مری بے تابیاں مجھ کو
نمودِ صبح نے حالت مری ہر شب سے پوچھی ہے — شبِ تاریک نے پایا ہے ہر شب شمع ساں مجھ کو
چمن میں عمر دونوں کی یوں ہی گذری کہ میں ڈھونڈوں — خزاں میں آشیاں کو، فصلِ گل میں آشیاں مجھ کو
نویدِ فصلِ گل مانع نہ ہو گر آہِ سوزاں کی — مقیّد رکھ نہیں سکتیں قفس کی تیلیاں مجھ کو

☆☆☆☆

چمن میں مژدۂ فصلِ بہار کس کو ہے — سکوں نصیب ہے کس کو، قرار کس کو ہے
بجا یہ دعوتِ فکر و عمل چمن والو! — مگر فضائے چمن سازگار کس کو ہے
قمر میں لاکھ پکارا کروں زمانے کو — صدائے حق کا مگر اعتبار کس کو ہے

☆☆☆☆

قمر میں چاہوں تو دو گھڑی میں نظامِ عالم بدل کے رکھ دوں — یہ ساری رونق ہے میرے دم سے، مرے چمکنے سے روشنی ہے

کاملؔ : آپ کے والد کا نام حامد حسین صدیقی تھا۔ ۲۵؍جولائی سنہ ۱۹۱۵ء کو پیدا ہوئے۔ تعلیم بہت زیادہ نہیں تھی لیکن شعر گوئی کی بھرپور صلاحیت رکھتے تھے۔ چنانچہ کم عمری ہی میں شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ رازؔ احسنی سے شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ ۲۷؍مارچ سنہ ۱۹۶۲ء کو گردوں کی خرابی کے مرض میں وفات پائی۔ چند مزید اشعار ہدیۂ ناظرین ہیں:

شبِ غم مختصر نہیں ہوتی نہیں ہوتی، سحر نہیں ہوتی

☆☆☆☆

کیوں وہ ستم سے ہاتھ اٹھائے، کیوں وہ جفا سے باز آئے
سن نہ سکے جو حالِ زار ہوگا وہ شرمسار کیا

☆☆☆☆

جان دے کر غمِ محبت میں قیدِ ہستی سے ہو گئے آزاد
وہ جفاؤں پہ خود پشیماں ہے کر نہ فریاد اے دلِ ناشاد
جاں لرزتی ہے اہلِ الفت کی تو پشیماں نہ ہو ستم ایجاد

☆☆ ☆☆

جینا پڑا فراق میں بیزارِ زیست کو اللہ! کیا اجل بھی انھی کے اثر میں ہے
دنیا میں رہ کے دور ہوں دنیا کی چاہ سے یہ اس لیے کہ اس کی حقیقت نظر میں ہے
کاملؔ عذاب جانیے عمرِ دراز کو جینے کا لطف زندگیِ مختصر میں ہے

☆☆ ☆☆

ہو سکے گی اس سے کیا جوشِ جنوں کی روک تھام بڑھ گئی ہے اور وحشت دیکھ کر زنجیر کو
قید کی مدت بڑھے یا ہو رہائی، دیکھیے خواب میں دیکھا ہے بل کھاتے ہوئے زنجیر کو

(۴۶)

مائلؔ : ''اردوے معلّیٰ'' یا خطوطِ غالب کے کسی اور مجموعے میں آپ کے نام مرزا غالبؔ کا کوئی خط موجود نہیں۔ فاضل مولف کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ مائلؔ کا سنہ ۱۲۸۵ھ (۱۸۶۸-۶۹ء) میں وفات پانا بھی خلافِ واقعہ ہے۔ ڈاکٹر ظہیر الدین مدنی نے آپ کا سالِ رحلت سنہ ۱۲۹۰ھ (۱۸۷۳-۷۴ء) بتایا ہے۔ (سخنورانِ گجرات، ص ۳۲۵) یہ بھی درست نہیں۔ مائلؔ کے سنہ ۱۲۹۴ھ (۱۸۷۷ء) تک بہ قیدِ حیات ہونے کے متعدد ثبوت موجود ہیں۔ ہمارے اندازے کے مطابق ان کی وفات سنہ ۱۲۹۴ھ (۱۸۷۷ء) اور سنہ ۱۲۹۷ھ (۱۸۸۰ء) کے درمیان کسی وقت ہوئی۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: غالب - احوال و آثار از راقم، طبعِ ثانی، مطبوعہ سنہ ۲۰۰۷ء، ص ص ۲۴۱ و ۲۴۲)

(۴۷)

مائلؔ : ''تاریخِ سہسوان'' میں لکھا ہے کہ ''بہ عمر ۵۵ سال سنہ ۱۳۲۹ھ میں راہیِ ملکِ بقا ہوئے۔'' ''تاریخِ سہسوان'' سنہ ۱۳۳۸ھ یعنی مبیّنہ سالِ وفات سے صرف نو سال بعد کی تالیف ہے، جب کہ تذکرۂ شعرا اس کے برسوں بعد مرتب ہوا ہے، اس لیے بہ ظاہر یہ قدیم تر بیان ہی مرجح معلوم ہوتا ہے۔

(۴۸)

محمودؔ : صاحبِ ''صبحِ گلشن'' نے آپ کا سالِ ولادت سنہ ۱۲۶۲ھ (۱۸۴۶ء) اور تاریخِ وفات ۲۵ رجب سنہ ۱۲۹۴ھ (۵/اگست ۱۸۷۷ء) بتائی ہے۔ (ص ۳۸۶)

(۵۰)

مضطرؔ : ''بزمِ سخن'' کے مولف کے مطابق آپ کے والد کا نام حبیب اللہ تھا اور باپ بیٹے دونوں محکمۂ پولس میں داروغہ تھے۔ اس ملازمت کے سلسلے سے مضطرؔ کو مختلف شہروں میں رہنے اور وہاں مشاعروں میں شرکت کرنے کا اتفاق ہوا۔ فنِ شاعری میں انھیں منشی انوار

حسین تسلیم سہسوانی اور مرزا حاتم علی مہر سے فیضِ تلمذ حاصل تھا۔ دو غزلوں کے چند منتخب اشعار سطورِ ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔ ان میں سے پہلی غزل بہ قیدِ یک قافیہ ہے:

اگر شک ہے تو آؤ دیکھ لو دل چیر کے ٹکڑے
ہمارے دل کے ٹکڑے ہیں تمھارے تیر کے ٹکڑے

الٰہی حشر میں تو کس کی کرتا ہے خریداری
یہ میرے دل کے ٹکڑے ہیں، یہ ان کے تیر کے ٹکڑے

جراحت کے گِلے کا لطف تو جب ہے کہ محشر میں
مرا دل چپ رہے اور منہ سے بولیں تیر کے ٹکڑے

نگاہِ ناز ڈالی اور کہا یوں سخت جانوں سے
کہ شمشیریں تو توڑیں اب کرو اس تیر کے ٹکڑے

مری سنگیں دلی کے غم میں کیوں گردن جھکائی ہے
پرائی چوٹ کا غم کیا، سمیٹو تیر کے ٹکڑے

کلیجا خاک ہو کر چھن گیا تو بھی کھٹکتے ہیں
بہت باریک ہیں ظالم کی نوک تیر کے ٹکڑے

☆☆ ☆☆

ذرا تم کہہ تو دو محشر میں: کیسے تیر کے ٹکڑے؟
ابھی میں پیش کرتا ہوں کلیجا چیر کے ٹکڑے

حسینوں کو بلاوا یوں دیا تقریب ماتم کا
قضا کی معرفت بانٹے خطِ تقدیر کے ٹکڑے

جنوں کے جوش نے پھر رشتۂ وحشت میں گرہیں دیں
مری خاطر سے پھر جوڑے گئے زنجیر کے ٹکڑے

دعاؤں کا اثر بھی جا پڑا غیروں کے حصے میں
یہاں آنے سے پہلے ہو گئے تاثیر کے ٹکڑے

کہیں دامن نہ پکڑیں اٹھ کے میرے ساتھ محشر میں
الگ گاڑھے ہیں اس نے دستِ دامن گیر کے ٹکڑے

نہ جانے نقش کس کا مل گیا نقاش سے مضطر
مصوّر خود کیے دیتا ہے ہر تصویر کے ٹکڑے

(۵۱)

معجز : مولف نے اپنے حالات کے آخر میں لکھا ہے کہ ''چار سال سے تفرقۂ اسبابِ راحت حواسِ ظاہری و باطنی پر اثر انداز ہے''۔ یہاں ''تفرقۂ اسبابِ راحت'' سے اہلیہ کی وفات کی طرف اشارہ مقصود ہے۔ یہ حادثہ شبِ جمعہ ۱۵ / رجب سنہ ۱۳۶۳ھ (۶ / جولائی سنہ ۱۹۴۴ء) کو پیش آیا تھا۔ مولف نے اس موقعے پر جن نظموں کی صورت میں اپنے جذبات کا اظہار کیا تھا، ان میں مندرجہ ذیل قطعۂ تاریخ بھی شامل ہے جس میں اس واقعے کے دن، تاریخ اور مہینا تینوں کے حوالے موجود ہیں:

انتقالِ اہلِ خانہ سے جگر ہے پاش پاش　　یک قلم معدوم ہے صبر و قرار و ہوش و رائے
سالِ رحلت کی ہوئی جب فکر، ہاتف نے کہا　　لکھ: شبِ جمعہ، رجب کی پندرہ تھی ہائے ہائے

۶۳　۱۳ھ

خود مولفِ تذکرہ نے اس حادثے کے اٹھارہ سال چھے ماہ بعد ۷ر جنوری سنہ ۱۹۶۳ھ کو وفات پائی۔

(۵۲)

مہؔر : آپ بالعموم گوالیار سے وطنی نسبت کے ساتھ مشہور ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ آپ کے آباواجداد کا وطن سہسوان تھا۔ یہاں محلہ اکبر آباد میں ان کی سکونت تھی۔ آپ کے والد منشی کنھیا لال بہ سلسلۂ ملازمت ریاست گوالیار سے وابستہ تھے۔ وہیں بہ مقام سبل گڑھ سنہ ۱۸۶۸ء میں مہؔر کی ولادت ہوئی۔ اردو و فارسی کی روایتی تعلیم کے بعد آپ نے بریلی میں رہ کر عصری تعلیم حاصل کی اور الہ آباد یونیورسٹی سے انٹرنس کا امتحان پاس کیا۔ ۳۱ر دسمبر سنہ ۱۸۹۲ء کو انگلش مڈل اسکول، گوالیار میں بہ حیثیت ہیڈ ماسٹر آپ کا تقرر ہو گیا۔ اس کے بعد ریاست کے مختلف اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ اس دوران کچھ دنوں تک وکٹوریا کالج میں پروفیسر کی حیثیت سے بھی کام کیا۔ سنہ ۱۹۳۵ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ ۲۶ر جولائی سنہ ۱۹۴۳ء کو گوالیار ہی میں بہ عارضۂ قلب آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کی دوسری شادی سہسوان ہی میں ہوئی تھی۔ اس سلسلے سے اپنے آبائی وطن سے آپ کا رشتہ آخرِ عمر تک برقرار رہا۔

مہؔر فنِ شاعری میں مرزا داغؔ کے شاگرد تھے۔ ان کا شمار داغؔ کے ممتاز شاگردوں میں ہوتا تھا۔ شاعری کے علاوہ فنِ خوش نویسی میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ اس کی تربیت منشی عبدالعزیز اعجاؔز سے ان کے گوالیار میں قیام کے دوران حاصل کی تھی۔ مجموعۂ کلام ''شعاعِ مہر'' کے نام سے سنہ ۱۹۳۷ء میں مطبعِ محمدی، بمبئی میں چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔ اس کے آخری حصے میں سہسوان کے کئی شعرا کے قطعاتِ تاریخ شامل ہیں۔ اس دیوان کے علاوہ آپ کی کئی اور تصانیف بھی شائع ہو چکی ہیں۔ چند شعر بہ طور نمونہ درج ذیل ہیں:

اللہ رے بے خودی دلِ آشفتہ حال کی　　تدبیر پوچھتا ہوں عدو سے وصال کی

☆☆ ☆☆

وہ مراسم بھی تمھیں یاد ہیں یا بھول گئے کبھی مہماں مجھے کرنا، کبھی مہماں ہونا

☆☆ ☆☆

بات کرنے کے لیے آپ سے ہم آئے تھے آپ نے ہم سے کوئی بات نہ کی، جاتے ہیں

☆☆ ☆☆

گری بعدِ اسیری چرخ سے کیوں ٹوٹ کر بجلی کوئی پر رہ گیا تھا کیا مرا شاخِ نشیمن پر

☆☆ ☆☆

اب وہ ہیں نہ وہ ان کی محبت ہے الٰہی دو روز میں انسان بدل جاتے ہیں کیوں کر
ہم عشق میں افتاد اٹھا کر بھی نہ سنبھلے کھاتے ہیں جو ٹھوکر وہ سنبھل جاتے ہیں کیوں کر

☆☆ ☆☆

ستم گر کی نگاہِ ناز بھی کتنی ستم گر ہے جو سیدھی ہے تو ناوک ہے، جو ٹیڑھی ہے تو خنجر ہے

☆☆ ☆☆

ہمارا دل ہمیں دے دو، یہ اچھی سینہ زوری ہے کسی کا مال جب مٹھی میں آیا، تم دبا بیٹھے
عدو سے، لے کر انگڑائی، کہا میرے جلانے کو ہم اب سونے کو جاتے ہیں، جسے ہو بیٹھنا بیٹھے
جناب مہؔر جوشِ عشق میں یہ کیا تمہیں سوجھی تغافل سے کسی کے تنگ آ کر زہر کھا بیٹھے

(۵۴)

نادؔر : ''واسوختِ نادر سہوانی'' کے تقریظ نگار منشی اظہار حسین اظہؔار سہوانی کے مطابق نادؔر چودھری غلام مصطفیٰ صاحب رئیسِ سہوان کے صاحبزادے تھے اور انھیں منشی انوار حسین تسؔلیم سے شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ ان کا واسوخت ماہِ اکتوبر سنہ ۱۸۷۳ء مطابق رمضان المبارک سنہ ۱۲۹۰ھ میں مطبعِ اودھ اخبار میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔ نادؔر کے دو شعر مزید دستیاب ہوئے ہیں جو درج ذیل ہیں:

یہ تھی بدقسمتی اپنی اسی کو برق نے پھونکا رہا جس شاخ پر نادؔر ہمارا آشیاں برسوں

☆☆ ☆☆

اے مسیحا مریض کو تیرے زہر ملتا نہیں، دوا کیسی

(۵۵)

نامیؔ : آپ کے چچا کا نام مولوی امیر احمد اور دادا کا نام مولوی عزیز احمد تھا۔ اول الذکر کا مفصل ترجمۂ احوال ''حیات العلما'' میں موجود ہے۔ نامیؔ نے اگست سنہ ۱۹۸۱ء میں وفات پائی۔

(۵۶)

نذیرؔ : آپ سے منشی انوار حسین تسلیمؔ کی بڑی صاحبزادی منسوب تھیں۔ منشی شاکر حسین نکہتؔ کی یادداشت کے مطابق آپ کی صحیح تاریخِ وفات چہار شنبہ، ۱۹؍جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۰۹ھ مطابق ۲۱؍دسمبر سنہ ۱۸۹۱ء ہے۔

(۵۷)

نکہتؔ : آپ ۱۰؍ربیع الآخر سنہ ۱۲۸۸ھ (۲۹؍جون سنہ ۱۸۷۱ء) کو رام پور میں پیدا ہوئے۔ سنہ ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء میں جب آپ کے والد رام پور سے ترکِ ملازمت کر کے ریاست بھوپال سے وابستہ ہوئے تو آپ بھی اپنے افرادِ خاندان کے ساتھ بھوپال پہنچ گئے۔ چنانچہ آپ کی بیشتر تعلیم و تربیت بھوپال ہی میں ہوئی، جہاں آپ کو اپنے زمانے کے نہایت ممتاز و معروف علما و اساتذہ سے استفادے کا موقع ملا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد مختلف انتظامی عہدوں پر مامور رہے۔ نواب شاہ جہاں بیگم (متوفّٰی ۱۶؍جون سنہ ۱۸۰۱ء) کے آخری دورِ حکومت میں آپ نیابتِ وزارتِ مال میں سر رشتہ داری کے منصب پر فائز تھے۔ نواب سلطان جہاں بیگم کی مسند نشینی کے چند سال بعد جب نظامِ حکومت میں تبدیلیاں شروع ہوئیں تو آپ کا

عہدہ بھی تخفیف میں آ گیا۔ اس کے بدلے میں آپ کو تحصیل داری پیش کی گئی جسے آپ نے قبول نہیں کیا اور اگست سنہ ۱۹۰۹ء کے اواخر میں بھوپال سے ترکِ سکونت کر کے سہسوان چلے آئے۔ باقی عمر سہسوان ہی میں گذاری۔ اس زمانے میں انتظامِ زمین داری کے علاوہ آپ کا زیادہ تر وقت مطالعۂ کتب، عربی و فارسی کے طالب علموں کی تدریس و رہنمائی اور شاگردوں کی اصلاحِ کلام اور تربیت میں صرف ہوتا تھا۔ یہیں ۲۳؍دسمبر سنہ ۱۹۵۲ء کو آپ کی وفات ہوئی۔

(۵۸)

نورؔ : آپ کا ذکر تذکرے کے مسوّدے میں موجود نہیں لیکن ''تاریخِ سہسوان'' میں ''تذکرۂ اربابِ نظم و نثر غفر اللہ لہم'' کے تحت آپ کا مختصر ترجمۂ احوال درج ہے۔ ہم نے اسے وہیں سے اخذ کر کے شاملِ تذکرہ کر دیا ہے۔ کلام دستیاب نہیں ہو سکا۔

(۵۹)

واحدؔ : واحد حسین واحدؔ ۱۵؍جون سنہ ۱۹۰۲ء کو شاہ جہان پور میں پیدا ہوئے جہاں ان کے والد رونق حسین بہ سلسلۂ ملازمت مقیم تھے۔ انھوں نے شاہ جہان پور ہی میں تعلیم حاصل کر کے ہائی اسکول پاس کیا۔ بعد ازاں وہیں ملازم بھی ہو گئے۔ تقسیمِ ملک کے بعد سہسوان چلے آئے اور یہاں میونسپل بورڈ میں ٹول ٹیکس انسپکٹر کی حیثیت سے ان کا تقرر ہو گیا۔ ۴؍دسمبر سنہ ۱۹۶۲ء کو ایک شدید قلبی دورے کے نتیجے میں سہسوان ہی میں آپ کی وفات ہوئی۔ ابتدا میں آپ نے عابدؔ شاہ جہان پوری سے اصلاح لی۔ بعد ازاں رازؔ احسنی سے مشورہ کرنے لگے تھے۔ انتہائی پختہ مشق اور قادر الکلام شاعر تھے اور بیشتر اصنافِ سخن پر ماہرانہ قدرت رکھتے تھے، لیکن غزل گوئی سے خاص دلچسپی تھی۔ کلام کی عمومی کیفیت کا اندازہ مندرجہ ذیل اشعار سے کیا جا سکتا ہے:

اتنے گھبرائے ہوئے ہیں اضطرابِ دل سے ہم　　　جا کے منزل تک پلٹ آتے ہیں خود منزل سے ہم
الاماں، دشوارئِ راہِ محبت الاماں　　　ہم سے دل بیگانہ تھا، نا آشنا تھے دل سے ہم

جس کی قسمت میں جو لکھا تھا، وہ آ کر لے گیا
لے چلے ہیں اضطرابِ دل تری محفل سے ہم
غرقِ دریا ہو کے ساحل آشنا تھی ہر نظر
دیکھنے والے یہ سمجھے دور ہیں ساحل سے ہم
بے خودیِ دل کا یہ عالم ہے واحدؔ عشق میں
آ کے منزل پر بھی جیسے دور ہیں منزل سے ہم

☆☆ ☆☆

مقدر جب بگڑتا ہے تو کچھ کرتے نہیں بنتی
الجھ جاتی ہے جب گتھی تو سلجھائی نہیں جاتی
ازل ہو، طور ہو، صحنِ چمن ہو، بزمِ محشر ہو
کوئی عالم بھی ہو، جلووں کی رعنائی نہیں جاتی
یہی دل تھا کہ جس میں آرزوؤں کا تلاطم تھا
یہی دل ہے کہ جس سے تابِ غم لائی نہیں جاتی

☆☆ ☆☆

شرابِ ناب کی توہین حضرتِ واعظ!
شراب آپ نے پی یا شراب پی میں نے
خمارِ بادہ بہ اندازِ بادہ ہے واحدؔ
کہ توبہ توڑ کے تھوڑی سی آج پی میں نے

(۶۰)

وفاؔ : میر ابراہیم علی خاں کا تاریخی نام ''سید غلام حسن'' تھا جس کی رو سے ان کا سالِ ولادت سنہ ۱۲۶۳ھ (۱۸۴۷ء) قرار پاتا ہے۔ سعیدؔ زبیری نے ماہ نامہ ''قومی زبان'' کراچی، شمارہ جنوری سنہ ۱۹۸۳ء کے حوالے سے آپ کا سالِ پیدائش سنہ ۱۸۴۳ء اور تاریخِ رحلت ۱۰؍اپریل سنہ ۱۸۸۷ء بتائی ہے۔ مالک رام، ڈاکٹر ظہیر الدین مدنی اور میر جعفر امام نے سالِ وفات سنہ ۱۸۸۵ء لکھا ہے۔ جب کہ معتبر شواہد کے مطابق اگست سنہ ۱۸۸۸ء کے وسط تک ان کا زندہ ہونا تمام شبہات سے بالاتر ہے۔ ہمارے اندازے کے مطابق اس کے معاً بعد کسی وقت ان کی وفات ہوئی۔

(۶۱)

وہبیؔ : وہبیؔ کے والد کا نام لال رائے تھا۔ وہ محلہ اکبر آباد کے ایک سکسینہ کایستھ خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور پرگنہ سہوان وفیض پور، سرکارِ بدایوں، مضافاتِ شاہ جہان آباد

کے قانون گو تھے۔ وہؔبی نے ''تحفۃ العاشقین'' مصنفہ سنہ ۱۱۵۹ھ (۱۷۴۶ء) کے دیباچے میں اپنی عمر کے مختلف مراحل کا ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ لکھا ہے کہ ''دریں ولا عمرم از سرِ کامرانی نصف العین گردید۔'' ہمارے خیال میں یہاں ''نصف العین'' سے حرف ''ع'' کے اعداد کے نصف کے بہ قدر یعنی ۳۵ سال مراد ہیں۔ اگر یہ قیاس صحیح ہے تو ان کی ولادت (۱۱۵۹-۳۵) سنہ ۱۱۲۴ھ (۱۷۱۳ء) میں ہوئی ہوگی۔

وہؔبی شروع میں اعزالدین عالم گیر ثانی (۱۷۵۴ء تا ۱۷۵۹ء) کے دربار سے بہ حیثیت منشی وابستہ تھے۔ اس کے بعد شاہ عالم کے ولی عہد مرزا جہاں دار شاہ جواں بخت کی ملازمت میں داخل ہو گئے جیسا کہ ان کے ایک قصیدے کے مندرجہ ذیل اشعار سے ظاہر ہے:

وہؔبی شرف از منصبِ درگاہِ تو دارد　　در سلسلۂ بندگی از منتسبان است
مدحِ تو براو فرض بہ پاسِ حقِ نعمت　　کز فیض تواش معجزہ در سحرِ بیان است

دیوانِ وہبی میں ان دو ارکینِ سلطنت کے علاوہ محمد شاہ بادشاہ، شاہ عالم بادشاہ، نواب نظام الملک، نواب شجاع الدولہ، نواب آصف الدولہ، امیر الدولہ حیدر بیگ، راجا ٹکیت رائے، عمدۃ الامرا احسام الدولہ، نواب مجد الدولہ، سلام اللہ خاں، نواب فتح اللہ خاں، نواب عبداللہ خاں، نواب علی محمد خاں، امیر الامرا نجیب الدولہ، نواب ہدایت اللہ خاں اور راجا جگن ناتھ (نائبِ ملکِ کٹھیر) کی مدح کے قصیدے بھی شامل ہیں۔ ان میں سے وہ کسی کے ''پروردۂ احسان'' تھے، کسی کے در پر ''امیدِ بندگیِ آستاں'' کے ساتھ حاضر ہوئے تھے اور کسی سے از راہِ ''جوہر شناسیِ ذاتی'' بہ وسیلۂ ''لطف و کرم'' فائز المرام ہونے کی توقع رکھتے تھے۔ بعض قطعاتِ تاریخ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا آخری زمانہ روہیل کھنڈ کے علاقے میں گذرا۔

مولف نے وہؔبی کی دو تصانیف ''مرصّع'' اور ''مرقع'' کا ذکر فرمایا ہے۔ ''مرصّع'' کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی، لاہور کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ ایک اور نسخہ میرے نانا منشی شاکر حسین نکہتؔ کے کتب خانے میں تھا جو ضائع ہو گیا۔ ''مرقع'' کے کسی نسخے کا علم نہیں۔ وہؔبی نے ''مرصع'' کے دیباچے میں ایک جگہ اسے ''نسخۂ موشحِ لطافت و نکتہ دانی، مرقعِ مرصعِ جواہرِ زواہرِ معانی'' لکھا ہے۔ عین ممکن ہے کہ یہ عبارت پڑھنے کے بعد کسی نے بر بنائے غلط فہمی یہ

سمجھ لیا ہو کہ کتاب کا اصل نام ''مرقع'' ہے اور اس طرح بعد میں اختلافِ بیان کی بنا پر ''مرصّع'' اور ''مرقع'' دو علیحدہ علیحدہ کتابیں قرار پا گئی ہوں۔ بہر صورت ''مرقع'' کے وجود اور عدمِ وجود کی کوئی حتمی شہادت موجود نہیں۔ یہاں یہ وضاحت بھی بے محل نہ ہو گی کہ وہبی کی تحریر کے مطابق اس کتاب کا مکمل نام ''انشائے مرصعِ وہبی'' ہے۔ انشا کے عام مجموعوں کی طرح یہ بھی رسمی نوعیت کی عرض داشتوں اور مکتوبات کا مجموعہ ہے۔

قصیدہ در تہنیتِ عروسی جس کا ایک شعر مولف نے نقل کیا ہے، صاحبزادہ کلّو خاں کی شادی کے موقعے پر کہا گیا تھا۔ اس میں کل اکیس اشعار ہیں جن سے چوراسی تاریخیں نکلتی ہیں۔

''تحفۃ العاشقین'' کی تاریخِ اتمام (۱۱۵۹ھ) وہبی نے ''بجا تحفۃ العاشقیں نامِ او'' سے نکالی ہے۔ یہ روایتی نوعیت کی ایک مختصر داستان ہے جس میں شاہ زادہ بلند اختر اور وزیر زادی روشن جمال کے عشق کی داستان بیان کی گئی ہے۔ اس کا جو نسخہ پنجاب یونیورسٹی لاہور کی لائبریری میں محفوظ ہے اس کی کتابت سہسوان ہی میں ۷/ جمادی الاخریٰ سنہ ۱۲۰۲ھ (۱۵/ مارچ سنہ ۱۷۸۸ء) کو مکمل ہوئی تھی۔

''تحفۃ العاشقین'' کے آخر میں وہبی نے بہ طور ضمیمہ ایک تحریر شامل کی ہے جس میں بعض دوسری باتوں کے علاوہ اپنے چچا جواہر مل کی سرپرستی کا ذکر احساسِ ممنونیت کے ساتھ کیا ہے۔ ان کی تعریف کا وہ قصیدہ جس کا حوالہ مولف نے دیا ہے، اسی آخری تحریر کا حصہ ہے۔ یہ قصیدہ اس کتاب کے علاوہ دیوانِ وہبی میں بھی شامل ہے۔

وہبی کی تیسری تصنیف جو پنجاب یونیورسٹی، لاہور کے کتب خانے میں محفوظ ہے، ان کا فارسی دیوان ہے۔ یہ غزلیات، قصائد اور قطعاتِ تاریخ پر مشتمل ہے۔ اس کے خاتمے پر کوئی ترقیمہ موجود نہیں لیکن اس میں جو قطعاتِ تاریخ شامل ہیں، ان میں سے آخر کے بعض قطعوں سے سنہ ۱۲۰۰ھ برآمد ہوتا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ نسخہ سنہ ۱۲۰۰ھ (۸۶-۱۷۸۵ء) کے بعد کسی وقت لکھا گیا ہو گا۔ دیوان میں سنہ ۱۲۰۰ھ کے بعد کا کوئی قطعہ موجود نہ ہونے کی بنا پر یہ بھی قیاس کیا جا سکتا ہے کہ وہبی کا انتقال یا تو سنہ ۱۲۰۰ھ (۸۶-۱۷۸۵ء) ہی میں یا اس کے معاً بعد کے کسی سال میں ہوا ہو گا۔ سنہ ۱۲۰۰ھ تک ان کا بہ قیدِ حیات ہونا بہر حال شبہات سے بالاتر ہے۔

وہبیؔ نے اپنے کئی مقطعوں میں بہ طور تعلّی فارسی زبان سے اہلِ سہوان کے شغف اور اس بستی سے اپنی وطنی نسبت پر اظہارِ فخر کیا ہے۔ یہ اشعار سطورِ ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

اگر با پارسی زاداں شوی محوِ سخن وہبیؔ — بہ تحسیں یا دکن ہندی نژادانِ سہواں را

چہ ناخن می زند شعرِ تو وہبیؔ بر دلِ صائبؔ — کزیں حالت برایراں خندہ می آید سہواں را

وہبیا طبعِ سخن دانِ تو بُرد از ہمہ گوے — چوں ننازم اثرِ خاکِ سہوانِ ترا

ہر چمن صد بار پامالِ خزاں شد وہبیا — یک بہارِ لطفِ معنی در سہوانِ تو ماند

وہبیا گرچہ فصیح است کلامِ ایراں — از پےِ فخرِ سخن خاکِ سہوانِ تو بس

وہبی کو تاریخ گوئی کا بھی غیر معمولی ملکہ حاصل تھا۔ چنانچہ انھوں نے مذکورۂ صدر معرکہ آرا قصیدے کے علاوہ بھی بعض لاجواب تاریخیں کہی ہیں۔ نواب شجاع الدولہ اور حافظ رحمت خاں کی باہمی جنگ میں اول الذکر کی فتح اور آخر الذکر کی شہادت کی ایک تاریخ نے ضرب المثل کی حیثیت حاصل کر لی ہے۔ یہ حقیقت دیوانِ وہبی کے مطالعے سے منکشف ہوئی کہ یہ بے نظیر تاریخ وہبیؔ کی طبع زاد ہے۔ تاریخ یہ ہے:

چو شد نواب بر اعدا ظفر یاب — ملائک مژدہ در عالم دمیدند

ہم از لفظِ ''ظفر'' جستند تاریخ — پے باقی سرِ حافظ بریدند

۱۱۸۰ + ۸ = ۱۱۸۸ھ

ایک اور قابلِ ذکر تاریخ نواب نجیب الدولہ کے سانحۂ وفات سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کی اہمیت یہ ہے کہ یہ وہبیؔ کے اردو کلام کا واحد نمونہ ہونے کے علاوہ سہوان کے کسی شاعر کے اردو کلام کا قدیم ترین نمونہ بھی ہے۔ قطعہ حسب ذیل ہے:

افسوس نجیب خاں بہادر نہ رہا — دانا دل و صاحبِ تہوّر نہ رہا

تھا ایک دلاوری میں اس ہند کے بیچ — رستم کا بھی جس اگیں تکبّر نہ رہا

ہمت نہ رہی، کیا سخاوت نے بھی کوچ — انصاف کا خلق کوں تصوّر نہ رہا

جمعیّت دل کی اٹھ گئی عالم سیں — خاطر میں جہاں کے جز تحیّر نہ رہا

تاریخِ وفات اس کی اربابِ سخن — بولے کہ ''نجیب خاں بہادر نہ رہا''

۱۱۸۴ھ

حصّۂ سوم

اضافۂ مرتّب

(۱) آزاد، سید امجد حسین : آزاد کے سوانحِ حیات اور شاعری کے بارے میں کسی قدر تفصیلی معلومات کا واحد ذریعہ مولانا امداد صابری کا ''تذکرۂ شعرائے حجاز'' ہے۔ اس تذکرے میں ان کے تعارف کی ابتدا اس طرح ہوئی ہے:

''حکیم سید امجد حسین بن حکیم سید حسین سہوانی بن حکیم سید منظور حسین کے بزرگوں کا اصل وطن خیر آباد تھا۔ پھر وہاں سے لکھنؤ منتقل ہو گئے تھے اور شاہانِ اودھ کی فوج میں ملازمت کر لی تھی۔ آپ کے دادا حکیم سید منظور حسین شاہی باڈی گارڈ کے افسر تھے۔ جنگِ آزادی سنہ ۱۸۵۷ء کے بعد ان کا خاندان لکھنؤ چھوڑ کر سہوان میں آباد ہو گیا تھا۔ آپ کے والدِ ماجد سید محمد حسین مرحوم بہت ذکی، ذہین اور تجربہ کار طبیب تھے۔'' (ص ۱۱۶)

مولفِ تذکرہ کی یہ اطلاع کہ آزاد کے بزرگوں کا اصل وطن خیر آباد تھا، صحیح نہیں۔ وہ ساداتِ سہوان کے مورثِ اعلیٰ قاضی عبدالشکور کے سب سے چھوٹے بیٹے سید محمد ہاشم کی اولاد تھے اور اسی بستی سے وطنی نسبت رکھتے تھے۔ خیر آباد یا لکھنؤ سے ان کا تعلق صرف ملازمت کی حد تک تھا۔ اسی طرح اوپر کے اقتباس میں آزاد کے والد کا نام ایک جگہ سید حسین اور دوسری جگہ سید محمد حسین بتایا گیا ہے۔ ''خزینۃ الانساب'' (ص ص ۹۲ و ۱۱۷) کے مطابق پہلی روایت غلط اور دوسری صحیح ہے۔ سید محمد حسین کی شادی سہوان کے مشہور عالم اور علومِ متداولہ کے معروف استاد مولانا سید عبدالحسیب کی صاحبزادی صدیق النسا سے ہوئی تھی۔

امجد حسین ۱۳۱۹ھ (۰۲-۱۹۰۱ء) میں سہوان میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کی

ولادت کے تین برس بعد ان کے والد سہسوان سے علی گڑھ منتقل ہو گئے۔ چنانچہ ان کی ابتدائی تعلیم وہیں ہوئی۔ ۱۳۳۳ھ (۱۵-۱۹۱۴ء) میں حکیم سید حسین کا انتقال ہو گیا تو ان کے ایک دوست امجد حسین کو اپنے ساتھ دہلی لے گئے۔ وہاں وہ پہلے تین چار سال مدرسہ امینیہ میں دینی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ بعد میں انھیں طبیہ کالج میں داخل کرا دیا گیا جہاں انھوں نے مروّجہ نصابِ درس کی تکمیل کی۔ بعد ازاں حسبِ قاعدہ مسیح الملک حکیم اجمل خاں کے مطب میں نسخہ نویسی کر کے تداویِ امراض کا عملی تجربہ حاصل کیا۔ اس کے بعد حکیم صاحب ہی کے مشورے سے بھیا علاء الدین کے خاندانی طبیب کی حیثیت سے میرٹھ چلے گئے لیکن چند سال کے بعد ہی وہاں سے پھر دہلی چلے آئے اور حسبِ سابق حکیم صاحب کے مطب سے وابستہ ہو گئے۔ حکیم صاحب کے انتقال (۲۸/۲۹ دسمبر ۱۹۲۷ء) کے بعد آپ نے متواتر تین حج کیے۔ ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۱ء میں تیسرا حج کرنے کے بعد آپ مکۂ معظّمہ سے مدینہ منوّرہ چلے گئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ وہاں بھی کچھ دنوں تک مطب کرتے رہے۔ اس کے بعد ترکِ دنیا کر کے خانہ نشین ہو گئے۔ ۱۹۶۶ء میں وہیں آپ کا انتقال ہوا۔ سہسوان کے اولین ایم. بی. ایس ڈاکٹر اور عثمانیہ یونیورسٹی میڈیکل کالج کے شعبۂ اناٹمی کے صدر سید مختار حسین آپ کے چھوٹے بھائی تھے۔ مولانا امداد صابری نے اپنے تذکرے میں سترہ اشعار پر مشتمل آپ کی ایک مکمل غزل نقل فرمائی ہے۔ اسی میں سے انتخاب کر کے چند اشعار یہاں پیش کیے جاتے ہیں:

تھا وصل کا سوال، نہیں کرتے، ہاں کہاں — یہ جا پڑی بہک کے تمھاری زباں کہاں
تم دل پکڑ کے لوٹ گئے ایک آہ میں — یہ تو مقدّمہ تھا فغاں کا، فغاں کہاں
کانٹوں سے نخلِ سدرہ کے دامن ہے چاک چاک — میرے جنوں نے مجھ کو پھرایا کہاں کہاں
سب گل کھلائے سوزِ محبت کے ذکر نے — چھالوں سے آشنا تھی ہماری زباں کہاں
یہ راہ شک میں ڈالتی ہے دل کو، سچ کہو — تم مجھ کو لے چلے ہو مرے مہرباں کہاں
کچھ رند پوچھتے تھے یہ واعظ سے خلد میں — ہوتی ہے یاں فروختِ مےِ ارغواں کہاں
یادش بہ خیر، عہدِ جوانی گذر گیا — وہ ولولے، وہ جوش، وہ سرگرمیاں کہاں

آج ان کی تیوریوں پہ ہیں کچھ بل پڑے ہوئے　　اب دیکھیں وار کرتی ہیں یہ برچھیاں کہاں
ہر بزمِ دل میں عشق و محبت کا ذکر ہے　　ہوتی نہیں بیان مری داستاں کہاں

(۲) آفتاب، سید عبدالبر آفتاب احمد نقوی : آپ کا اصل نام سید عبدالبر نقوی اور عرفیت آفتاب احمد تھی۔ مولوی سید ابواحمد صدؔر آپ کے والد اور ابوالکمال مولانا حکیم سید اعجاز احمد معجؔز آپ کے نانا تھے۔ ہائی اسکول کے سرٹیفکٹ کے مطابق آپ کی تاریخِ پیدائش ۱۷/اکتوبر ۱۹۳۲ء ہے لیکن اصلاً آپ کی ولادت ۱۹۳۰ء میں ہوئی تھی جیسا کہ آپ کے تاریخی نام ''فضلِ عظیم'' سے ظاہر ہوتا ہے۔ آپ کی تعلیم و تربیت نانا کے زیرِ سایہ فیض آباد اور سہسوان میں ہوئی۔ ۱۹۴۹ء میں منشی، ۱۹۵۱ء میں اعلیٰ قابلیت، ۱۹۵۵ء میں ہائی اسکول، ۱۹۵۶ء میں ادیب کامل اور ۱۹۶۴ء میں انٹر کا امتحان پاس کیا۔ اگست ۱۹۵۹ء میں میونسپل بورڈ سکندرہ راؤ (ضلع ہاتھرس) کے تحت پرائمری اسکول کے مدرس کی حیثیت سے ملازمت کی ابتدا کی اور ۵/اگست ۱۹۶۴ء تک وہاں برسرِ کار رہے۔ بعد ازاں آدرش انٹر کالج، کوڑا جہان آباد (ضلع فتح پور) میں اردو ٹیچر کے طور پر تدریسی خدمات انجام دیں۔ ملازمت سے سبک دوشی کے بعد سنہ ۲۰۰۰ء کے وسط تک جہان آباد ہی میں قیام رہا۔ بعدہٗ سہسوان چلے آئے۔ یہیں ۹/فروری ۲۰۰۳ء کو بہ عارضۂ سرطان آپ کی وفات ہوئی۔

سہسوان کے زمانۂ قیام میں مقامی مشاعروں میں پابندی کے ساتھ شریک ہوتے تھے اور بالعموم تازہ غزل سنایا کرتے تھے۔ بعد ازاں شعر گوئی میں زیادہ انہماک نہیں رہ گیا تھا۔ ہنگامی میلانِ طبیعت یا کسی وقتی ضرورت کے تحت کبھی کبھی کچھ کہہ لیا کرتے تھے۔ بعد کے اس زمانے میں آپ نے بچوں کے لیے ان کی دلچسپی کے موضوعات پر نہایت سادہ و عام فہم زبان میں کچھ نظمیں بھی لکھیں جن میں سے بعض معاصر رسالوں میں شائع بھی ہوئیں۔ اس وقت ۱۹۵۳ء تک کی غزلوں پر مشتمل صرف ایک مختصر بیاض ہمارے پیشِ نظر ہے، جس سے چند اشعار سطورِ ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

قابو میں دل رہے گا نہ قائم رہیں گے ہوش　　تم سن سکو گے حال کسی بے قرار کا؟

☆☆ ☆☆

آشیاں کے چار تنکوں کی حفاظت تھی وبال　　　　برقِ سوزاں کیا تھی، آزادی کا اک پیغام تھا

☆☆ ☆☆

مری نظریں بچا کر جس طرف چاہو، نکل جاؤ　　　　تمھاری راہ کا ہر ذرّہ دیتا ہے نشاں مجھ کو

☆☆ ☆☆

یہ کافر دل نہ بنتا گر صنم خانہ تو کیا ہوتا　　　　نکل کر کعبے سے یہ بت مقام آخر کہاں کرتے

☆☆ ☆☆

ہجومِ غم نے بخشی ہے حیاتِ جاوداں ہم کو　　　　نہ ہوتا غم کوئی تو خوفِ مرگِ ناگہاں ہوتا

☆☆ ☆☆

جو عقدہ ہو نہ سکے حل وہ مدعا ہے مرا　　　　جو کامیاب نہ ہو وہ مری تمنا ہے

نمودِ جلوۂ رنگیں نے کر دیا بے خود　　　　وہ پوچھتے ہی رہے مجھ سے، مدعا کیا ہے

☆☆ ☆☆

ترے تیرِ نظر کو دل بنا کر رکھ لیا دل میں　　　　بہ قدرِ ظرف پیش آتا ہے ہر ایک اپنے مہماں سے

☆☆ ☆☆

دل کا ہر گوشہ بنا ہے آئنہ دارِ بہار　　　　قید میں رہ کر بھی سیرِ گلستاں کرتے ہیں ہم

☆☆ ☆☆

جہاں گر جایئے منزل، جہاں پڑ جایئے منزل　　　　ہزاروں منزلیں طے کی ہیں میں نے ایک منزل میں

(۳) آثر، محمد یعقوب انصاری : محمد صدیق انصاری کے بیٹے محمد یعقوب انصاری ۲۵رمئی ۱۹۵۰ء کو پیدا ہوئے۔ اردو، ہندی وغیرہ کی ابتدائی تعلیم کے مرحلے سے گذرنے کے بعد کچھ ہوش سنبھالا تو کسبِ معاش کی فکر لاحق ہوئی۔ اس سلسلے میں کچھ دنوں تک بہ وسیلۂ تجارت دہلی میں قیام رہا۔ ۱۹۷۸ء میں وہیں باقاعدہ شعرگوئی کا آغاز ہوا۔ شروع میں نصرت گوالیاری سے اصلاح لی۔ بعدازاں جب دہلی سے سہسوان چلے آئے تو اخلاق سہسوانی سے مشورۂ

سخن کرنے لگے۔ آج کل سہسوان میں مقیم، ہیں اور زراعت ذریعۂ معاش ہے۔ عموماً صاف و سادہ زبان اور رواں دواں بحروں میں شعر کہتے ہیں۔ مندرجہ ذیل اشعار اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں:

حسنِ اظہار بھی زبان میں رکھ　　اور سچائی کو بیان میں رکھ
تیرے دشمن بھی تجھ سے ہوں مانوس　　اتنی تاثیر تو زبان میں رکھ
کامرانی ملے گی تجھ کو بھی　　خود کو ہر وقت امتحان میں رکھ
میں گنہگار ہی سہی لیکن　　میرے مولا، مجھے امان میں رکھ

☆☆☆☆

یہاں کوئی نہیں ہے سننے والا　　تو اپنی بات نا حق کھو رہا ہے
کہو، کس کی یہ نا انصافیاں ہیں　　خود اپنا بوجھ بوڑھا ڈھو رہا ہے

☆☆☆☆

توڑ کر ہم سے رابطہ تو نے　　کام اچھا نہیں کیا تو نے
حق بیانی سے ڈر گیا تو بھی　　اپنے ہونٹوں کو سی لیا تو نے

(۴) احقرؔ، منشی اشتیاق حسین : احقرؔ ۴؍فروری ۱۸۸۶ء کو پیدا ہوئے۔ والد کا نام اشفاق حسین تھا۔ ابتدائی مذہبی درسیات سے فراغت کے بعد مقامی مدارس میں بہ قدرِ ضرورت اردو، فارسی اور ریاضی وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔ بعد ازاں بہ غرضِ حصولِ معاش منشی کے طور پر شہر کے مشہور رئیس خان بہادر میر اظہر علی، آنریری اسپیشل مجسٹریٹ و اسسٹنٹ کلکٹر درجۂ اول کے ذاتی ملازمین کے عملے میں شامل ہو گئے۔ ۱۹۳۸ء میں خان بہادر صاحب کا انتقال ہو گیا تو ان کے صاحبزادے میر محمد علی نے بھی انھیں ان کی خدمت پر علی حالہٖ بحال رکھا۔ ۱۹۵۲ء میں زمیں داری کے خاتمے اور اگلے دو تین سال میں اس کے معاوضے سے متعلق معاملات و مقدمات کے فیصل ہو جانے کے بعد جب ان کاموں کے لیے درکار عملے کی ضرورت باقی نہیں رہی تو احقرؔ کی ملازمت بھی ختم ہو گی۔ اس کے بعد انھوں نے اپنے محلّے (شہباز پور) ہی میں ایک چھوٹی سی دوکان کر لی تھی جس سے بہ قدرِ ضرورت آمدنی بھی ہو جاتی تھی اور وقت بھی آسانی سے گذر جاتا

تھا۔ آخر میں اس سے بھی دست کش ہو کر کچھ دن بالکل خانہ نشین رہے۔ اسی عالم میں پچاسی سال سے کچھ زیادہ عمر پا کر ۲۵ رجولائی ۱۹۷۱ء کو وفات پائی۔

خان بہادر میر اظہر علی جن کے ہاں احقرؔ طویل عرصے تک برسرِ کار رہے، ایک پختہ مشق شاعر اور مرحوم امیرؔ مینائی کے شاگرد تھے۔ ان کے احباب اور ہم نشینوں میں بھی کئی سخن سنج اور سخن فہم شامل تھے۔ چنانچہ کبھی کبھی ہنگامی طور پر اور کبھی پہلے سے طے شدہ پروگرام کے تحت ان کے ہاں شعری نشستیں بھی ہوتی رہتی تھیں۔ احقرؔ اسی ماحول کے زیر اثر شعر گوئی کی طرف مائل ہوے۔ لیکن انھوں نے آزادانہ فکرِ سخن کی راہ اپنائی، اس زمانے کے عام رواج کے مطابق کسی استاد سے اصلاح لینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ رفتہ رفتہ نہایت رواں دواں اور شستہ وشگفتہ اشعار کہنے لگے۔ ان کے فرزندِ ارجمند اخلاقؔ سہسوانی سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ مرحوم کی اپنی بے اعتنائی کی وجہ سے ان کا کلام محفوظ نہیں رہ سکا۔ لہٰذا یہاں جناب عرفانؔ عباسی کے ''تذکرۂ شعراے اتر پردیش'' (جلد ۱۵) کے حوالے سے ان کے چند اشعار بہ طور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں:

یہاں میں ہند میں ہوں، آپ ہیں مدینے میں — مرے حبیب! یہ جینا ہے کوئی جینے میں
وہ آیا جوش پہ دریاے رحمتِ باری — پڑی وہ جان مرے ڈوبتے سفینے میں
یہی بس ایک تمنا ہے میری اے احقرؔ — مروں تو دفن ہوں مکّے میں یا مدینے میں

☆☆☆☆

اب لطف آ رہا ہے مجھے ان کی یاد میں — یا رب! بڑھا دے اور شبِ انتظار کو
تم آؤ یا نہ آؤ، مجھے اس کا غم نہیں — سمجھا لیا ہے اپنے دلِ بے قرار کو

☆☆☆☆

ڈراتا ہے عبث واعظ مجھے روزِ قیامت سے — شبِ فرقت سے بڑھ کر بھی کوئی روزِ قیامت ہے
جو پانا ہے تجھے منزل تو پہلے خود بھی گم ہو جا — ابھرنا ہے تو پہلے ڈوب، یہ بحرِ محبت ہے
ہے جب تک درد باقی، زیست کی لذت بھی ہے احقرؔ — خراشِ ناخنِ غم میں فقط، جینے کی لذت ہے

☆☆☆☆

ابھی تیرِ نظر سے اور وہ تجھ کو نوازیں گے ‌ ‌ ابھی تجھ پر عنایت اور اے زخمِ جگر ہوگی
سمجھ رکھا ہے کیا تو نے ستم گر! میرے نالوں کو ‌ ‌ ابھی سے تیری دنیاے ستم زیر و زبر ہوگی
چلے آؤ کسی دن میرے آغوشِ تصور میں ‌ ‌ تمھارے آنے جانے کی کسی کو کیا خبر ہوگی

☆☆☆☆

پرستارِ محبت ہیں، ہمیں منزل سے کیا مطلب ‌ ‌ جہاں وحشت لیے جاتی ہے، بے تابانہ جاتے ہیں

(۵) اخترؔ، منشی اختر جمیل : اخترؔ منشی عبدالعزیز اعجازؔ کے برادرِ حقیقی منشی عبدالباسط کے فرزندِ اکبر تھے۔ "اختر جمیل" غالباً تاریخی نام تھا، جس کی رو سے سالِ ولادت ۱۲۸۴ھ (۶۸-۱۸۶۷ء) قرار پاتا ہے۔ فارسی کی اچھی استعداد رکھتے تھے۔ منشی فاخر حسین فاخرؔ کے مجموعۂ خطوط موسوم بہ "مخزنِ تدابیر" (قلمی مخزونہ خدا بخش لائبریری، پٹنہ) میں جو بعض تہذیبی ومعاشرتی مسائل سے متعلق ان کے مکتوبات پر مشتمل ہے، ایک خط منشی اختر جمیل کے نام بھی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ندوۃ العلما کے سالانہ اجلاس منعقدہ بریلی مورخہ ۲۲رتا ۲۸رشوال ۱۳۱۳ھ (۱۰رتا ۱۲راپریل ۱۸۹۶ء) میں سہسوان کے چند دوسرے مندوبین کے ساتھ شرکت کی تھی۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے زمانے کے تعلیمی مسائل اور سماجی واصلاحی تحریکات سے دلچسپی رکھتے تھے۔ راقم کی بیاض میں ان کے صرف دو فارسی اشعار محفوظ ہیں جو اس نے ۱۹۵۳ء میں ماہ نامہ "مہر منیر" بھوپال میں قسط وار شائع ہونے والے شعراے فارسی کے تذکرے کی کسی قسط سے نقل کیے تھے۔ اس تذکرے سے ۱۳۱۵ھ (۹۸-۱۸۹۷ء) تک ان کے زندہ ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ اس کے بعد کے حالات معلوم نہیں۔ شعر یہ ہیں:

می تو انم کہ قدم برِ سرِ افلاک نہم ‌ ‌ رخت در کوچۂ آں بت نتوانم کہ کشم
مرا سرے است کہ سوداے زلفِ او دارد ‌ ‌ خیالِ تاب شکن، مشکل آرزو دارد

(۶) اخگر، سید نجیب الرحمٰن (سبطین اخگر) : مولوی سید حمید الرحمٰن (متوفی ۲۵رمارچ سنہ ۲۰۰۹ء) کے صاحبزادے سید نجیب الرحمٰن نقوی عرف سبطین معروف بہ سبطین

اخگرؔ تعلیمی اسناد کے مطابق یکم جنوری ۱۹۵۸ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے مراحل طے کرنے کے بعد ۱۹۷۲ء میں پنّا لال میونسپل انٹر کالج سے ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا۔ بعد ازاں علی گڑھ چلے گئے، وہاں سے ۱۹۷۷ء میں بی.اے. اور ۱۹۸۲ء میں ایل، ایل. بی. کی ڈگریاں حاصل کیں۔ اس درمیان ۱۹۷۵ء میں ساہتیہ سمیلن، الہ آباد سے ''ساہتیہ رتن'' کا امتحان بھی پاس کرلیا۔ علی گڑھ میں دورانِ تعلیم اور اس کے بعد بھی کئی سال تک وہاں کی ادبی وثقافتی سرگرمیوں میں نمایاں کردار ادا کرتے رہے۔ ۱۹۸۷ء سے وکالت کے پیشے سے وابستہ ہیں اور فی الوقت سہسوان کے سینیر وکیلوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔

علی گڑھ کے زمانۂ طالب علمی میں اخگرؔ اسعدؔ بدایونی، شہپرؔ رسول اور بعض دوسرے ہم عمر اور بزرگ تر شعرا کی صحبتوں میں شعر و ادب کے ایک مختلف فیہ تصوّر اور غزل کے یکسر بدلے ہوئے طرزِ اظہار سے روشناس ہوئے اور انھوں نے جلد ہی اسے اس کے تمام تر لوازمات کے ساتھ برتنے کا سلیقہ پیدا کرلیا۔ ان کا شعری مجموعہ ''لم یزل'' جو ان کے اپنے قول کے مطابق ۱۹۷۹ء میں مرتب ہوگیا تھا، لیکن دس سال کے بعد فروری ۱۹۸۹ء میں شائع ہوا، ان کی اس پیش رفت کا گواہ ہے۔ گذشتہ چند برسوں میں اگر چہ رفیقۂ حیات کی دائمی جدائی اور مسلسل خرابیِ صحت کی وجہ سے اخگرؔ کے تخلیقی عمل کی رفتار کافی دھیمی پڑ گئی ہے تاہم سنا ہے کہ جلد ہی دوسرا مجموعہ مرتب کر کے شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ سرِ دست ''لم یزل'' سے غزلوں کے چند اشعار انتخاب کر کے بہ طور نمونہ ہدیۂ ناظرین کیے جاتے ہیں:

در و دیوار سے اپنائیت ٹپکے تو میں جانوں — کہیں پر نام لکھ دینے سے اپنا گھر نہیں ہوتا

☆☆ ☆☆

اب تو کچھ پانے کی حسرت بھی مرے دل سے گئی — تو نہیں تو اور کیا باقی رہا کھونا مجھے

☆☆ ☆☆

ملالِ ہجر بھی اب موسمِ بہار ہوا — ترا وصال ترے بعد بار بار ہوا

میں سوچتا رہا اک موج کو لبِ دریا — وہ لوٹ آئے گا اک دن، یہ اعتبار ہوا

☆☆ ☆☆

سوکھے ہوئے گلاب کا پودا ہرا ہوا جھونکا ہوا کا نیند چرا لے گیا مری
میں نے اسے چھوا تو وہ موجِ ہوا ہوا لگتا تھا جیسے ہاتھ میں آجائے گا ابھی

☆☆ ☆☆

جو سوچتا ہوں تو لگتا ہے کچھ ہوا تو ہے جو دیکھتا ہوں تو پیشِ نگاہ کچھ بھی نہیں

☆☆ ☆☆

اپنی آنکھوں کو بچھا کر رات ساری دیکھنا جھانکنا تنہائیوں میں روزنِ دیوار سے
اپنی بے معنی گری، بے اختیاری دیکھنا پھول سے چہرے پہ لکھنا آنکھ کی تحریر کو
آئینے کو صاف کرنا، سنگ باری دیکھنا جاگتے رہنا کسی منظر کی خاطر رات دن

☆☆ ☆☆

درد ایسا کہ قیامت سی مرے اندر ہے اور کیا چاہتی ہے مجھ سے شبِ شوریدہ

☆☆ ☆☆

جدا ہوا جو شجر سے تو دربدر ہی ہوا میں قید و بند سے آزاد، برگِ ناپُرساں

(۷) اخلاصؔ، ماسٹر اخلاص حسین زبیری : ۱۸۹۲ء میں سہسوان میں پیدا ہوئے۔ والد چودھری شفاعت حسین ریاست گوالیار کے محکمۂ پولس میں سب انسپکٹر تھے، اس لیے بچپن مختلف شہروں میں گذرا۔ ۱۹۱۲ء میں گوالیار کے ایک سرکاری اسکول سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اس کے فوراً بعد اسی اسکول میں بہ حیثیت ٹیچر ملازم ہو گئے۔ دورانِ ملازمت انٹر، بی۔اے اور ایم۔اے کے امتحانات پاس کیے۔ ۱۹۴۲ء میں حالات کی نامساعدت کی بنا پر گوالیار سے سہسوان چلے آئے اور ۱۵راگست ۱۹۴۲ء سے ۱۹راگست ۱۹۴۶ء تک پنّالال اسکول کی ہیڈ ماسٹری کے فرائض انجام دیے۔ بعد ازاں کان پور کے کسی تعلیمی ادارے سے وابستہ ہو گئے۔ ۱۹۴۹ء میں ترکِ وطن کر کے پاکستان چلے گئے۔ ۱۹۵۰ء میں پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں بہ حیثیت ٹرانسلیٹر آپ کا تقرر ہوا۔ وہیں سے ۱۹۵۷ء میں سبک دوش ہوئے۔

چورانوے سال سے کچھ زیادہ عمر پا کر ۲ر فروری ۱۹۸۶ء کو وفات پائی۔

زبیری صاحب کا رجحانِ طبیعت نظم سے زیادہ نثر کی طرف تھا۔ کتابوں اور مضامین کے ترجموں کے ساتھ ساتھ مختلف علمی، تہذیبی اور تعلیمی موضوعات پر آپ کے طبع زاد مقالے بھی پاکستان کے مقتدر رسائل و جرائد میں برابر شائع ہوتے رہتے تھے۔ نمونہ کلام کے ذیل میں ہمیں صرف ایک نعت کے چند شعر دستیاب ہوئے ہیں جو ہدیۂ ناظرین ہیں:

ہوا منظور جب قدرت کو، دنیا میں بہار آئے　　جہاں میں رحمتِ عالم، حبیبِ کردگار آئے

رسولِ پاک کی آمد سے جاگیں قسمتیں اپنی　　فلاح و نصرت و برکات کے لیل و نہار آئے

نگاہوں کو ملی جنت، دلوں کو نورِ ایمانی　　زباں زد تھا یہی ہر سو، ہمارے غم گسار آئے

عجب تھی شانِ رحمت، بن گئے ہر درد کے درماں　　ہوئے دل شاد اس دربار میں جو دل فگار آئے

تمنا دل میں ہے اخلاؔص طیبہ کی زیارت ہو
نظر آنکھوں سے اپنی سبز گنبد کی بہار آئے

(۸) اخلاؔق، اخلاق حسین قریشی : اخلاؔق ۲۵ر جولائی ۱۹۳۰ء کو سہسوان میں پیدا ہوئے۔ آپ منشی اشتیاق حسین کے صاحبزادے ہیں جو خود بھی شاعر تھے اور احقرؔ تخلص کرتے تھے۔ اس طرح شاعری آپ کو ورثے میں ملی ہے۔ اخلاؔق اگرچہ تعلیمی اعتبار سے ورنا کیولر مڈل اور ادیبِ کامل (جامعہ اردو، علی گڑھ) سے آگے نہ بڑھ سکے لیکن فطری ذوق و شوق اور مسلسل مطالعے کے نتیجے میں انھوں نے اچھی خاصی علمی و ادبی استعداد پیدا کر لی ہے۔ شاگردوں کا ایک وسیع حلقہ ان کے دامنِ فیض سے وابستہ ہے، جس کی تربیت و رہ نمائی پر وہ پوری توجہ صرف کرتے ہیں۔ بہ ذاتِ خود انھوں نے تقریباً سولہ سال کی عمر میں ۱۹۴۶ء میں شعر کہنا شروع کر دیا تھا اور جناب رازؔ احسنی کے فیضِ تلمذ سے جلد ہی خوش گو شعرا میں شمار کیے جانے لگے تھے۔ ''خاکسترِ دل'' کے نام سے ۱۹۹۲ء میں ان کا ایک مجموعۂ کلام بھی شائع ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ وہ ایک ناول ''آخری راستہ'' کے بھی مصنف ہیں جو ۱۹۶۰ء میں کتابی دنیا، نئی دہلی سے شائع ہوا تھا۔ مندرجہ ذیل اشعار ان کے رنگِ کلام کی نمائندگی کرتے ہیں:

اب ہے آنکھوں کا مقدر ایسے منظر دیکھنا شہر میں چاروں طرف جلتے ہوئے گھر دیکھنا
میرا اپنا، میرا محسن تو یہاں کوئی نہیں پھر یہ پھینکا کس نے میری سمت پتھر دیکھنا

☆☆ ☆☆

اپنے معیار کو چاہو جو سلامت رکھنا دوستوں سے کوئی امیدِ وفا مت رکھنا
تم کو دھوپ اپنی تمازت تو دکھائے گی ضرور سر پہ مانگے ہوئے سائے کی ردامت رکھنا

☆☆ ☆☆

دل میں تکبّر رکھنے والو تم کو یہ ملحوظ رہے خود کو شناور کہنے والا شخص بھی اکثر ڈوبا ہے
اس منظر پر غور کرو اے دہشت گردو، سنگ دلو! پھول تو پانی پر تیرا ہے لیکن پتھر ڈوبا ہے

☆☆ ☆☆

وہ تھوڑی دور تک تو چلے میرے ساتھ ساتھ پھر حادثات آپ ہی راہیں بدل گئے
اہلِ خرد تو کرتے رہے راستے تلاش ہم منزلِ جنوں سے بھی آگے نکل گئے

☆☆ ☆☆

لبوں پہ ذکرِ خدا، دل میں شوقِ حور و بہشت جہاں نے دیکھے ہیں زاہد! ترے رکوع و سجود

☆☆ ☆☆

پٹکتی ہیں کناروں سے سر اپنا آج تک موجیں مری کشتی ڈبو کر جان مشکل میں ہے دریا کی

☆☆ ☆☆

مل جاتی سند مجھ کو بھی حق گوئی کی لیکن ہر جھوٹ کو سچ کہنا مناسب نہیں سمجھا

☆☆ ☆☆

میرے آنگن کی یہ دیوار بتا سکتی ہے ٹوٹ جاتا ہے کبھی خون کا رشتہ کیسے

(۹) اخلاقؔ، اخلاق حسین : اپنے ہم نام و ہم تخلص معروف شاعر اخلاقؔ سہسوانی کی طرح زیرِ تذکرہ اخلاقؔ کے والد کا نام بھی اشتیاق حسین تھا لیکن وہ سابق الذکر اخلاقؔ کے والد کی طرح شاعر نہ تھے۔ علاوہ بریں ان کی سکونت چودھری محلے میں تھی جب کہ

اشتیاق حسین احقر محلہ شہباز پور کے ساکن تھے۔ اخلاقؔ اسکول سرٹیفکٹ کے مطابق ۶ر جون ۱۹۴۲ء کو پیدا ہوئے۔ ہائی اسکول تک تعلیم انھوں نے سہسوان ہی میں رہ کر حاصل کی۔ بعد ازاں روڈ ویز کے محکمے میں ملازم ہو کر آگرہ چلے گئے اور ملازمت سے سبک دوشی کے بعد وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ شعر گوئی کی طرف ۱۹۵۷ء میں راغب ہوئے اور اصلاحِ کلام کے لیے ایک مقامی استاد غفارؔ اکبر آبادی کی جانب رجوع کیا۔ نمونہ کلام درجِ ذیل ہے:

ترکِ تعلقات کا جب فیصلہ کیا — کیا کیا نہ رات میرے خیالوں پہ بن گئی
اخلاقؔ آنکھ نم نہ ہوئی، دل جلا کیا — اللہ رے انتظار کی گھڑیاں کہ عمر بھر

☆☆☆☆

ہم ایک پھول کی خاطر چمن لٹا بیٹھے — سکونِ دل کے لیے خونِ دل بہا بیٹھے
یہ کیا کیا کہ انھیں حالِ دل سنا بیٹھے — متاعِ ضبطِ غمِ عشق بھی لٹا بیٹھے

☆☆☆☆

بند آنکھیں تو کھولیے صاحب! — کچھ نہ سنیے نہ بولیے صاحب!
اپنی زلفیں تو کھولیے صاحب! — خود ہواؤں سے آئے گی خوشبو

(۱۰) ادیبؔ، عبدالسّلام : آپ کے والد کا نام برکت علی تھا۔ یکم فروری ۱۹۳۵ء کو محلّہ دہلیز، سہسوان کے ایک ناخواندہ اور مالی وسائل سے محروم گھرانے میں پیدا ہوئے۔ چھٹے کلاس سے ہائی اسکول تک پنّا لال میونسپل ہائی اسکول میں راقم کے ہم درس رہے۔ حالات کی ناسازگاری کی وجہ سے ہائی اسکول کے بعد تعلیم جاری نہ رکھ سکے اور محکمۂ آب پاشی میں ملازمت اختیار کر کے معاشی ضروریات کی تکمیل میں مصروف ہو گئے۔ اچھی صلاحیتوں کے حامل ہیں۔ اگر تعلیمی میدان میں آگے بڑھنے کے مواقع حاصل ہوئے ہوتے تو یقیناً کسی اچھے منصب تک رسائی میں کامیاب ہوتے۔ بہ سلسلۂ ملازمت زیادہ تر قیام شاہ جہان پور میں رہا۔ سبک دوشی کے بعد اب سہسوان میں مقیم ہیں۔
شعر گوئی کی طرف ۱۹۵۵ء میں مائل ہوئے اور حضرتِ رازؔ احسنی سے فیضِ تلمذ

حاصل کیا۔ کلام میں پختہ مشقی کی کیفیت کے ساتھ فکری عنصر کی موجودگی توجہ طلب ہے:

ان چراغوں کو نہ دیں گے ہم اگر اپنا لہو   ہر اجالا ایک جھونکے میں ہوا ہو جائے گا

☆☆ ☆☆

ہم نے باندھے ہیں پیٹ پر پتھر   امتحاں کے وہ دن بھی آئے ہیں

☆☆ ☆☆

ان حدوں سے کہیں آگے ہے بشر کی منزل   جن حدوں میں پرِ جبریل بھی جل جاتے ہیں

☆☆ ☆☆

ہمارا خون بھی شامل ہے لالہ و گل میں   مگر فضائے چمن پھر بھی سازگار نہیں

☆☆ ☆☆

ہوئے دریا رواں ٹھوکر سے جس کی   وہی انسان اب پیاسا بہت ہے

☆☆ ☆☆

اپنے اخلاق و محبت سے، رواداری سے   ہم کو نفرت کا یہ ماحول بدلنا ہوگا
گردشِ شام و سحر لوگ جسے کہتے ہیں   وہ ترے رخ پہ تری زلف کا سایا ہوگا

(۱۱) اسعدؔ، اسعد احمد : جدید لب و لہجے کے منفرد غزل گو اسعد احمد اسعدؔ اگر چہ اسعدؔ بدایونی کے نام سے معروف ہیں لیکن سہسوان سے بھی انھیں قریبی نسبت حاصل ہے۔ انھوں نے ۳/ اگست ۱۹۵۷ء کو اسی بستی میں آنکھ کھولی۔ ان کی والدہ منشی زاہد حسین قریشی ساکن چودھری محلہ سہسوان کی صاحبزادی اور معروف شاعر توصیف تبسم کی بھانجی ہیں جب کہ ان کے والد حاجی محمد احمد مرحوم کا وطنی تعلق بدایوں سے تھا۔ اسعدؔ کی ولادت کے زمانے میں ان کے والد کا قیام اپنے کاروبار کے سلسلے میں زیادہ تر سہسوان ہی میں رہتا تھا۔ چنانچہ اسعدؔ کا بچپن یہیں گذرا اور انھوں نے ابتدائی تعلیم مدرسۂ اسلامیہ، ملا ٹولہ میں حاصل کی۔ عمر کے آٹھویں سال میں بدایوں منتقل ہوئے اور آئندہ تعلیمی مراحل وہیں طے کر کے ۱۹۷۶ء میں حافظ صدیق اسلامیہ انٹر کالج سے ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا۔ بعد ازاں وہ علی گڑھ چلے گئے جہاں

سے ۱۹۸۰ء میں بی.اے اور ۱۹۸۲ء میں ایم.اے. کی ڈگریاں حاصل کیں۔ اگست ۱۹۸۷ء میں یونیورسٹی اسکول میں جمع ۲ اسکیم کے تحت اردو کے استاد مقرر ہوئے۔ اس ملازمت کے دوران انھوں نے ''بیخود بدایونی - حیات و خدمات'' کے موضوع پر مقالہ لکھ کر پی ،ایچ .ڈی. کی ڈگری بھی حاصل کر لی۔ ۱۹۹۲ء میں شعبۂ اردو میں بہ حیثیت لیکچرران کا تقرر ہو گیا۔ ابھی ترقی کی کوئی اگلی منزل طے نہ کر پائے تھے کہ وقتِ موعود آ پہنچا اور ۵/مارچ ۲۰۰۳ء کو وہ ہمیشہ کے لیے ہم سے جدا ہو گئے۔ انتقال علی گڑھ میں ہوا۔ تدفین اگلے روز بدایوں میں ہوئی۔

اسعدؔ فطری شاعر تھے، چنانچہ انھوں نے کم عمری ہی میں شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ ان کا پہلا مجموعۂ کلام ''گلِ رنگیں'' جو صرف سولہ صفحات پر مشتمل تھا، ۱۹۷۲ء میں شائع ہوا تھا، جب کہ وہ اپنی عمر کے پندرھویں سال میں تھے۔ شروع میں انھوں نے کچھ دنوں تک پیامؔ ککرالوی ثم بدایونی سے اصلاح لی۔ بعد میں جب مشق کسی قدر پختہ ہو گئی اور علی گڑھ میں قیام کا دور شروع ہوا تو شاگردی واستادی کا یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔

اسعدؔ کا دوسرا مجموعہ ''دھوپ کی سرحد'' ۱۹۷۷ء میں، تیسرا ،مجموعہ ''خیمۂ خواب'' ۱۹۸۴ء میں اور چوتھا مجموعہ ''جنوں کنارا'' ۱۹۹۲ء میں منظرِ عام پر آیا۔ پانچواں مجموعہ ''ورائے شعر'' نومبر ۲۰۰۰ء سے پہلے مرتب ہو چکا تھا لیکن یہ ان کی زندگی میں شائع نہیں ہو سکا۔ ان کے انتقال کے پانچ سال بعد ۲۰۰۸ء میں قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، نئی دہلی نے چند مستثنیات کو چھوڑ کر ان کا جملہ کلام رضوان الرضا رضوانؔ سے مرتب کرا کے ''کلیاتِ اسعد بدایونی'' کے نام سے شائع کر دیا ہے۔ نمونے کے طور پر چند شعر یہاں درج کیے جاتے ہیں:

نگاہ جس سے نہ وابستگاں کی نیچی ہو ۔۔۔ میں اتنا رزق کمانے کی دھن میں رہتا ہوں

یہ لوگ کیوں مری آوارگی سے شاکی ہیں ۔۔۔ میں اپنے خواب بچانے کی دھن میں رہتا ہوں

☆☆ ☆☆

یقیں دلا کے مجھے لے چلے ہیں مقتل کو ۔۔۔ ستم گراں کہ نہیں اب ستم نہیں ہوگا

☆☆ ☆☆

مری انا مرے دشمن کو تازیانہ ہے ۔۔۔ اسی چراغ سے روشن غریب خانہ ہے

☆☆ ☆☆

ہر سیہ رات میں روشن تھا مری جاں کا چراغ ہر چمکتے ہوئے ذرّے میں نشاں میرا تھا

☆☆ ☆☆

جو بے ہنر تھے وہ دریا کے پار اتر بھی گئے عصا جو رکھتے تھے وہ نیل تک نہیں پہنچے

☆☆ ☆☆

سپاہِ مکر و ریا ساحلوں پہ خیمہ زن غریقِ دجلۂ خوں ہیں شجاعتیں ساری

☆☆ ☆☆

کبھی موجِ خواب میں کھو گیا، کبھی تھک کے ریت پہ سو گیا یوں ہی عمر ساری گذار دی فقط آرزوے وصال میں

میں ابرِ وصال میں بھیگ چکا، میں ہجر کی آگ میں راکھ ہوا دل دریا اب بھی جوش میں ہے، عالم ہے وہی طغیانی کا

☆☆ ☆☆

ہنر تمام یہاں زنگ آشنا ہیں میاں! کلیدِ زر سے کھلے گا، یہ بابِ دنیا ہے

☆☆ ☆☆

میں نے سمجھا تھا مکمل ہوئی خوابوں کی کتاب دفعتاً ایک نئے باب کا آغاز ہوا

☆☆ ☆☆

میں بہ ظاہر تو اجالوں میں بسر کرتا ہوں اک پر اسرار سیاہی مرے اندر کیوں ہے؟

کشتیاں ڈوب چکیں، سر پھرے غرقاب ہوئے مشتعل اب بھی اسی طرح سمندر کیوں ہے؟

(۱۲) **اشکؔ، ابوالوصف محمد عبدالعلی** : اشکؔ کے جدِّ امجد ۱۸۰۰ء میں شاہ جہان پور سے ترکِ وطن کر کے سہسوان میں آباد ہوئے تھے۔ آپ کی ولادت یہیں ۱۸۸۵ء کے آس پاس ہوئی۔ قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ایک ذی علم اور خوش ذوق انسان تھے اور چودھری محلّے کے ان نمایاں لوگوں میں سے تھے جن سے اس زمانے میں وہاں کی مجلسی زندگی کا بھرم قائم تھا۔ نذر الحسن رازؔ احسنی، فضیل احمد سائلؔ اور اقبال احمد شوقؔ جیسے سرکردہ شعرا آپ ہی کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی کی بدولت اس دور کے ادبی منظر نامے

پر نمایاں ہوئے اور شعر گوئی کی ایک پختہ روایت کے امین بنے۔ آبر احسنی گنوری نے بھی ابتدا میں کچھ دنوں تک آپ سے اصلاح لی تھی۔

اشکؔ کو شعر و ادب کے علاوہ سیاست سے بھی دلچسپی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ وہ ایک اچھے مقرر بھی تھے۔ چنانچہ تحریکِ خلافت کے زمانے میں وہ اس کی سرگرمیوں میں پیش پیش رہے۔ انھوں نے ''عبدالعلی پریس'' کے نام سے اپنے محلّے ہی میں ایک مطبع بھی قائم کیا تھا جس کی چھپی ہوئی ایک کتاب ''بیانِ تاش و شطرنج'' مصنفہ منشی محمد فاخر حسین فاخرؔ سہسوانی ہمارے پیشِ نظر ہے۔ یہ ۱۳۳۲ء (۱۹۱۴ء) کی مطبوعہ ہے اور کتابت و طباعت کا نہایت معیاری نمونہ قرار دی جاسکتی ہے۔ اشکؔ کی سیاسی سرگرمیوں کی پاداش میں ۱۹۱۹ء میں ان کا یہ مطبع پریس ایکٹ کے تحت بہ حقِ سرکار ضبط کر کے نیلام کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ انھیں ایک ماہ کی سزا بھی کاٹنی پڑی۔

اشکؔ نے صرف اڑتیس سال کی عمر پائی۔ ۱۹۲۳ء میں مظفر نگر میں جہاں وہ اپنے کسی عزیز کے پاس مقیم تھے، بہ مرضِ استسقا ان کا انتقال ہوا۔ وہیں پولس لائن کے قبرستان میں دفن ہیں۔

سعید زبیری نے ''تذکرۂ نامورانِ سہسوان'' میں مجملاً اشکؔ کا ذکر تو کیا ہے لیکن ان کے کلام کے بارے میں لکھا ہے کہ دستیاب نہ ہوسکا۔ حسنِ اتفاق سے ان کی تین غزلیں راقم کی ایک بیاض میں محفوظ ہیں۔ ۱۹۵۳ء میں جب راقم اپنے ذوق کی تسکین کی خاطر شعرائے سہسوان کا نایاب کلام جمع کر رہا تھا، یہ غزلیں جناب اقبال احمد شوقؔ کی زبانی سن کر اس بیاض میں قلمبند کر لی تھیں اور اب بہ نظرِ تحفظ سطورِ ذیل میں نقل کی جارہی ہیں:

درِ شہوار ہوگا قطرہ قطرہ چشمِ گریاں کا
ترشّح ہو رہا ہے یاں صدف سے ابرِ نیساں کا

قیامِ حشر سے منظور کیا ہے ذاتِ باری کو
ملانا ہے فقط مقصود اجزائے پریشاں کا

شبِ خلوت وہ گل ساغر بہ کف ہے، کیا کروں اے دل!
مجھے کچھ حسرتوں کا پاس ہے، کچھ اپنے ایماں کا

وہ تجھ بے درد کا بے اعتنائی سے چھڑا جانا
وہ مجھ مایوس کا حسرت سے تکنا تیرے داماں کا

ٹھہرتا ہے لہو جب اشکؔ بہہ کر دیدۂ تر سے
گماں ہوتا ہے دامانِ مژہ پر بھی گلستاں کا

☆☆☆☆

مردمِ چشم میں جلوہ ترا اے جاں! ہونا　　ایک ذرّے میں ہے خورشید کا تاباں ہونا
ہے یہ نظّارہ جنوں خیز، خدا خیر کرے　　دیکھتے ہیں وہ مرا چاک گریباں ہونا
زندگی سے ہے زیادہ مجھے مرنے کی خوشی　　کہ وہ خود دیکھ رہے ہیں مرا بے جاں ہونا
بے قراری! مری کچھ تو ہی تسلّی کرنا　　بے کسی! تو بھی شریکِ غمِ ہجراں ہونا
ثمرۂ عشق و محبت غمِ ہجراں کھانا　　حاصلِ جوشِ جنوں چاک گریباں ہونا
دل کی لذّت، خلشِ ناوکِ مژگاں پانا　　عشرتِ زخمِ جگر سوزشِ پنہاں ہونا
ایسا جی کھول کے چھڑکا ہے نمک قاتل نے　　اشک ہر زخم سے ٹپکے ہے نمک داں ہونا

☆☆☆☆

ذبح یوں کشتۂ اندازِ نظر ہوتا ہے　　سر پہ شمشیر تو شمشیر پہ سر ہوتا ہے
سحر میں چشمِ فسوں ساز ہی مخصوص نہیں　　ان کی باتوں میں بھی جادو کا اثر ہوتا ہے
جاں لرز جاتی ہے جب سوزشِ غم بڑھتی ہے　　دل تڑپ جاتا ہے جب دردِ جگر ہوتا ہے
آبرو پاتا ہے ہر فرد مقیّد ہوکر　　قطرہ پابندِ صدف ہوکے گہر ہوتا ہے
گو جگر دور ہے دزیدہ نظر کی زد سے　　پر یہ وہ تیر ہے جس تیر میں پر ہوتا ہے
وہ جنازے پہ مرے پوچھ رہے ہیں سب سے　　کیا یوں ہی بے سر و سامان سفر ہوتا ہے؟
رتبۂ اشک نہ کیوں دُر سے سوا چشم میں ہو　　آنکھ سے گر کے تو ہم رنگ گہر ہوتا ہے

مندرجہ ذیل دو شعر حضورؔ سہسوانی کے توسط سے دستیاب ہوئے ہیں:

شادی و غم اک فریبِ ہستیِ موہوم ہے　　جس سے محسوساتِ عاشق کا جہاں محروم ہے

☆☆ ☆☆
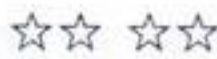
نہ کی وہ بات جس سے سختیاں سہتے رقیبوں کی　　سلامت ہم رہے بتّیس دانتوں میں زباں ہوکر

(۱۳) اطہرؔ، سید عبدالقدوس نقوی : آپ مشہور اہلِ حدیث عالم مولانا

سید تقریظ احمد (متوفّی ۲۹ ستمبر ۱۹۷۱ء) کے صاحبزادے ہیں۔ ۱۹۳۵ء میں سہسوان میں پیدا ہوئے۔ وہیں ابتدائی تعلیم بھی پائی۔ اس کے بعد مراد آباد میں اپنے تایا مولوی محمد عزیر کے پاس رہ کر آئندہ سلسلۂ تعلیم جاری رکھا۔ ۱۹۵۰ء میں وہاں سے اپنے والدِ محترم کے پاس دہلی چلے گئے۔ تب سے مستقلاً وہیں قیام پذیر ہیں۔ ۱۹۵۳ء میں پنجاب یونیورسٹی، چندی گڑھ سے ادیب فاضل (اردو آنرز) کا امتحان فرسٹ ڈویژن اور فرسٹ پوزیشن کے ساتھ پاس کیا۔ بعدازاں تھوڑے تھوڑے وقفے سے مختلف درمیانی مراحل طے کر کے ۱۹۶۵ء میں دہلی یونیورسٹی سے فارسی میں ایم۔اے کی ڈگری حاصل کی اور ادیب فاضل کی طرح یہاں بھی فرسٹ ڈویژن کے ساتھ فرسٹ پوزیشن کا امتیاز برقرار رکھا۔ اس کے علاوہ آپ نے لائبریری سائنس میں بھی پوسٹ گریجویٹ ڈگری حاصل کی ہے۔ ۱۹۵۸ء میں دہلی میونسپل کارپوریشن میں ملازم ہوئے اور مسلسل ۳۵ سال تک مختلف عہدوں پر کام کر کے ۱۹۹۳ء میں محکمۂ پراپرٹی ٹیکسز میں ڈپٹی اسیسر و کلکٹر کے منصب سے ریٹائر ہوئے۔

اطہر ادب کے ساتھ ساتھ صحافت سے بھی دلچسپی رکھتے ہیں۔ پندرہ روزہ ''ترجمان''، ماہ نامہ ''التوعیہ'' اور سہ ماہی ''احتساب'' سے مستقل قلمی رابطے کے علاوہ بعض دوسرے معاصر رسائل و اخبارات میں بھی ان کے مضامین و مراسلات کی اشاعت ان کے اس دوگونہ تعلقِ خاطر پر دلالت کرتی ہے۔ اردو و فارسی نظم میں ان کے رشحاتِ قلم ان کے تخلص بہ شمولِ نقوی کے حوالے سے اور اردو نثر میں ان کی تحریریں ''ابن احمد نقوی'' کے قلمی نام سے شائع ہوتی ہیں۔ انگریزی میں یہ حوالہ اے۔ کیو۔ نقوی کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

شاعری میں اطہر کا رجحانِ طبع مکمل طور پر نظم نگاری کی طرف ہے چنانچہ اب تک ان کی نظموں کے مندرجہ ذیل پانچ مجموعے شائع ہو چکے ہیں:

(۱) جواں تھا ابھی عارف : جواں مرگ بیٹے عارف کے حادثۂ وفات سے متعلق نظمیں (دسمبر ۱۹۹۴ء)

(۲) نہضتِ حق : تحریکِ اہلِ حدیث کی منظوم تاریخ (۱۹۹۸ء)

(۳) دیارِ حرم : حج کا منظوم سفرنامہ (فروری ۲۰۰۰ء)

(۴) شعلۂ احساس : متفرق موضوعات پر لکھی گئی نظمیں (۲۰۰۰ء)

(۵) چراغِ منزل : اکابر علما کے ارتحال پر کہی گئی نظمیں

منظومات کے ان مجموعوں کے علاوہ ''فکرِ اقبال'' کے نام سے اقبالؔ کی فارسی شاعری پر آپ کی ایک مبسوط تصنیف بھی نومبر ۲۰۰۷ء میں ادارۂ تحقیقات ونشریاتِ اسلامی، جامعہ عالیہ عربیہ، مئو ناتھ بھنجن کی طرف سے شائع ہو چکی ہے۔ یہاں ان کے نمونۂ کلام کے طور پر دو نظموں کے اقتباسات پیش کیے جا رہے ہیں۔ پہلے اقتباس کا تعلق ایک جواں مرگ عزیزِ قریب ڈاکٹر سید شریف الحسن نقوی کے مرثیے سے ہے جو ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ دوسرا اقتباس ''شعلۂ احساس'' میں شامل ایک نظم ''نہرو-نقیبِ امن'' سے ماخوذ ہے:

ہر آنکھ تیرے غم میں ہے گریاں، کہاں ہے تو؟ ماتم کدہ ہے سارا سہسواں، کہاں ہے تو؟

پھیلی ہوئی ہے آج ہر اک سمت تیرگی اے زندگی کی شمعِ فروزاں! کہاں ہے تو؟

تیرے بغیر چوک کی مسجد اداس ہے اے زندہ دارِ جذبۂ ایماں! کہاں ہے تو؟

مرنے سے تیرے کتنے ہی بے موت مر گئے اے چارہ سازِ دردِ غریباں! کہاں ہے تو؟

یعقوب وار باپ کی آنکھیں ہیں اشک بار جانِ قرار، یوسفِ کنعاں! کہاں ہے تو؟

ماں کے لیے تو اور بھی یہ غم ہے جاں گداز آ، دیکھ اس کا حالِ پریشاں، کہاں ہے تو؟

جس کا سہاگ دستِ اجل لوٹ لے گیا کیسے ہو اس کے درد کا درماں، کہاں ہے تو؟

☆☆☆☆

پیکرِ عظمتِ جاوداں

جانِ امن واماں

نازِ پروردۂ خاکِ ہندوستاں

قائدِ حریت، روحِ جمہوریت

جس کی عظمت کے چرچے کراں تا کراں

جس کی ہستی پہ نازاں تھا سارا جہاں

اس کی آواز اک نعرۂ امن تھی

ایک گہرے تیقن میں ڈوبی ہوئی
روحِ انساں کے تاروں کو چھوتی ہوئی
جنگ بازوں کے خونی عزائم کو پامال کرتی ہوئی
مدتوں اس جہاں کے اندھیرے افق پر ستارے کی مانند روشن رہی
امن کے قافلوں کے لیے رہ نما
زخمی انسانیت کے لیے آسرا
اس صدی کا وہ پیغمبرِ امن تھا

(۱۴) اظہارؔ، منشی اظہار حسین : منشی انوار حسین تسلیم کے حقیقی چچازاد بھائی اور شاگرد تھے۔ والد کا نام محمد صدر الدین تھا۔ اظہار حسین غالباً آپ کا تاریخی نام تھا۔ اگر یہ قیاس صحیح ہے تو آپ کی ولادت ۱۲۳۵ھ (۲۰-۱۸۱۹ء) میں ہوئی ہوگی۔ ''نامۂ عشاق'' مطبوعہ ۱۸۸۰ء کی تقریظ ریختۂ قلمِ میر غلام شبیر رضیؔ الہ آبادی، وارِدِ مراد آباد سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ قریب ہی میں اظہارؔ کی وفات ہوئی تھی۔ اس سے زیادہ آپ کے بارے کچھ اور معلومات حاصل نہیں ہوسکی۔ نمونۂ کلام کے طور پر صرف ایک غزل اور دو قطعاتِ تاریخ دستیاب ہیں۔ غزل لکھنؤ کے ایک خاص طرحی مشاعرے کے لیے کہی گئی تھی جو غالبؔ کے مشہور شاگرد میاں داد خاں سیاحؔ کی آمد کے موقعے پر شنبہ، ۲۱ رجب ۱۲۸۸ھ (۷؍اکتوبر ۱۸۷۱ء) کو جلسۂ تہذیب واقع چوک کے زیرِ اہتمام منعقد ہوا تھا۔ اس مشاعرے کی غزلوں کے گلدستے ''سیرِ سیاح'' کے حوالے سے اس کے چند شعر سطورِ ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

منظور آج طبع کا ہے امتحاں مجھے ورنہ تھی نظمِ شعر کی فرصت کہاں مجھے
دن بھر ہے کام آئنہ رویوں کے ذکر سے حیراں بہت کرے گا یہ میرا بیاں مجھے
لیتا ہے دل میں چٹکیاں سوفار کا خیال جس دم کہ گدگداتی ہے نوکِ سناں مجھے
مانندِ شمع پھونکتی ہے جلنؔ شانہ، گویا زبانِ شمع ہے میری زباں مجھے
اسلام سے غرض ہے نہ مطلب ہے کفر سے ناقوس منہ لگا، نہ خوش آئی اذاں مجھے

روشن کریں گے گور کو میری چراغِ داغ مشعل دکھائے گا مرا سوزِ نہاں مجھے

اظہآر مجھ کو فخر ہے تسلیم کے سبب

''اس مہر نے زمیں سے کیا آسماں مجھے''

قطعۂ تاریخِ اجرائے ''اودھ اخبار'' بہ ترتیبِ جدید بہ آغازِ سنہ ۱۸۷۲ء

اخبارِ شروعِ سال، امسال یک یارِ جدید ہست بے مثل

اظہآر نوشت سالِ تاریخ اخبارِ جدید ہست بے مثل

۱۸۷۲ء

اس غزل اور قطعۂ تاریخ کی روشنی میں قرینِ قیاس یہ ہے کہ اظہآر اس زمانے میں لکھنؤ ہی میں مقیم ہوں گے۔

(۱۵) اظہآر، سید محمد عبدالحی : ''تذکرۂ شعرائے بدایوں'' کے مولف نے ''تذکرۂ فروغِ وطن'' (قلمی) کے حوالے سے آپ کے بارے میں لکھا ہے:

''سید محمد عبدالحی سہسوانی (بدایونی) شاگردِ مرزا عاشق حسین بزمؔ اکبر آبادی، حالات کی تفصیل معلوم نہیں ہوسکی۔''

نمونۂ کلام :

ہم اس خطا پہ ترستے ہیں گلستاں کے لیے کہ چار تنکے اٹھائے تھے آشیاں کے لیے

(۱۶) افروز، مظفر سعید : آپ سہسوان کے معروف شاعر بلکہ استاد الشعرا جناب اقبال احمد شوقؔ کے فرزندِ ارجمند ہیں۔ ۳/جون ۱۹۵۳ء کو سہسوان میں پیدا ہوئے۔ ایم.اے. اور ایل.ایل.بی. کی ڈگریاں حاصل کرکے ایک کامیاب وکیل کی حیثیت سے زندگی گذار رہے ہیں۔ ۱۹۷۵ء میں شعرگوئی کی طرف راغب ہوئے ابتدا میں تہذیبؔ سہسوانی سے اصلاح لی۔ بعد ازاں عبیدؔ سہسوانی اور اخلاقؔ سہسوانی سے استفادہ کیا۔ آخر میں پیامؔ ککرالوی سے بھی کچھ دنوں تک مشورۂ سخن کرتے رہے۔ پختہ مشقی کے دور میں داخل ہونے کے بعد سے

آزادانہ فکرِ سخن میں مصروف ہیں۔ کلام کا نمونہ درجِ ذیل ہے:

خواب کی سچائیوں پر تبصرہ ہونے کو ہے
بے سبب ہی ذہن و دل میں معرکہ ہونے کو ہے

خوفِ نامعلوم سے لرزاں ہوئے ہیں جسم و جاں
عالمِ امکاں میں کوئی حادثہ ہونے کو ہے

اے خدا بس رحم فرما، رحم کے قابل ہیں ہم
بادبانوں سے ہوا کا مشورہ ہونے کو ہے

اب ہوائیں میری سانسوں کو بھی مہکانے لگیں
پھول سے چہرے کا شاید تذکرہ ہونے کو ہے

☆☆☆☆

قید کر لیجیے آنکھوں میں سہانے منظر
اس بدلتے ہوئے موسم کا بھروسا کیا ہے

گر فضاؤں میں نہیں اس کے بدن کی خوشبو
میری سانسوں میں شب و روز مہکتا کیا ہے

ہم کہ مرنے کا ہنر بھول گئے ہیں افروزؔ
یہ بھی کم یاد ہے، جینے کا سلیقہ کیا ہے

☆☆☆☆

محبت کم نہیں ہے اس سے لیکن
مصیبت بس وہی اظہار کی ہے

ہوا کو بھی طلب ہے پیرہن کی
مری چادر کے پیچھے پڑ گئی ہے

(۱۷) افسرؔ، حکیم سید محمود حسن : آپ حکیم سید احمد حسن فداؔ مودودی سہسوانی شاگردِ غالبؔ کے صاحبزادے تھے۔ چہار شنبہ، ۱۴ر محرم الحرام ۱۲۹۱ھ (۴ر مارچ ۱۸۷۴ء) کو بڑودے میں پیدا ہوئے۔ مروجہ درسیات کی تحصیل کے بعد والد کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے فنِ طب کی تعلیم حاصل کی اور ایک کامیاب طبیب کی حیثیت سے زندگی گذاری۔ طب کی طرح شاعری بھی انھیں اپنے والد سے ورثے میں ملی۔ شروع میں کچھ دنوں تک جلالؔ لکھنوی سے اصلاح لی۔ اس کے بعد والد کے حسبِ مشورہ مرزا ذاکر حسین یاسؔ لکھنوی سے استفادہ کرنے لگے۔ آخر میں کچھ دنوں تک مولانا نجم الدین ثاقبؔ بدایونی سے بھی مشورۂ سخن کیا۔ رفتہ رفتہ خود استادی کے درجے پر فائز ہوئے اور شاگردوں کا ایک وسیع حلقہ آپ کے گرد جمع ہو گیا۔ اس طرح بڑودے میں اردو زبان کے فروغ اور مشاعروں کی گرم بازاری میں آپ کی کوششیں کافی بارآور ثابت ہوئیں۔ سہسوان اور اہلِ سہسوان سے اپنے والد کی

طرح آپ نے بھی عزیزانہ رابطہ قائم رکھا۔ تقریباً پچھتر سال کی عمر میں جمعہ، ۲۴؍دسمبر ۱۹۴۸ء کو بہ عارضۂ فالج بڑودے ہی میں آپ کا انتقال ہوا۔ مالک رام کی اطلاع کے مطابق آپ کا دیوان ۱۹۸۳ء میں مدراس سے شائع ہو چکا ہے۔

پند ہے آپ کی اے حضرتِ ناصح بے سود　　یاں تو قابو ہی میں کم بخت نہیں دل اپنا

☆☆ ☆☆

ضد ہر اک بات میں اچھی نہیں ہوتی دیکھو　　اپنے عاشق کا کہا مان لیا کرتے ہیں

☆☆ ☆☆

دل لے گیا باتوں میں اڑا کر کوئی افسرؔ　　ہے دھیان کہاں، آپ کدھر دیکھ رہے ہیں؟

☆☆ ☆☆

جگر پہ ہاتھ دھرے پھرتے آپ بھی ناصح!　　جو آپ کو کسی دلبر کی آرزو ہوتی

☆☆ ☆☆

دل وہ کیا ہے کہ نہ ہو جس میں محبت تیری　　سر وہ کس کام کا، جس میں نہ ہو سودا تیرا

☆☆ ☆☆

کیا اس کے پیچ ناخنِ تدبیر سے کھلیں　　تقدیر میں ہیں زلفِ گرہ گیر کے خواص
بے تاب میرے دل کی طرح ہے نگاہِ یار　　صیاد میں بھی آ گئے نخچیر کے خواص
جھوٹی شراب اس لیے دیتا نہیں اسے　　واعظ اڑا نہ لے مری تقریر کے خواص
کیوں خاک چھانتے ہیں زمانے کی بوالہوس　　ہیں خاکِ کوے یار میں اکسیر کے خواص

(۱۸) انجمؔ، مرزا عبدالشفیق بیگ : آپ کے والد کا اسم گرامی مرزا عبدالجمیل بیگ تھا جو محلّہ دہلیز کے باشندے اور سہسوان کی تہذیبی و مجلسی زندگی کے نمائندہ افراد میں سے تھے۔ مرزا شفیق بیگ کی ولادت ان کے ہائی اسکول کے سرٹیفکٹ کے مطابق ۷؍فروری ۱۹۳۳ء کو سہسوان میں ہوئی۔ ابتدائی درجات کی تعلیم کے مراحل آپ نے اوائلِ عمری ہی سے اپنے پھوپا داروغہ مظفر حسین کے ساتھ رہنے کی بنا پر یو۔پی کے مختلف شہروں میں طے

کیے۔ ۱۹۴۶ء میں گورنمنٹ ہائی اسکول فتح گڑھ، ضلع فرخ آباد سے ہائی اسکول اور ۱۹۴۸ء میں بریلی کالج، بریلی سے انٹر پاس کرنے کے بعد آپ نے علی گڑھ کا رخ کیا اور وہاں سے ۱۹۵۲ء میں سیاسیات میں ایم.اے. اور ایل، ایل. بی. کی ڈگریاں حاصل کر کے تکمیلِ علم کے درجے پر فائز ہوئے۔ ۱۹۵۷ء میں علی گڑھ ہی میں بہ طور لیکچرر آپ کا تقرر ہو گیا۔ دورانِ ملازمت آپ نے ۱۹۶۳ء میں کیلیفورنیا یونیورسٹی (یو.ایس.اے) سے سیاسیات ہی میں ایم.اے. کی دوسری ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۹۳ء میں بہ حیثیت پروفیسر ملازمت سے سبک دوش ہوئے۔

شعر گوئی کی ابتدا سنِ شعور کو پہنچنے کے ساتھ ہی ہو گئی تھی۔ علی گڑھ کی طالب علمی کے زمانے میں آپ کی تین نظمیں ''سرسید''، ''علی گڑھ'' اور ''علی گڑھ کی نمائش'' طلبہ کے درمیان بے حد مقبول ہوئیں اور ادبی حلقے میں آپ کے تعارف کا سبب بنیں۔ بعد کے دور میں فکرِ شعر سے شغف کی یہ کیفیت کسی قدر دھیمی پڑ گئی لیکن ترکِ سخن کی نوبت بہر حال نہیں آئی۔ ''زحمتِ سفر'' کے نام سے ایک مختصر مجموعۂ کلام جنوری ۲۰۰۴ء میں ادارۂ تہذیبِ جدید، علی گڑھ کی طرف سے شائع ہو چکا ہے۔ کلام کی مجموعی کیفیت کا اندازہ مندرجہ ذیل اشعار سے کیا جا سکتا ہے:

زندگی آگ کا دریا ہوئی ثابت انجم — آدمی آگ کے دریا کا شناور نکلا

☆☆ ☆☆

ڈوبنے، سر پھوڑنے کو ہم ہوئے خانہ بدر — وائے قسمت، دور تک دریا نہ تھا، صحرا نہ تھا

کیا نصیبِ دشمناں کچھ ہو گیا ہے آپ کو — حال میرا آپ نے پہلے کبھی پوچھا نہ تھا

میری فطرت، میری قسمت، آپ رنجیدہ نہ ہوں — میری شوریدہ سری میں آپ کا حصہ نہ تھا

☆☆ ☆☆

لوٹ آئیں گے پھر بن کے غبارِ رہِ جاناں — ہم مر بھی اگر جائیں تو جائیں گے کہاں اور

☆☆ ☆☆

دشوارئ تلاش میں آیا ہے وہ مزا — جی چاہتا ہے صرف پتا پوچھتے پھریں

محوِ خرامِ ناز رہیں وہ چمن، چمن — ہم کو بہ کو مزاجِ صبا پوچھتے پھریں

☆☆ ☆☆

هم تہی دامن چلے تھے جانبِ منزل شفیقؔ ہر بلاے نا گہاں رختِ سفر ہوتی گئی

☆☆ ☆☆

عمر ساری کاٹ کر انجمؔ تلاشِ یار میں ہم نہ جانے کیوں خود اپنی جستجو کرنے لگے

☆☆ ☆☆

میں اختیارِ فکر و عمل مانگتا رہا قسمت سمٹ کے آگئی دستِ سوال میں

☆☆ ☆☆

آپ بدظن، ہم پریشاں، رہنے دیجے گفتگو آپ جانے کیا سمجھ لیں، ہم نہ جانیں کیا کہیں

(۱۹) انورؔ، حکیم ضمان الرحمٰن : ''تذکرۂ شعراے بدایوں'' کے مولف نے آپ کے بارے میں صرف اس قدر لکھا ہے:

''حکیم ضمان الرحمٰن سہسوانی (بدایونی) شاگردِ مولانا قمر الحسن قمرؔ بدایونی''

ہماری معلومات کے مطابق آپ حکیم عبدالرشید فاروقی متخلص بہ رشیدؔ وعشرتیؔ کے فرزندِ اکبر تھے۔''محمد ضمان الرحمٰن'' غالباً آپ کا تاریخی نام تھا۔ اگر ہمارا یہ قیاس صحیح ہے تو آپ کی ولادت ۱۳۱۲ھ (۹۵-۱۸۹۴ء) میں ہوئی ہوگی۔ آپ نے تعلیم کے ابتدائی مراحل اپنے والد کے زیرِ سایہ طے کیے۔ بعد ازاں دہلی جا کر فنِ طب کی تحصیل کی۔ سندِ فراغت حاصل کرنے کے بعد دہلی ہی میں مطب شروع کیا اور عمر بھر کے لیے وہیں کے ہو رہے۔ چنانچہ دہلی ہی میں آپ کا انتقال ہوا۔ سالِ وفات اور مزید حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ شہید حسین شہیدؔ نے آپ کے یہ چار اشعار نقل کیے ہیں:

مسل دو لے کے قلبِ عاشقِ دلگیر چٹکی میں لیے پھرتے ہو تم کس کے لیے یہ تیر چٹکی میں
دلِ نخچیر نوکِ تیر میں اور تیر چٹکی میں وہ مل کر پھینک دیں گے آج یہ نخچیر چٹکی میں
کیا ہے محویت نے نقش بر دیوار انورؔ کو ہجومِ شوق دل میں، گوشۂ تصویر چٹکی میں

☆☆☆☆
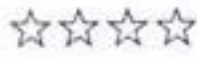
یہ تو ناممکن ہے سنگِ در سے اس کے سر اٹھے　　ہاں یہ ممکن ہے کہ سر کے ساتھ سنگِ در اٹھے

(۲۰) سید اولاد احمد : آپ سید آل احمد شاہؒ کے سب سے بڑے بیٹے اور راقم السطور کے پردادا تھے۔ ۱۲۳۱ھ (۱۸۱۶ء) کے آس پاس پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم سے فراغت کے بعد مرادآباد، رام پور اور لکھنؤ میں مختلف اساتذہ کے حلقۂ درس میں شامل ہو کر تکمیلِ علم کی۔ بعد ازاں نظامتِ سلطان پور کے تحت اودھ کے مختلف شہروں میں نائب تحصیل داری اور تحصیل داری کے فرائض بہ حسن و خوبی انجام دیے۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے تین چار سال بعد بدلے ہوئے حالات سے بد دل ہو کر ترکِ ملازمت کر کے سہسوان چلے آئے۔ ۱۲۸۱ھ (۱۸۶۴ء) میں بہ عمر پچاس سال یہیں آپ کا انتقال ہوا۔

مختلف ذرائع سے آپ کی جن تصانیف کا ہمیں علم ہو سکا ہے، ان میں (۱) مفتاح اللغات، (۲) ابتداء الصرف، (۳) شمس الضحیٰ اور (۴) شرحِ حسن و عشقِ نعمت خاں عالی شامل ہیں۔ غیر مطبوعہ تصانیف کا اب کوئی نام و نشان نہیں ملتا۔ رسالہ "شمس الضحیٰ"، مشتمل بر چہل درود شریف مصنفہ ۱۲۷۲ھ (۵۶-۱۸۵۵ء) مطبعِ مولوی مسیح الزماں میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔ اس کے عربی متن کا فارسی ترجمہ بین السطور میں اور منظوم اردو ترجمہ حاشیے پر درج ہے۔ اس منظوم ترجمے کی ابتدا میں فاضل مترجم نے ترجمے ہی کی بحر میں دو نعتیہ غزلیں بھی شاملِ کتاب کی ہیں۔ انھی غزلوں سے چند اشعار انتخاب کر کے سطورِ ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:

سہی سروِ ریاضِ بے مثالی　　قدِ رعنائے دل جوئے محمدؐ

نہ دیکھا ہو زمیں پر جس نے فردوس　　وہ آ کر دیکھ لے کوئے محمدؐ

کوئی پیدا ہوا ایسا نہ ہوگا　　عدیم المثل ہے خوئے محمدؐ

ہمیں ہے وہ جگہ محرابِ طاعت　　جہاں ہے ذکرِ ابروئے محمدؐ

☆☆ ☆☆
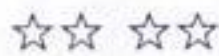
رخِ پر نور کا جلوہ دکھا دو　　مجھے تم اپنا دیوانہ بنا دو

میں کشتہ حسرتِ دیدار کا ہوں لبِ جاں بخش سے اپنے جِلا دو
رہوں جنت میں بھی قدموں کے نیچے مجھے رہنے کو اپنے پاس جا دو
مرا مدفن ہو نزدِ روضۂ پاک عزیزو! سب مجھے یہ ہی دعا دو

(۲۱) ایازؔ، محمد ایاز انصاری : محمد مقدس انصاری ساکنِ محلّہ شہباز پور کے بیٹے محمد ایاز انصاری ۱۵راپریل ۱۹۷۵ء کو پیدا ہوئے۔ مکتبی تعلیم سے فراغت کے بعد جامعۂ اردو، علی گڑھ سے ادیب کی سند حاصل کی اور گھڑیوں کے کاروبار کو ذریعۂ معاش بنایا۔ ۲۰۰۰ء میں شعر گوئی کی طرف راغب ہوئے تو اصلاحِ کلام کے لیے آل احمد ساحلؔ سہسوانی مقیمِ دھول پور (راجستھان) سے رجوع کیا۔ مشقِ سخن ابھی پختگی کی منزل تک نہیں پہنچی تھی کہ ۱۲رجون ۲۰۰۹ء کو صرف چونتیس سال کی عمر میں وقتِ موعود آپہنچا اور خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ نمونۂ کلام کے طور پر دو غزلوں کے چند اشعار درجِ ذیل ہیں:

چہرہ چھپا کے قتل تو وہ کر گیا مگر دامن سے کیسے خون کے دھبے مٹائے گا
پھر اس نگر میں ظلم کی آئی ہیں آندھیاں کیسے تو اب چراغ کو اپنے بچائے گا
ہیں زخم زخم آہ مرے دوستوں کے ہاتھ اب کون میری راہ میں کانٹے بچھائے گا
آنکھیں بھی خشک ہوگئیں رو رو کے اے ایازؔ اب کون میرے حال پہ آنسو بہائے گا

☆☆☆☆

یہ مرے پیار کی ضمانت ہے زندگی آپ کی امانت ہے
تم کو انصاف مل نہ پائے گا یہ تو نمرود کی عدالت ہے
نفرتوں نے بگاڑ دی ہے فضا جس طرف دیکھیے، قیامت ہے
غم کے بادل ہزار منڈلائیں مسکرانا ہماری عادت ہے

(۲۲) بسملؔ، مولوی پرورش علی : آپ میر شجاعت علی ہاشمی کے فرزندِ رشید تھے۔ صاحبِ ''حیات العلما'' کا قیاس ہے کہ آپ کی ولادت تیرھویں صدی ہجری کے وسط میں

ہوئی ہوگی۔ ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کی، بعدہٗ رام پور اور مراد آباد میں قیام کر کے علومِ متداولہ بالخصوص معقولات میں بہ قدرِ ضرورت استعداد بہم پہنچائی۔ علمِ فرائض اور فقہ آپ کے خصوصی مطالعے کے موضوعات تھے۔ درس وافتا وغیرہ کے سلسلے سے آپ کا قیام زیادہ تر علی گڑھ اور بلند شہر میں رہا۔ اسّی سال سے کچھ زیادہ عمر پا کر ۱۹۲۲ء کے بعد کسی وقت وفات پائی۔

مولوی صاحب موصوف کا اصل میدان مذہبیات تھا لیکن قدرت نے انھیں موزونیِ طبع کی نعمت بھی ودیعت کی تھی، اس لیے گاہ بہ گاہ اس سے بھی فائدہ اٹھا لیتے تھے۔ چنانچہ آپ نے ''کنز المصلّی'' کے نام سے ایک مختصر رسالہ تصنیف کیا تھا جس میں از روے فقہ فرائض وواجبات سے متعلق بنیادی معلومات یکجا کر دی گئی ہے۔ یہ رسالہ پہلی بار اپریل ۱۹۰۵ء میں مطبعِ اہلِ سنت و جماعت، بریلی میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔ دوسرا ایڈیشن مرحوم کے پوتے سید عبداللطیف نے ۱۹۷۳ء میں مسلم ایجوکیشنل پریس، علی گڑھ میں چھپوا کر شائع کیا۔ چونکہ اس تصنیف کا مقصد عوام کی اصلاح و تربیت تھا، اس لیے زبان انتہائی سادہ و سلیس اور اسلوب نہایت رواں دواں ہے۔ ابتدائی چند اشعار بہ طورِ نمونہ سطورِ ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

خدا کی ثنا اور صفت کر تمام — پڑھوں میں نبی پر درود و سلام
صفت پھر کروں آل و اصحاب کی — کہ تابع ہیں جن کے سبھی امّتی
ابوبکر صدّیق و عادل عمر — ہیں بعد ان کے عثماں، علی باخبر
یہ ہیں چار یارِ رسولِ خدا — کہ ہیں دین کی راہ کے پیشوا
یہ ہیں کعبۂ دین کے چار در — بہشتی ہیں چاروں زروے خبر
یہ دیں کی رباعی کے مصرعے ہیں چار — یہ چاروں ہیں مقبولِ پروردگار
پھرے ان سے جو کوئی، ہے وہ شقی — بلا ریب و شک جان اسے دوزخی
سنو مومنو! یہ بیاں دل سے تم — رکھو یادگار اس کو کبتّل سے تم

(۲۳) بےنوا، فقیر محمد : فرمود حسن کے بیٹے فقیر محمد مارچ ۱۹۵۶ء میں محلّہ کٹرہ میں پیدا ہوئے۔ مدارس سے بہ قدرِ ضرورت تعلیم حاصل کر کے امامت و مدرسی کو ذریعۂ

معاش بنایا اور ہنوز اسی پیشے سے وابستہ ہیں۔ شاعری کی جانب ۱۹۷۶ء میں راغب ہوئے۔ اس سلسلے میں اخلاقؔ سہسوانی اور ادیبؔ سہسوانی سے فیضِ تلمذ حاصل ہے۔ رجحانِ طبع مذہبی شاعری یعنی نعت ومنقبت کی جانب ہے۔ ''متاعِ فقیر'' کے نام سے ایک مجموعہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ کلام کا نمونہ یہ ہے:

ادا کیا شکر ہو سرکار کے لطف و عنایت کا
لقب پایا ہے ان کی ہی بدولت خیرِ امت کا

حقیقت ہے، ملا سرکار کے گھر سے سبق ہم کو
سخاوت کا، عدالت کا، صداقت کا، شجاعت کا

شبِ معراج پہنچے جس گھڑی وہ بیتِ اقصیٰ میں
شرف حاصل ہوا اس وقت نبیوں کی امامت کا

بلا کر عرش پر رب نے بڑھائی شانِ محبوبی
بھلا کوئی ٹھکانا ہے مرے آقا کی عظمت کا

☆☆☆☆

آپ پر، جو لوگ آئے سنگ برساتے ہوئے
آپ کو دیکھا انھی پر لطف فرماتے ہوئے

ان کی ہو جائے گی بخشش روزِ محشر بالیقیں
پیشِ رب جائیں گے جو آقا کے گن گاتے ہوئے

عشقِ احمد کی جو مستی میں سدا رہتے ہیں گم
وہ پئیں گے جامِ کوثر خوب، اتراتے ہوئے

(۲۴) پردیسیؔ، غلام قطب الدین برہمچاری : آپ مولانا حکیم سخاوت حسین انصاری کے فرزندِ اصغر تھے۔ آپ کی ولادت سہسوان میں ہوئی لیکن سالِ ولادت کسی جگہ مذکور نہیں۔ ابتدائی تعلیم اپنے والدِ مرحوم سے حاصل کی، بعد ازاں استاذ العلما مولانا محمد لطف اللہ، علی گڑھی کے حلقۂ درس میں شامل ہو کر مروّجہ علوم کی تکمیل کی۔ اس کے بعد بنارس میں طویل عرصے تک قیام کر کے وہاں کے پنڈتوں سے ہندو مذہب اور فلسفے کی تعلیمات پر عبور حاصل کیا۔ اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور غیر مسلم علما سے مباحثہ ومناظرہ آپ کی دلچسپی کے خاص موضوعات تھے، اس لیے عمر کا بڑا حصہ سیر وسفر میں گذرا۔ آخر عمر میں سہسوان چلے آئے تھے۔ یہیں ۱۸؍ رمضان المبارک ۱۳۵۰ھ (۲۷؍ جنوری ۱۹۳۲ء) کو آپ کا انتقال ہوا۔ کلام کا نمونہ درجِ ذیل ہے:

اس قادرِ مطلق کی قدرت کا تماشا ہوں
لو تم کو بتاتا ہوں، میں کون ہوں، میں کیا ہوں

غم بھی ہوں، مسرت بھی، عزت بھی ہوں، ذلت بھی   میں عالمِ فانی ہوں، بہتا ہوا دریا ہوں
آئینۂ وحدت ہوں، میں جلوۂ کثرت ہوں   ہیں لاکھ تمنائیں، تنہا ہوں، اکیلا ہوں
اثبات و نفی مجھ میں، اظہار و خفی مجھ میں   پوشیدہ ہوں، ظاہر ہوں، خاموش ہوں، گویا ہوں

اس عالمِ ہستی کی صرف اتنی ہی ہستی ہے
پردیسی ہوں پردیسی، پردیس میں رہتا ہوں

(۲۵) پیارے لال : پیارے لال موصوف منشی دیبی پرشاد سحؔر بدایونی کے دوستوں میں تھے۔ سحؔر کی تصنیف ''معیار البلاغت'' کے آخر میں ان کا کہا ہوا ایک قطعۂ تاریخ شامل ہے جو درجِ ذیل ہے:

جب عروض و قافیے میں یہ کتاب   میرے مشفق سحؔر نے تالیف کی
مصرعِ تاریخ ہاتف نے کہا   خوب ہے یہ سحر سازی سحؔر کی

۱۲۸۳ھ

''تذکرۂ غیر مسلم شعرائے بدایوں'' کے مولف نے غالباً اسی قطعے کے عنوان کی روشنی میں یہ اطلاع دی ہے کہ پیارے لال سہسوان کے رئیس اور قوم کے کائستھ تھے۔ اس سے زیادہ ان کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔

(۲۶) توصیف تبسم، : آپ کا اصل نام محمد احمد ہے لیکن توصیف تبسم کے قلمی نام سے معروف ہیں۔ والد کا اسم گرامی محمد عبداللطیف صدیقی تھا۔ ۳/اگست ۱۹۲۸ء کو سہسوان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم سہسوان اور دہلی میں ہوئی۔ ۱۹۴۵ء میں الہ آباد بورڈ سے ہائی اسکول پاس کیا۔ اسی سال آپ کے والد کا انتقال ہو گیا۔ چنانچہ آپ سلسلۂ تعلیم منقطع کر کے ۱۹۴۶ء میں دہلی میں ملازم ہو گئے۔ تقسیمِ ملک کے بعد ستمبر ۱۹۴۷ء میں ترکِ وطن کر کے پاکستان چلے گئے۔ وہاں دسمبر ۱۹۴۷ء سے اکتوبر ۱۹۶۲ء تک راول پنڈی میں ایم.ای.ایس. میں بہ طور کلرک و اسٹینوگرافر ملازمت کی۔ اس دوران سلسلۂ تعلیم بھی جاری رکھا اور ۱۹۶۲ء میں

ایم.اے. کرلیا۔ اس کے بعد گارڈن کالج، راول پنڈی میں اردو کے لیکچرر مقرر ہوئے۔ لیکچر شپ کے زمانے ہی میں منیرؔ شکوہ آبادی کی شخصیت اور شاعری پر تحقیقی مقالہ لکھ کر پی، ایچ.ڈی. کی ڈگری حاصل کی۔ گارڈن کالج سے ریٹائرمینٹ کے بعد کچھ دنوں تک کسی مقامی پرائیویٹ کالج سے وابستہ رہے۔ آج کل اسلام آباد میں خانہ نشینی کی زندگی گذار رہے ہیں۔

شعر گوئی کا آغاز پندرہ سولہ سال کی عمر میں ہوا۔ شروع میں رازؔ احسنی سے اصلاح لیتے رہے، لیکن سہوان سے ترکِ سکونت کی بنا پر یہ سلسلہ زیادہ عرصے تک قائم نہ رہ سکا۔ ہمارے علم واطلاع کے مطابق آپ کے کلام کے دو مجموعے ''سمندر اور آئینہ'' اور ''کوئی اور ستارہ'' کے ناموں سے شائع ہو چکے ہیں۔ آخرالذکر مجموعے پر اکادمی ادبیاتِ پاکستان نے ''بہترین شعری تخلیق'' کا علّامہ اقبال قومی ایوارڈ برائے ۹۶-۱۹۹۵ء عطا کیا تھا۔ آپ کا رنگِ سخن مندرجہ ذیل اشعار سے ظاہر ہے:

دل بیاضِ عمر کی اوراق گردانی میں ہے — کیا خبر ہے کون سا صفحہ کھلا رہ جائے گا

☆☆ ☆☆

نظر کے سامنے اک خواب کا سا منظر ہے — ہوا پکارتی ہے، دشت بولتا ہی نہیں

☆☆ ☆☆

بس ایک وہم ہیں ہم آسمان کے نیچے — بجز ہوا نہیں کچھ بھی حباب کے اندر

☆☆ ☆☆

تمھیں ہر اک سے شکایت سہی مگر توصیفؔ — بتاؤ، جی بھی سکو گے محبتوں کے بغیر

☆☆ ☆☆

ہم سے تکلیف کسی کی نہیں دیکھی جاتی — غیر کا دل بھی جو ٹوٹا تو ہمارا ٹوٹا

☆☆ ☆☆

میں اپنی موج میں ڈوبا ہوا جزیرہ ہوں — اتر گیا ہے سمندر بلند پا کے مجھے

☆☆ ☆☆

حسن ہے آپ ہی زندانیِ احساسِ جمال — کیسے نادان تھے، رسوا ہوئے ہم شہر بہ شہر

☆☆ ☆☆

ہمارے بعد کوئی آنکھ نم ہوئی کہ نہیں　　جو ہو سکے تو یہ منظر بھی دیکھ کر جائیں

☆☆ ☆☆

قدم نہ رکھ سکا باہر حصارِ ذات سے میں　　کھلا کہ میں ہی یہاں اک طلسمِ بے در تھا

☆☆ ☆☆

زمین سر کے جگہ سے کہ آسماں ٹوٹے　　طلسمِ جاں سے نکلنے کی کوئی صورت ہو

(۲۷) جاویؔد، کنور جاوید : بنے علی عادلؔ کے صاحبزادے ہیں۔ اصل نام قمر جاوید ہے مگر اب عام طور پر کنور جاوید کے نام سے پہچانے جاتے ہیں اور مشاعروں کے معروف شاعر ہیں۔ ایم۔اے۔ اور ایل، ایل۔ بی۔ کی ڈگریاں حاصل کر کے تعلیمی بنیاد بھی پختہ کر چکے ہیں۔ ولادت یکم جولائی ۱۹۶۴ء کو سہسوان میں ہوئی لیکن اب کوٹہ (راجستھان) میں مستقل سکونت اختیار کر لی ہے۔ ۱۹۸۴ء سے شعر کہہ رہے ہیں اور اس میدان میں اپنے والد سے مستفیض ہیں۔ تین قطعات جو اخلاقؔ صاحب نے حالیہ قیامِ سہسوان کے دوران ان سے حاصل کر کے ہمیں ارسال کیے ہیں، درج ذیل ہیں:

کاغذی پھولوں میں خوشبو تو نہیں آتی ہے　　عطر جب ان پہ چھڑک دو تو مہک جاتے ہیں
تم اگر قیمتی ہیرا ہو تو راتوں میں ملو　　دھوپ میں کانچ کے ٹکڑے بھی چمک جاتے ہیں

☆☆☆☆

ہم اپنی آنکھوں کو گنگ و جمن سمجھتے ہیں　　تو ذرّے ذرّے کو کھلتا چمن سمجھتے ہیں
کوئی ہماری طرف آنکھ کیا اٹھائے گا　　ہم اپنے جسم کو اپنا کفن سمجھتے ہیں

☆☆☆☆

ہمیشہ اپنے لہو سے زمین سینچتے تھے　　تو پت جھڑوں پہ بھی بن کر بہار آئے ہیں
دیے سے شہر جلاتے ہیں آج کل کچھ لوگ　　بزرگوں نے تو دیے سے دیے جلائے ہیں

(۲۸) جگ موہن لال : جگ موہن لال جی شاعر تھے مگر تخلص کے گنہگار نہ تھے۔ موصوف ۱۰ر جولائی ۱۹۳۴ء کو قصبہ سید پور ضلع بدایوں کے ایک اردو دوست زمیں دار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام لالہ رام سروپ تھا۔ ۱۹۵۳ء میں بریلی سے ٹیچرز ٹریننگ کا سرٹیفکٹ حاصل کر کے سہسوان کے پنا لال میونسپل ہائی اسکول میں ملازم ہو گئے۔ دو سال کے بعد آپ کا تقرر میونسپل بورڈ میں سپر نٹنڈ ینٹ تعلیم کے عہدے پر ہو گیا۔ کچھ دنوں کے بعد آپ نے پرائیویٹ طور پر بی.اے. کا امتحان بھی پاس کر لیا۔ بعد ازاں جب لوکل باڈیز کا محکمۂ تعلیمات صوبائی حکومت کے زیرِ انتظام آ گیا تو آپ بھی تبادلے کی زد میں آئے اور سہسوان کو جہاں ایک مشہور خاندان میں شادی کی بنا پر آپ کا سسرالی رشتہ بھی قائم ہو گیا تھا، خیر باد کہنا پڑا۔ لیکن ملازمت سے سبک دوشی کے بعد آپ نے عمر کا باقی حصہ سہسوان ہی میں گذارا۔ ۲۲ر نومبر ۲۰۰۷ء کو یہیں آپ کا انتقال ہوا۔

جگ موہن لال جی کو آغازِ شعور کے زمانے ہی سے شعر و ادب سے دلچسپی تھی، چنانچہ وہ سید پور کی ادبی نشستوں میں برابر شرکت کرتے رہتے تھے۔ سہسوان آنے کے بعد آپ شعر گوئی کی طرف راغب ہوئے اور یہ تخلیقی عمل برابر رو بہ ترقی رہا۔ مندرجہ ذیل اشعار آپ کے اس ذوق و شوق کے شاہد ہیں:

یاد ہے اب بھی جہاں کی وہ عجب بیگانگی — مہرباں کوئی نہ تھا، نا مہرباں کوئی نہ تھا
ہم قفس بھی لے کے اڑ جاتے مگر مجبور تھے — ہر طرف تھیں بجلیاں اور آسماں کوئی نہ تھا

☆☆ ☆☆

احساں تو بہت ہم نے لوگوں پہ کیے لیکن — اس دورِ تغافل میں احسانوں کی قیمت کیا
ویرانوں کی عظمت کو دیوانے سمجھتے ہیں — دنیا کی نگاہوں میں ویرانوں کی قیمت کیا

☆☆ ☆☆

رخ بدلتے جو وقت کو دیکھا — دوستوں میں بھی بے رخی آئی
آپ سے لوگ جب چلیں بچ کر — دیکھیے خود میں کیا کمی آئی

☆☆ ☆☆

عشق کے ماروں کی قسمت میں مر کر بھی تو چین نہیں — جیتے تھے تو رسوا تھے اب چرچے ہیں رسوائی کے

☆☆ ☆☆

اک تری یاد ہی ایسی ہے جو آجاتی ہے — ورنہ ہے کون یہاں رات میں آنے والا

آؤ رسماً ہی منالیں یہ شب دیوالی — ورنہ اب وقت کہاں شام سجانے والا

(۲۹) جمیلؔ، جمیل احمد قریشی : آپ جناب شکیل احمد قریشی ساکنِ چودھری محلہ، سہسوان کے صاحبزادے اور جناب اقبال احمد شوقؔ کے قریبی عزیز ہیں۔ ۵؍دسمبر ۱۹۴۲ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدا سے ہائی اسکول تک کی تعلیم سہسوان میں ہوئی۔ بعد کی تعلیم کہاں ہوئی، یہ معلوم نہ ہو سکا۔ مولفِ ''تذکرۂ شعرائے بدایوں'' کے مطابق آگرہ یونیورسٹی سے بی۔اے۔کی ڈگری لینے کے بعد ترکِ وطن کر کے پاکستان چلے گئے اور دستگیر سوسائٹی، فیڈرل بی ایریا، کراچی میں مقیم ہوئے۔ ''تذکرۂ ناموارانِ سہسوان'' کی تالیف (۱۹۸۵ء) کے وقت نیشنل بینک، کراچی میں افسر تھے۔ قیامِ سہسوان کے دوران شوقؔ صاحب سے سلسلۂ تلمذ استوار تھا۔ پاکستان پہنچنے کے بعد کسی سے اصلاح نہیں لی۔ کلام کا نمونہ یہ ہے:

ترے حصول کی کوشش تو کی بہت لیکن — بدل سکا نہ میں اپنے نصیب کی تحریر

نقوش آپ کے چہرے کے کیوں ابھر آئے — بنا رہا تھا میں اپنے خیال کی تصویر

مجھے بھی خوف ہے حالات کے طمانچوں سے — کہ میں بھی بیچ نہ ڈالوں کہیں متاعِ ضمیر

☆☆☆☆

کہنے کو اس نے ہم سے کوئی بات بھی نہ کی — لیکن زبانِ حال پہ برسوں کا حال تھا

☆☆☆☆

ہمت ملی، نہ عزم، نہ جوشِ جنوں ملا — پھر تو ہی مجھ کو اے دلِ حساس کیوں ملا

ہوش و خرد کے بس کا نہ تھا یہ معاملہ — جب بھی فرازِ دار پہ دیکھا، جنوں ملا

وحشت میں جتنے یاد رہے نام سب لیے — لیکن ترے ہی نام سے دل کو سکوں ملا

(۳۰) جوشؔ، منشی اُماں شنکر : محلہ جہاں گیر آباد کے کائستھ شرفا میں سے تھے۔ اردو کے ساتھ ساتھ فارسی پر بھی عبور تھا۔ راقم کی ۱۹۵۳ء کی ایک یادداشت کے مطابق فنِ شاعری میں منشی فاخر حسین فاخرؔ کے شاگرد تھے۔ سنینِ ولادت و وفات معلوم نہیں ہو سکے۔ دیوانِ اظہرؔ مطبوعہ ۱۹۳۹ء سے اس وقت تک بہ قیدِ حیات ہونا ظاہر ہے۔ گمانِ غالب ہے کہ آزادی سے قبل وفات پا چکے تھے۔ نعت کا ایک شعر اور دو مکمل غزلیں درجِ ذیل ہیں:

رات دن کی شکل میں جلوہ نمائے دہر ہے — روئے ختم المرسلیں، گیسوئے ختم المرسلیں

☆☆☆☆

دل جگر کے پاس مضطر ہے، جگر ہے دل کے پاس — لوٹتا ہے سینے میں بسمل پڑا بسمل کے پاس
یوں رہوں زندہ میں رہ کر رات دن قاتل کے پاس — دور ہوں منزل سے کوسوں، بیٹھ کر منزل کے پاس
تشنۂ شوقِ شہادت یوں تڑپ کر رہ گیا — بوند بھر پانی نہ تھا کیا خنجر قاتل کے پاس
واہ وا اے جذبِ دل، جب تاکتے ہیں وہ جگر — ناوکِ دل دوز آجاتا ہے کھچ کر دل کے پاس
سچ تو یہ ہے کوچۂ قاتل کہاں اور ہم کہاں — آرزوئے قتل لے آئی مگر قاتل کے پاس

بے کسی میں دست گیری روح نے کی میری جوشؔ
نامۂ شوقِ شہادت لے گئی قاتل کے پاس

کہتا ہے حسنِ عارضِ جاناں نقاب میں — عہدِ شباب ہے، نہ رہوں گا حجاب میں
وہ ہے چمک دمک ترے رخ کی نقاب میں — اک برق ہے کہ کوندرہی ہے سحاب میں
گردش سے چرخ کی کوئی محفوظ ہو تو ہو — اپنی تو عمر یوں ہی کٹی اضطراب میں
دل ٹوٹ جائے گا کسی مایوسِ دید کا — آیا خیال تم کو نہ اتنا حجاب میں

مطلق نہیں ہے جوشؔ فشارِ لحد کا غم
رہتا ہوں محوِ عشقِ شہِ بو تراب میں

(۳۱) جوشؔ، حکیم سید نظر حسن : سید منظور حسین بن سید محفوظ علی کے صاحبزادے تھے۔ صاحبِ ''حیات العلما'' نے حکیم شیخ مصطفیٰ علی کے شاگردوں کے ذیل میں

آپ کا ذکر کیا ہے اور حاشیے میں لکھا ہے کہ ''آپ میرے عمّہ زاد برادر، قابل حکیم وشاعرِ نازک خیال ہیں''۔ ریاست گوالیار سے متوسل تھے۔ اس سلسلے میں اجّین اور ریاست کے بعض دوسرے مقامات پر بھی قیام رہا۔ ''حیات العلما'' کی اشاعت کے وقت (۱۹۲۲ء) تک بہ قیدِ حیات تھے۔ اس کے علاوہ آپ کے بارے میں مزید کچھ معلوم نہ ہوسکا۔ ''حکایاتِ ندرت طراز'' مصنفہ مولوی سید خلیل احمد عاقلؔ کے آخر میں آپ کا ایک قطعۂ تاریخ درج ہے جو سطورِ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

لکھے قصے خلیل احمد نے کیا خوب — کہ جن کے ہیں مضامین ماہِ تاباں
ندا آئی، لکھو تم جوشؔ یہ سال — کلامِ برق نادر گوہر افشاں

۱۳۱۱ھ

(۳۲) چندرؔ، چندر پرکاش دیکشت : چندر پرکاش دیکشت پنڈت نند کشور دیکشت کے صاحبزادے ہیں۔ ۱۵؍مئی ۱۹۴۳ء کو سہسوان میں پیدا ہوئے۔ مقامی پنّالال میونسپل انٹر کالج سے ہائی اسکول کرنے کے بعد چندوسی اور مرادآباد میں تعلیم حاصل کر کے انٹر، بی.اے. اور ایل، ایل. بی. کے امتحانات پاس کیے اور ۱۹۷۳ء میں بدایوں میں وکالت کا آغاز کیا۔ دس سال کی کامیاب پریکٹس کے بعد فروری ۱۹۸۳ء میں آپ کو اسسٹنٹ ڈی.جی.سی. بنا دیا گیا۔ آج کل آزادانہ وکالت کر رہے ہیں اور ضلعے کے کامیاب وکیلوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔

چندرؔ جی زمانۂ طالب علمی ہی سے ادبی مشاغل میں دلچسپی لیتے رہے۔ شعر گوئی کا آغاز انھوں نے ۱۹۶۹ء میں کیا۔ بدایوں میں مستقل قیام کے بعد جناب دلکشؔ لوہاٹھیری (بدایونی) کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہو کر اپنی شعری صلاحیتوں کو مزید جلا بخشی۔ وکالت کی مصروفیت کے ساتھ ساتھ آپ بزمِ فانی کی مجلس منتظمہ کے سکریٹری، انجمن فروغِ ادب، سہسوان کے نائب صدر اور محرومِ روزگار اردو ٹیچرز ایسوسی ایشن کے صدر کی ذمہ داریاں بھی نبھاتے رہے ہیں، جو اردو شاعری اور اردو زبان دونوں سے آپ کی یکساں وابستگی کا بیّن ثبوت ہے۔ آپ کی پختہ کلامی مندرجہ ذیل اشعار سے ظاہر ہے:

بات کرنا بھی تو تھا جرم تری محفل میں　　ہم نے خاموش نگاہی سے بڑا کام لیا

☆☆ ☆☆

موت دامن بچاتی رہی ہے　　زندگی سے میں لڑتا رہا ہوں

☆☆ ☆☆

مٹا سکے جو نفرتوں کی تیرگی　　دیا اک ایسا پیار کا جلایئے

☆☆ ☆☆

اجڑا، اجڑا ہے، ویران سا ہے مگر　　اس چمن میں مرا آشیانہ تو ہے

☆☆ ☆☆

ساتھ میرا نہ تم دے سکو گے زندگی کے کسی بھی سفر میں　　میں ہوں باسی غموں کے نگر کا، تم پلے ہو بہاروں کے گھر میں

☆☆ ☆☆

جو مشکل ہو سکے آساں اسے مشکل نہیں کہتے　　بہ آسانی جو مل جائے، اسے منزل نہیں کہتے
دھڑکتا دل تو اے چندر ہر اک سینے میں ہے لیکن　　نہ ہو احساسِ غم جس میں، اسے ہم دل نہیں کہتے

☆☆ ☆☆

پھول کی خوشبو اڑا کر لے گئی بادِ صبا　　اب یہ کس کی جستجو میں اڑ رہی ہیں تتلیاں

(۳۴۳) حافظ، حکیم حبیب الحسن زبیری : آپ سہسوان کے جیّد عالم اور مدرسۂ شاہی مسجد، مرادآباد کے صدر مدرس مولانا محمود حسن زبیری کے فرزندِ رشید تھے۔ ۷رجولائی ۱۹۰۸ء کو سہسوان میں پیدا ہوئے۔ کم عمر ہی تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا۔ (۱۳۳۹ھ/۲۱-۱۹۲۰ء) اس کے بعد آپ کی تعلیم و تربیت آپ کے پھوپا عبدالوحید خاں کے زیرِ نگرانی بدایوں میں ہوئی۔ یہاں فارسی و عربی کی مروجہ تعلیم سے فراغت کے بعد آپ اپنے برادرِ عم زاد حکیم عبدالحفیظ خاں کے پاس دہلی چلے گئے۔ وہاں حکیم کبیر الدین سے فنِ طب کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد بہ غرضِ تعلیم کچھ وقت پانی پت، امرت سر اور لاہور میں گذارا۔ طبیہ کالج، لاہور، سے حاذق الاطبا کی سند لے کر ۱۹۳۲ء کے اواخر میں دہلی واپس آ گئے اور

قرول باغ میں مطب کرنے لگے۔ ۱۹۳۸ء میں ''ناظر'' کے نام سے ایک ماہانہ رسالہ بھی نکالا۔ دہلی میں مطب کامیاب نہ ہو سکا تو ۱۹۴۰ء میں سہسوان چلے آئے اور کچھ دن حالات کا جائزہ لینے کے بعد بدایوں میں مطب شروع کیا۔ اگست ۱۹۴۹ء میں ہندوستان سے ترکِ وطن کر کے پاکستان چلے گئے اور کراچی میں چند روزہ قیام کے بعد شہداد پور (سندھ) میں سکونت اختیار کی۔ ۱۹۵۲ء میں وہاں سے بھی ''ترکش'' کے نام سے ایک ادبی ماہ نامہ جاری کیا۔ جولائی ۱۹۶۲ء میں شہداد پور سے کراچی منتقل ہو گئے۔ وہیں جمعہ ۷/جنوری ۱۹۷۷ء کو وفات پائی۔ ''اشک ہائے تلخ'' کے نام سے آپ کا ایک شعری مجموعہ مغیث پبلیکیشنز، کراچی سے جنوری ۲۰۰۲ء میں شائع ہو چکا ہے۔ اس سے منتخب چند اشعار سطورِ ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

نوازش و کرم و التفات کا کیا ذکر — ترے ستم بھی ہیں احیائے زندگی کے لیے

☆☆ ☆☆

رہ جاتی ہے ہر آہ مری سینے میں گھٹ کر — ہر میری دعا ڈھونڈتی پھرتی ہے اثر کو
محویتِ دیدار کا یہ حال ہے حافظؔ — پلکوں کے جھپکنے پہ شکایت ہے نظر کو

☆☆ ☆☆

داد کی تھی دلِ مجروح کو جس سے امید — ہو وہی مائلِ بیداد تو پھر کیا کیجے

☆☆ ☆☆

جمال چاہیے، قد چاہیے قیامت کو — فقط بھڑکتے ہوئے پیرہن سے کیا ہوگا

☆☆ ☆☆

تم نے نظریں پھیر کر عادت بدل دی عشق کی — میں وہی ہوں لیکن اب جلووں سے گھبراتا ہے دل

☆☆ ☆☆

تھا حسنِ اتفاق کہ وہ مسکرا دیے — ورنہ یہ فیصلہ تھا کہ جائیں گے جاں سے ہم
مشکل ہے پردہ داریِ اسبابِ انفعال — محجوب ہو رہے ہیں دلِ رازداں سے ہم

☆☆ ☆☆

آنکھوں آنکھوں میں نکل جاتا ہے دل ہاتھوں سے — عشق کے واسطے پابندیِ اسباب نہیں

(۳۴) حافظؔ، مولوی سید محمد عزیر : آپ کے والد کا اسم گرامی سید محمد اسحاق تھا۔ سالِ ولادت معلوم نہیں لیکن قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ انیسویں صدی کے آخری عشرے میں پیدا ہوئے ہوں گے۔ حفظِ قرآن کی تکمیل اور گلستاں، بوستاں تک فارسی کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد محکمۂ پولس میں بہ حیثیت محرّر ملازم ہو گئے تھے۔ تحریکِ عدم تعاون کے دوران آپ نے ملازمت سے استعفا دے دیا اور مجلسِ احرار کی سرگرمیوں میں کھل کر حصّہ لینے لگے۔ اس مجلس کے صدر کی حیثیت سے آپ کا شمار مرادآباد کی اہم سیاسی شخصیات میں ہوتا تھا۔ ترکِ ملازمت کے بعد حصولِ معاش کی خاطر پہلے کچھ دنوں تک بہ حیثیت استاد مدرسہ فلاحِ دارین سے وابستہ رہے۔ بعد ازاں محلّہ فیل خانہ کی مسجد ملاّ قاسم میں امامت کی ذمہ داری قبول کر لی۔ اس مسجد میں آپ نے مدرسہ بھی قائم کیا جس میں اردو اور حفظ و ناظرہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔ حافظ صاحب پان اور تمباکو کے بے حد شوقین تھے، جس کے نتیجے میں منہ کے کینسر کا عارضہ لاحق ہوا۔ بہ غرضِ علاج مرادآباد سے پٹنہ تشریف لے گئے۔ وہاں افاقے کی صورت نظر نہ آئی تو سہسوان چلے آئے۔ ۱۹۵۰ء میں یہیں وفات پائی۔

شعر گوئی حافظ صاحب کا مستقل مشغلہ نہ تھی۔ طبیعت اس طرف مائل ہوتی تو کبھی کبھی کچھ کہہ لیا کرتے تھے۔ یہ اشعار بالعموم مذہبی رنگ کے ہوتے اور ان کی زبان بالکل سادہ اور عام فہم ہوتی تھی۔ بہ الفاظِ دیگر شاعری ان کے لیے مذہب کے حوالے سے اپنے پر شوق جذبات کے بے تکلف اظہار کا ایک وسیلہ تھی، تخیّل کی فلک پیمائی اور زبان و بیان کی معجز نمائی کا ذریعہ نہ تھی۔ مندرجہ ذیل اشعار جو موصوف کے بھتیجے اطہر نقوی کی یادداشت کے توسط سے ہم تک پہنچے ہیں، اسی پس منظر میں دیکھے جانے کے مستحق ہیں:

حرم اپنا، نہ دیر اپنا، نہ سنگِ آستاں اپنا ۔۔۔ بنا ہے کعبۂ دیں، قبلۂ کون و مکاں اپنا
کہیں دھبّا نہ آ جائے کسی کے خونِ ناحق کا ۔۔۔ بچاؤ آستیں، دامن سنبھالو مہرباں! اپنا
زمانِ منقضی سے ہوں مرادآباد میں حافظؔ ۔۔۔ مگر آبائی اجدادی وطن ہے سہسواں اپنا

☆☆☆☆

گر شفاعت کریں اللہ سے حضرت میری ۔۔۔ مجھ گنہگار کا جنت میں گذارا ہو جائے

قبر میں آ کے نکیرین جگائیں جس دم　　کلمۂ پاک نبی! لب پہ تمھارا ہو جائے

☆☆☆☆

نبی الہدیٰ ہیں بڑی شان والے　　بڑی شان والے، بڑی آن والے
تڑپتے ہیں عشقِ نبی میں جو ہر دم　　یہی ہیں وہ حافظؔ سہسوان والے

☆☆☆☆

محمدؐ، محمدؐ پکارا کروں میں　　سرِ حشر ان کا نظارا کروں میں
رسولِ خدا سے خدا یوں کہے گا　　کہو جو وہ کہنا تمھارا کروں میں

تضمین بر شعر جامیؔ :

کوئی ایسا نہیں جو کام آئے　　قیامت میں مری بگڑی بنائے
خدا ہی پار یہ بیڑا لگائے　　مرض دارم زعصیاں لادوائے
مگر الطافِ تو باشد طبیبم

(۳۵) حشرؔ، اخلاق حسین : غالباً آزادی سے قبل کسی وقت سہسوان کے ایک معالج وید بھدر گپت کوشک کے دواخانے گپتا آروگیہ بھون نے اپنی تیار کردہ دواؤں کے اشتہار کی غرض سے سولہ صفحے کا ایک مختصر کتابچہ شائع کیا تھا۔ اس کا جو نسخہ اس وقت ہمارے پیشِ نظر ہے، اس کے شروع کے چار صفحات ضائع ہو چکے ہیں۔ باقی کے بارہ صفحات میں سے (بہ استثنائے صفحہ نمبر ۱۲) گیارہ صفحے تین مقامی شاعروں کے کلام پر مشتمل ہیں، جس کا مقصد بہ ظاہر اس کتابچے میں عوام کی دلچسپی پیدا کرنا اور اسے قابلِ تحفظ بنانا معلوم ہوتا ہے۔ یہ تین شاعر ہیں کاملؔ صدیقی رازی سہسوانی، منشی اخلاق حسین حشرؔ سہسوانی تلمیذِ ابوالمعانی شوقؔ سہسوانی اور منشی ابرار حسین صاحب سیفؔ شاہ جہاں پوری واردِ حال سہسوان تلمیذِ حضرت شوقؔ سہسوانی۔ فی الوقت ہمارا موضوعِ گفتگو ان میں سے دوسرے شاعر منشی اخلاق حسین حشرؔ ہیں جن کے نام اور کلام سے واقفیت رکھنے والے سہسوان میں اب بہ مشکل ایک دو حضرات ہی باقی رہ گئے ہیں۔ راقم نے اپنے طور پر ان کے متعلق حصولِ معلومات میں ناکامی کے بعد بعض

قرائنِ ظاہری کی بنا پر اپنے کرم فرما حضور سہسوانی سے درخواست کی کہ وہ اس معاملے میں تعاون فرمائیں۔ موصوف نے میرے حسبِ گذارش اپنے قرب و جوار کے عمر رسیدہ حضرات سے تحقیق و دریافت کا سلسلہ جاری رکھا اور بالآخر حشر کے ایک قریبی عزیز ماسٹر اطہر حسین صاحب تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ماسٹر صاحب موصوف سے ان کے بارے میں جو معلومات حاصل ہوئی وہ حسبِ ذیل ہے:

چودھری اخلاق حسین حشر کے والد کا نام چودھری الطاف حسین تھا۔ وہ چودھری محلّے کے ساکن نیز شوق سہسوانی اور راز سہسوانی کے قریبی رشتہ داروں میں سے تھے۔ حشر نے مڈل تک کی تعلیم سہسوان ہی کے ورناکیولر مڈل اسکول میں حاصل کی۔ اس کے کچھ دنوں بعد ہی انھیں محکمۂ پولس میں بہ حیثیت کانسٹبل ملازمت مل گئی اور وہ سہسوان سے باہر چلے گئے۔ فیروز آباد میں تعیناتی کے دوران وہیں کے ایک خاندان میں ان کی شادی ہو گئی اور انھوں نے وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی، تاہم سہسوان کے اعزہ سے ربط اور آمد و رفت کا سلسلہ بہ دستور قائم رکھا۔ ریٹائرمینٹ کے بعد پنشن بھی سہسوان منتقل کرا لی تھی اور اس سلسلے سے ہر تین مہینے کے بعد سہسوان آتے رہتے تھے۔ ۱۹۸۵ء کے آس پاس کسی وقت انتقال ہوا۔

آروگیہ بھون سے شائع شدہ متذکرۂ بالا کتابچے میں حشر کی کل چودہ غزلیں اور دو منقبتیں شامل ہیں۔ ان میں سے صرف ایک غزل گیارہ اشعار پر اور باقی تمام غزلیں پانچ پانچ شعروں پر مشتمل ہیں۔ منقبتوں میں سے پہلی حضرت امام حسینؓ کے یومِ ولادت (۳ر شعبان) کی خوشی میں اور دوسری حضرت علیؓ کی شان میں کہی گئی ہے۔ اول الذکر میں آٹھ اور آخر الذکر میں پانچ اشعار ہیں۔ یہاں ان منقبتوں میں سے چار اور غزلوں میں سے دس کل چودہ اشعار بہ طورِ نمونہ پیش کیے جاتے ہیں:

عیاں ضربِ یداللّٰہی سے ہے توقیر حیدر کی   اشارے میں زمیں پر تھی عمارت بابِ خیبر کی
کھنچا جاتا ہوں میں سوئے نجف از خود تصوّر میں   سلامت جذبۂ دل، مجھ کو کیا حاجت ہے رہبر کی

☆☆ ☆☆

بڑا دن، تیسری شعبان ہے آج   ولادت ہے حسین ابنِ علی کی

ہمیں اے حشرؔ کیا ہو خوفِ دوزخ   کہ جنّت ہے حسین ابنِ علی کی

☆☆ ☆☆

وہ نامراد جو مرکر بھی نامراد رہیں   انھیں سے عشق کا احساس عام ہوتا ہے

☆☆ ☆☆

تیری محفل سے نکلنا ہی قیامت تھا ہمیں   آئے جنّت میں تو سمجھے کہ گنہگار ہیں ہم

☆☆ ☆☆

مانتا ہوں میں کہ قاتل ہو مگر الٹا اثر   مرنے والے جی اٹھے، یہ کیا کیا، کیا کر دیا

☆☆ ☆☆

دنیا تمام درد کے سانچے میں ڈھل گئی   یہ دیکھ کر کہ تیری نظر بے قرار ہے

☆☆ ☆☆

شبِ غم کی سحر نہیں ہوتی   یہ بلا مختصر نہیں ہوتی
میری حالت کو جانتا ہے جہاں   اور تم کو خبر نہیں ہوتی

☆☆ ☆☆

تیری نظروں کا تصرف، تیرے جلووں کا طفیل   دل کو ہونا ہی پڑے گا محشرِ صد اضطراب
جو زمیں پر تھے نظر آتے ہیں اب زیرِ زمیں   انقلاب اللہ اکبر اور ایسا انقلاب

(۳۶) حضوؔر، حضور الحسن : استاذ الاساتذہ حضرت رازؔ احسنی کے صاجزادے حضور الحسن حضوؔر ۳۱ر دسمبر ۱۹۴۰ء کو پیدا ہوئے۔ ہائی اسکول پاس کرنے کے بعد سلسلۂ تعلیم جاری رکھنے کے امکانات معدوم نظر آئے تو اپنے والد اور دادا کے اتباع میں وثیقہ نویسی کے شغل کو اپنایا۔ یہی آج کل آپ کا ذریعۂ معاش ہے۔ شعر گوئی کی جانب ۱۹۵۷ء میں راغب ہوئے۔ والدِ بزرگوار نے آپ کی اصلاح وتربیت کی ذمہ داری خود سنبھالنے کی بجائے آپ کو اپنے مخلص دوست اور کرم فرما حضرت جوشؔ ملسیانی (متوفّی ۲۷ر جنوری ۱۹۷۶ء) کے سپرد کردیا، جن سے بہ ذریعۂ مراسلت استفادے کا یہ سلسلہ ان کے حینِ حیات قائم رہا۔ جوشؔ

صاحب کے فیضِ شاگردی کی بدولت آپ بہت جلد پختہ گوئی اور قادرالکلامی کی منزل تک پہنچ گئے اور آپ کا شمار شہر کے خوش گوشعرا میں ہونے لگا۔ آپ نے رباعی کو چھوڑ کر اردو کی تقریباً تمام اہم اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ علاوہ بریں سانٹ بھی خاصی تعداد میں کہے ہیں۔ ملک کے اردو اخبارات اور ادبی جرائد میں آپ کا کلام برابر شائع ہوتا رہتا ہے۔

نظم کے ساتھ ساتھ آپ کو نثر نگاری سے بھی شغف رہا ہے، چنانچہ شروع میں آپ نے کچھ کہانیاں بھی لکھیں جو ہفت روزہ ''عبرت'' کلکتہ اور بعض دوسرے رسالوں میں شائع ہوئیں۔ ادبی وتہذیبی موضوعات پر چند مضامین بھی شائع ہو چکے ہیں۔ یہاں مختلف غزلوں کے چند اشعار بہ طور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں جن سے آپ کے طرزِ کلام کا اندازہ ہوگا:

کیا میں سمجھوں کہ اسی شہر میں آباد ہو تم　　مجھ کو غربت میں جو آتی ہے وطن کی خوشبو

☆☆ ☆☆

میں یہاں کس لیے جھوٹ سے کام لوں　　میرا گھر ہے یہ، کوئی عدالت نہیں

☆☆ ☆☆

ہم سرِ کوہِ طور کیوں جائیں　　پاس ہو تم تو دور کیوں جائیں

☆☆ ☆☆

قناعت ہو تو سوکھی روٹیوں میں بھی بہت کچھ ہے　　طمع حاوی ہو تو لعل و گہر میں کچھ نہیں رکھا

☆☆ ☆☆

کسی کے ظرف کا آخر ہوا تو اندازہ　　دل اپنا ٹوٹ گیا ہے تو کوئی بات نہیں

☆☆ ☆☆

چپکے سے آئے گی موت　　لاکھ کہا، کب مانے لوگ

☆☆ ☆☆

گلی میں روتے بلکتے یتیم بچوں کو　　پئے ثواب ہی تھوڑا سا پیار کر لینا

☆☆ ☆☆

رات کاٹی ہے بارہا یوں بھی　　درد اوڑھے ہیں، غم بچھائے ہیں

☆☆ ☆☆

لکھ لیں گے میرے بعد وہ، ہوگی جو مصلحت　　سادہ بیاضِ دل کا ورق چھوڑ جاؤں گا

☆☆ ☆☆

دل پر لگی تھی چوٹ کہ آنکھیں برس پڑیں　　بادل کہاں اٹھے، کہاں برسات ہوگئی

☆☆ ☆☆

اپنی نظر میں ایک ہیں دونوں　　کیا ماٹی، کیا سونا بابا

☆☆ ☆☆

کبھی سمٹ کے جو دیکھوں تو ایک بوند لگوں　　مگر جو پھیلنے بیٹھوں تو اک سمندر ہوں

(۳۷) حنیفؔ، سید حنیف احمد نقوی : راقمِ سطور کہ عام طور پر حنیف نقوی کے نام سے جانا جاتا ہے، ۱۷/اکتوبر ۱۹۳۶ء کو اپنے آبائی وطن سہسوان میں پیدا ہوا۔ تاریخی نام "عظیم القدر" رکھا گیا، جس سے ۱۳۵۵ھ برآمد ہوتا ہے۔ والدِ محترم کا نام حکیم سید عقیل احمد تھا۔ نشو ونما اور تعلیم وتربیت نانا منشی شاکر حسین نکہتؔ کے زیرِ سایہ پائی۔ قرآن شریف اور اردو وریاضی کی ابتدائی کتابیں مدرسۂ اسلامیہ، ملاٹولہ میں پڑھیں۔ عربی صرف ونحو کی تعلیم مدرسۂ فیضِ عام میں حاصل کی، لیکن بہ حیثیت استاد مرکزی شخصیت نانا مرحوم ہی کی تھی جنھوں نے فارسی کی ابتدائی سے اعلیٰ درجے تک کی کتابوں کے علاوہ عربی کی بنیادی درسیات بھی پوری توجہ اور اہتمام کے ساتھ پڑھائیں۔ بعض کتابوں کا درس عمِ محترم مولانا سید اعجاز احمد معجزؔ سے بھی لیا۔ نانا مرحوم کے انتقال (۲۳/دسمبر ۱۹۵۲ء) سے کچھ قبل شعر گوئی کا شوق دامن گیر ہوا تو اصلاح کے لیے عمِ موصوف کی طرح رجوع کیا اور ان کے فیضانِ تربیت کے طفیل فنِ عروض کے رموز ونکات اور شعر کے حسن وقبح سے بہ قدرِ ضرورت واقفیت بہم پہنچائی۔ عصری تعلیم کا باقاعدہ سلسلہ محترم خالو سید عبدالمالک نقوی کی توجہ سے ۱۹۵۰ء میں شروع ہوا۔ اسی سال جولائی میں پنا لال میونسپل ہائی اسکول (موجودہ انٹر کالج) کے چھٹے درجے میں داخلہ لیا اور ۱۹۵۵ء میں اسی ادارے سے الہ آباد بورڈ کا ہائی اسکول کا امتحان فرسٹ ڈویژن اور فارسی واردو میں امتیاز کے ساتھ پاس کیا۔

ہائی اسکول کے بعد آئندہ تعلیمی مراحل بھوپال میں طے کیے۔ وہیں گورنمنٹ حمیدیہ کالج کے طالب علم کی حیثیت سے ۱۹۶۱ء میں اردو میں ایم.اے.اور ۱۹۶۸ء میں پی، ایچ.ڈی. کی ڈگریاں حاصل کیں۔ کالج کی طالب علمی کے زمانے میں اور اس کے بعد بھی ڈاکٹر گیان چند جین، ڈاکٹر ابو محمد سحر اور فارسی کے استاد پروفیسر محبوب الرحمٰن کی توجہات ونوازشات سے بہ درجۂ اتم فیضیاب ہوا۔ کالج کے باہر محترم ماموں پروفیسر سید عبدالخالق نقوی کی سرپرستی، جناب کوثر چاند پوری کی رہنمائی اور جناب شفا گوالیاری کی حوصلہ افزائی دلیلِ راہ ثابت ہوئی۔ خامہ فرسائی کے ابتدائی زمانے سے اب تک ادب کی جتنی کچھ بھی اور جیسی کچھ بھی خدمت کرسکا ہوں، وہ انھی مشفق ومحترم بزرگوں کا فیضانِ کرم ہے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد ۶۲-۱۹۶۱ء کے تعلیمی سال کے اواخر میں چند مہینے سیفیہ انٹر کالج، بھوپال میں بہ طور اسسٹنٹ ٹیچر کام کیا۔ بعد ازاں ۱۴ر جولائی ۱۹۶۲ء سے ۱۳ر دسمبر ۱۹۶۳ء تک اسلامیہ انٹر کالج، بریلی میں اردو کے لیکچرر کی خدمات انجام دیں۔ ۱۶ر دسمبر ۱۹۶۳ء سے ۱۵ دسمبر ۱۹۶۶ء تک یو.جی.سی کے اوّلین جونیر ریسرچ فیلو کی حیثیت سے گورنمنٹ حمیدیہ کالج، بھوپال سے وابستہ رہا۔ یکم فروری ۱۹۶۸ء سے ۳۱ر جولائی ۱۹۶۹ء تک علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ اردو میں ریسرچ اسسٹنٹ کے فرائض انجام دیے اور ''علی گڑھ تاریخِ ادب اردو'' کی دوسری اور تیسری جلد پر نظر ثانی کی نیز ان دونوں جلدوں کے لیے کئی مضامین لکھے۔ ۴ر فروری ۱۹۷۰ء کو بنارس ہندو یونیورسٹی کے شعبۂ عربی، فارسی و اردو میں لیکچرر مقرر ہوا اور ۳۰ر جون ۲۰۰۱ء کو شعبۂ اردو سے بہ حیثیت پروفیسر سبک دوشی حاصل کی۔ اس دوران پانچ سال صدرِ شعبہ کی خدمات بھی انجام دیں۔ ریٹائرمینٹ کے بعد بھوپال میں مستقل قیام کا ارادہ تھا لیکن بعض ناگزیر حالات کی بنا پر آخری فیصلہ بنارس ہی کے حق میں ہوا اور اب یہیں زندگی کے دن گذار رہا ہوں۔

شعر گوئی کی ابتدا جیسا کہ شروع میں عرض کیا جا چکا ہے، ۱۹۵۲ء میں ہوئی، لیکن اس کاروبارِ شوق نے کسی بھی مرحلے میں مستقل شغل کی صورت اختیار نہیں کی۔ بلکہ کسی قدر پختگی کی منزل کو پہنچنے کے بعد جب یہ احساس ہوا کہ میرا اصل میدان نظم نہیں، نثر ہے تو یہ سلسلہ کئی سال

منقطع بھی رہا۔ بنارس آنے کے بعد بعض احباب کے زیر اثر اس سبقِ شوق کی تجدید ہوئی تو حسبِ سابق ایک بار پھر گاہ بہ گاہ ورودِ اشعار کی صورت پیدا ہونے لگی جو طویل وقفوں کے باوجود اب بھی جاری ہے۔ اس تفصیل کا ماحصل یہ ہے کہ شعر گوئی نہ تو میری ترجیحات میں شامل ہے اور نہ میں اسے اپنے لیے سرمایۂ فخر ومباہات سمجھتا ہوں، لیکن چونکہ اس مجموعے میں ہر اس شخص کو جگہ دینے کی کوشش کی گئی ہے جس نے کسی بھی درجے میں اس فن سے اپنے شغف کا مظاہرہ کیا ہے، اس لیے چند مزخرفات بلا تامّل ہدیۂ ناظرین کیے جا رہے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

ورق ورق سوزنِ قلم سے قبائے جاں اپنی سی رہے ہیں — نہ مار پائے گی موت ہم کو کہ ہم کتابوں میں جی رہے ہیں

قدم قدم پر جلائے ہم نے چراغ افکار و آگہی کے — کہ ہم جہالت کی ظلمتوں میں سفیر دانشوری رہے ہیں

کوئی زباں داں میسّر آیا؟ سنی کتھا آپ کی کسی نے؟ — بتائیں سچ سچ حنیف صاحب! غریب شہر آپ بھی رہے ہیں

☆☆☆☆

زباں تو میرے تشخص کی اک علامت ہے — انھیں ہے مجھ سے عداوت، مری زباں سے نہیں

☆☆ ☆☆

محنت شب زندہ داری کر گئی روشن دماغ — دل جلایا ہے تو گھر میں ہو رہی ہے روشنی

چاہنے والوں کا اٹھتا جا رہا ہے اعتبار — حیرتوں کی فصل دل میں بو رہی ہے روشنی

☆☆ ☆☆

خلا نورد ہیں آنکھیں تو روح پیاسی ہے — ازل سے میرا مقدر یہی اداسی ہے

حریف چاہتے ہیں، یہ بھی چھین لیں مجھ سے — مرے سبو میں جو باقی بس اک ذرا سی ہے

☆☆ ☆☆

غارتِ گلچین و تاراجِ خزاں سے بے نیاز — جھومنا گل کا سرِ شاخِ شجر اچھا لگا

☆☆ ☆☆

ہر نفس ٹوٹتا جاتا ہے طلسمِ ہستی — پیرہن زیست کا خوابوں کی ردا ہو جیسے

☆☆ ☆☆

ذہن جب اڑنے لگے نام ونشاں کی گرد میں — ہر حقیقت گم ہوئی وہم و گماں کی گرد میں

☆☆ ☆☆

قریۂ جاں میں عجب شورِ قیامت ہے بپا　　کس سے دل برسرِ پیکار ہے، معلوم نہیں
کس کی تصویر سرِ صفحۂ دل پھر ابھری　　کون پھر در پۓ آزار ہے، معلوم نہیں

☆☆ ☆☆

تھا غضب تیرے لمس کا جادو　　دھیرے دھیرے سنبھل رہی ہے ہوا
وقت پھر کشتیوں پہ بھاری ہے　　پھر رخ اپنا بدل رہی ہے ہوا

(۳۸) حیدرؔ : منشی فاخر حسین فاخرؔ نے اپنی ایک غزل کے مقطعے میں سہسوان کے چار نمائندہ شاعروں کا ذکر کیا ہے جن میں حیدرؔ بھی شامل ہیں۔ مقطع یہ ہے:

یہ تسلیمؔ و صباؔ، اعجازؔ و حیدرؔ ہیں جوائے فاخرؔ　　انھی کے دم سے ہے چاروں طرف شہرہ سہسواں کا

فاخرؔ ہی کی ایک تصنیف ''قانونِ شریعتِ محمدی'' کے آخر میں درج حیدرؔ کے کہے ہوئے ایک قطعۂ تاریخ کے سرنامے کے مطابق ان کا پورا نام حیدر علی تھا۔ اس قطعے کے علاوہ ان کے کلام کا کوئی اور نمونہ دستیاب نہیں۔ قطعہ مع سرنامہ درجِ ذیل ہے:

تاریخ ریختۂ قلمِ مولوی حیدر علی صاحب حیدرؔ سلمہ اللہ رئیسِ سہسوان

بدعتی دید چو ایں طرفہ کتاب اے حیدرؔ　　کرد اقرار بہ حقیتِ حقِ سنت
دل زجاں کند و بہ انصاف برائے تاریخ　　برملا گفت: ''زہے قاطعِ بیخِ بدعت''

۱۲۸۹ھ

(۳۹) خالدؔ، خالد اخلاق : خالد اخلاق، خالدؔ سہسوان کے موجودہ استاد شاعر جناب اخلاق حسین اخلاقؔ کے صاحبزادے اور شاگرد ہیں۔ بہ قولِ خود ۹ مئی ۱۹۷۶ء کو پیدا ہوئے اور انٹرمیڈیٹ تک کی تعلیم مقامی پرمود انٹر کالج میں حاصل کی۔ بی۔اے۔ روہیل کھنڈ یونیورسٹی، بریلی سے پرائیویٹ امیدوار کے طور پر پاس کیا۔ بعد ازاں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایم۔ٹی۔اے۔ کی ڈگری حاصل کی۔ آج کل دہلی میں مقیم اور ایک ٹریول کمپنی سے وابستہ ہیں۔ ۱۹۹۳ء سے شعر کہہ رہے ہیں۔ رنگِ سخن مندرجہ ذیل اشعار سے ظاہر ہے:

اس طرح دل شکست کا ٹوٹا میں نہ ٹوٹا نہ حوصلہ ٹوٹا
ٹوٹ جائیں گے پھر سبھی رشتے جب بھی سانسوں کا سلسلہ ٹوٹا
دور تم بھی چلے گئے خالدؔ میرا خود سے بھی رابطہ ٹوٹا

☆☆☆☆

کیسے سورج! میں تری دوستی پکّی مانوں چھوڑ جاتا ہے مرا ساتھ تو ہر شام کے بعد
امتحاں لیتا رہا ضبط کا اپنے میں بھی وہ بھی الزام لگاتا رہا الزام کے بعد
مجھ سے خالدؔ مرے جینے کی ادائیں مت پوچھ لفظ ممکن ہے بکھر جائیں ترے نام کے بعد

(۴۰) خاموشؔ، سید سجاد حسین : خاموشؔ ابتدا میں سجادؔ تخلص کرتے تھے۔ لالہ سری رام نے اسی تخلص کے تحت آپ کے بارے میں لکھا ہے:

> ''میر سجاد حسین صاحب جاگیر دار بڑودہ۔ ان کے بزرگ سہسوان کے رہنے والے اور سرکارِ بڑودہ میں اپنی سپاہیانہ کارگزاریوں کی بدولت صاحبِ رسوخ (و) ممتاز تھے۔ سرکارِ بڑودہ سے اب تک انھیں جاگیر ملتی ہے۔ موزوں طبع ہیں۔ بعض شعر اچھے نکال جاتے ہیں۔'' (خم خانۂ جاوید، جلد چہارم، ص ص ۸۶ و ۸۷)

سید سجاد حسین کے والد کا اسمِ گرامی سید ابرار حسین تھا۔ ان کے خلفِ اکبر اور سجاد حسین کے برادرِ بزرگ سید اقتدار حسین کی شادی بڑودے کے ایک ذی حیثیت خاندان میں ہوئی تھی اور اسی تعلق کی بنا پر وہ بہ ذاتِ خود بھی ریاست سے متوسل تھے۔ ممکن ہے کہ سجاد حسین نے بھی اپنی عمر کا کچھ حصہ وہیں گذارا ہو لیکن منشی شاکر حسین نکہتؔ کی یادداشت کے مطابق وہ اگست ۱۹۲۰ء سے قبل یو. پی کے محکمۂ پولس سے وابستہ ہو چکے تھے اور وقتِ تحریر بہ حیثیت سب انسپکٹر پہاسو ضلع بلند شہر میں تعینات تھے۔ ان کا شمار صوبے کے نہایت بارعب اور انتہائی کامیاب سب انسپکٹروں میں ہوتا تھا۔ ملازمت سے سبک دوشی کے بعد انھوں نے عمر کا بقیہ حصہ سہسوان میں گذارا۔ یہیں ۱۹۳۶ء میں ان کی وفات ہوئی۔ کلام ضائع ہو گیا۔ بچا ہوا

کل اثاثہ دوغزلوں کے صرف پانچ اشعار ہیں جو لالہ سری رام نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔ یہی شعر سطورِ ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:

رکتی ہے روکنے سے بھی ان کی زباں کہیں باتیں سنائیں، فقرے کسے، پھبتیاں کہیں
فرقت میں اس قدر ہوئے ہم خوگرِ ستم اب خوف ہے، وہ ہم پہ نہ ہوں مہرباں کہیں
آتا ہے شوخیوں کا مزا بھولے پن کے ساتھ ہو جائیں بچپنے میں وہ یا رب جواں کہیں

☆☆☆☆

لطف سے جو بات کی، در پردہ وہ بیداد کی مرحبا کیا بات ہے ظالم! تری ایجاد کی
جانِ شیریں دیتے ہی شیریں کو اپنا کرلیا قسمتِ خسرو سے کوشش بڑھ گئی فرہاد کی

(۴۱) خنجر، محمد سید عالم نقوی : ''خم خانہ جاوید'' کے مولف نے آپ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

''ابوالبیان محمد سید عالم خنجر مودودی، مارہروی۔ دورِ موجودہ کے شعرا میں سے ہیں۔ فنِ سخن میں حضرتِ احسن مارہروی سے اصلاح لیتے ہیں۔ مولانا نذیر احمد کی مفصل سوانح عمری مرتب کی ہے۔ اور بھی چند کتب ان کی تصنیف سے ہیں۔ ۴۰ سال کے قریب عمر ہے۔

آپ کو انشا پردازی میں اچھا ملکہ حاصل ہے اور فکرِ معاش سے بھی بہ درجۂ اوسط آسودہ ہیں۔'' (جلدِ سوم، ص ۵۷)

خنجر حافظ سید زاہد علی کے فرزند اور سہسوان کے متوطن تھے۔ ان کے نانا سید احمد حسن بن سید قمر علی سہسوانی نے مارہرہ میں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی۔ ان کے کوئی اولادِ نرینہ نہ تھی، اس لیے خنجر ابتدائے عمر ہی سے زیادہ تر انھی کے پاس رہتے تھے اور اپنے نام کے ساتھ مارہروی کا لاحقہ بھی لگانے لگے تھے۔ لالہ سری رام نے اسی نسبت سے انھیں ''مارہروی'' لکھا ہے۔

خنجر نے گورنمنٹ ہائی اسکول علی گڑھ سے ہائی اسکول پاس کیا تھا۔ فارسی میں بھی انھیں اچھی دستگاہ حاصل تھی۔ شعر گوئی اور تصنیف و تالیف سے غیر معمولی شغف رکھتے تھے۔

معاصر گلدستوں میں کلام بہ کثرت شائع ہوتا رہتا تھا، لیکن سوءِ اتفاق سے وہ عین عالمِ جوانی میں ذہنی توازن کھو بیٹھے۔ اس کے بعد باقی عمر اسی عالم میں گذری۔ اس تبدیلیِ احوال کے نتیجے میں شاعری سے تو کوئی تعلق باقی نہیں رہ گیا تھا لیکن شطرنج اور چوسر سے جوان کے نہایت پسندیدہ کھیل تھے، عرصے تک دلچسپی برقرار رہی۔ قیام زیادہ تر سہسوان ہی میں رہتا تھا۔ ۱۸ر جنوری ۱۹۵۷ء کو اٹھتر برس کی عمر میں یہیں ان کی وفات ہوئی۔ حواس باختگی کے بعد خنجرؔ کی تصانیف کا کیا حشر ہوا، اس کا کوئی علم نہیں ہو سکا۔ مختلف گلدستوں میں مطبوعہ چند غزلیں بہ طور یادگار باقی رہ گئی ہیں، انھی میں سے منتخب دس بارہ اشعار ہدیہ ناظرین ہیں:

حسرتیں جب دل سے نکلیں، کلفتیں سب مٹ گئیں　　باعثِ راحت ہے میری خانہ ویرانی مجھے
داستانِ رنجِ فرقت وصل کی شب کیا کہوں　　گر پریشاں ہو گے تم، ہوگی پشیمانی مجھے

☆☆☆☆

مجھ کو مرتا ہوا دیکھا تو وہ بولے ہنس کر　　ہم تو زندہ ہیں ابھی تجھ کو جلانے والے
مدّعائے دلِ ناشاد بیاں ہو کیا خاک　　اس کے انداز تو ہیں ہوش اڑانے والے

☆☆☆☆

شبِ فرقت خیالِ دل ربا میں محو رہتا ہوں　　مریضِ عشق ہوں لیکن ہزار اچھوں سے اچھا ہوں
کسی کا عکسِ رخ آئینے میں پڑ کر یہ کہتا ہے　　مجھے کیا دیکھتا ہے، میں تو خود محوِ تماشا ہوں

☆☆☆☆

واعظ تو مے کدے میں پےِ وعظ آئے تھے　　یہ کیا ہوا کہ آتے ہی نیّت بدل گئی
شب ہائے غم میں کس نے نہ کی ہم سے بے رخی　　آئی ہوئی قضا بھی تو کم بخت ٹل گئی

☆☆☆☆

تواضع مرتے دم تک کی کسی کے دردِ الفت کی　　بنائی آپ نے خنجرؔ عجب مہماں سرا دل میں

☆☆ ☆☆

ناراض کیوں ہوئے جو کہا تم کو بے مثال　　تعریف حسن کی ہے، کوئی بد دعا ہے کیا؟

☆☆☆☆

غیر سے ربط تمھیں، مجھ سے قضا کو نفرت　　　کون حالِ دلِ بیمار کا پرساں ہوگا

☆☆ ☆☆

مٹائی محفلِ ہستی، جگایا فتنۂ حشر　　　اثر بلا کا تری چشمِ نیم خواب میں ہے

(۴۲) رعناؔ، کرشن چند سکسینہ : آپ کے والد کا اسمِ گرامی بابو سہائے سکسینہ تھا جو موضع عثمان پور، تحصیل سہسوان کے رہنے والے تھے۔ آپ کی ولادت ۲؍ دسمبر ۱۹۱۹ء کو ہوئی تھی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد آپ نے ۱۹۳۵ء میں اردو مڈل اور ۱۹۳۸ء میں ہندی مڈل پاس کیا۔ ابتدا میں آپ نے ۴۳-۱۹۴۲ میں دو سال کے قریب گرام سدھار کے محکمے میں ملازمت کی۔ بعد ازاں ۱۹۴۸ء میں محکمۂ تعلیم میں ملازم ہو گئے اور اسی محکمے سے بہ حیثیت ہیڈ ماسٹر ریٹائر ہوئے۔ دورانِ ملازمت آپ نے بدایوں میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ تسلیم غوری کی فراہم کردہ اطلاع کے مطابق بدایوں ہی میں ۵؍ جون ۱۹۹۹ء کو آپ کی وفات ہوئی۔

''تذکرۂ غیر مسلم شعرائے بدایوں'' کے مولف نے آپ کو فوقؔ سبزواری کے شاگردوں میں شمار کیا ہے۔ ان کے نقل کردہ اشعار میں سے چند شعر یہاں بہ طور نمونہ درج کیے جاتے ہیں:

وہ صدقہ حسن کا دیں یا نہ دیں، یہ ان کی مرضی ہے　　　مگر دل توڑنا اچھا نہیں ہوتا ہے سائل کا

☆☆☆☆

نزع میں جب اس کو دیکھا، جان میں جان آ گئی　　　میرے حق میں وہ بتِ کافر مسیحا ہو گیا

☆☆☆☆

اب نہ وہ رنگِ تغزل ہے نہ وہ زورِ کلام　　　ہو گئی ہے گنگ رعناؔ کی زباں تیرے بغیر

☆☆☆☆

نہیں مٹتیں مقدر کی لکیریں　　　زمانہ ہے کہ بدلا جا رہا ہے

☆☆☆☆

رعناؔ جنونِ عشق میں یہ بھی خبر نہیں　　　منزل سے دور ہوں کہ ہوں منزل کے سامنے

(۴۳) رہبرؔ، اظفار حسین : رہبر ۱۹۴۹ء میں چودھری محلے میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام عنایت حسین تھا۔ آپ کی تعلیم رسمی نوعیت کی ہے لیکن ادبی ذوق کافی ترقی یافتہ ہے، جو آپ کے رشتے کے بھائی مرحوم محمد اسمٰعیل ہمدمؔ کے فیضانِ صحبت و تربیت اور ذاتی مطالعے کا نتیجہ ہے۔ رہبرؔ کو شعر گوئی کی تحریک بھی ہمدمؔ مرحوم ہی سے ملی۔ آج کل اخلاقؔ سہسوانی سے مشورۂ سخن ہے۔ سہسوان کی ادبی و سماجی سرگرمیوں بالخصوص مشاعروں اور نشستوں میں پورے ذوق وشوق کے ساتھ حصہ لیتے ہیں۔ چند غزلوں کے یہ متفرق اشعار ان کے رجحانِ طبع اور رنگِ کلام کا اندازہ لگانے کے لیے کافی ہوں گے:

حیران ہو نہ وقت کے تیور کو دیکھ کر پھیلاؤ پیر دوستو! چادر کو دیکھ کر
جس گھر کو گردشوں نے بیاباں بنا دیا رہبرؔ بتاؤ کیا کریں اس گھر کو دیکھ کر

☆☆☆☆

دردِ فرقت نہ سہا جائے گا، تم پاس رہو دل غمِ ہجر سے گھبرائے گا، تم پاس رہو

☆☆☆☆

ان کی نظر بھی آج تو حیران رہ گئی تو نے جنونِ عشق! مجھے کیا بنا دیا

☆☆☆☆

دل میں مرے تو کوئی بھی اس کے سوا نہ تھا پھر بھی وہ میرے عشق کو پہچانتا نہ تھا

☆☆☆☆

مجبوریوں کا اپنی ہمیشہ رکھا بھرم بھوکا رہا، ضمیر کا سودا نہیں کیا

☆☆☆☆

حقیقت میں عطائے آسمانی چھین لیتی ہے ''غریبی وقت سے پہلے جوانی چھین لیتی ہے''
جہیز آخر اکٹھا کس طرح ہو پائے بیٹی کا کہ ہم جو بھی کماتے ہیں، گرانی چھین لیتی ہے

(۴۴) زاہدؔ، مولوی سید محمد یعسوب : زاہدؔ راقم السطور کی دادی فاطمہ بیگم کے حقیقی بھائی تھے۔ آپ کے والد کا نام حکیم مولوی سید محمد یعقوب تھا۔ موصوف ریاست ٹونک

میں سرکاری طبیب کے عہدے پر فائز تھے۔ ۱۳۱۳ھ (۹۶-۱۸۹۵ء) میں ٹونک ہی میں آپ کا انتقال ہوا۔ دادا مولانا سید عبدالعلی اسی ریاست کے پرگنہ سرونج میں ناظم کے منصب پر مامور رہ چکے تھے۔ آخرِ عمر میں انھوں نے ہجرت کر کے مکّہ معظّمہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ وہیں ۱۲۶۰ھ (۱۸۴۴ء) میں وفات پائی۔ زاہد فنِ شاعری میں منشی اظہار حسین اظہار کے شاگرد تھے۔ وہ کب پیدا ہوے اور کب ان کا انتقال ہوا، اس سلسلے میں کوئی معلومات حاصل نہ ہو سکی۔

۱۲۹۷ھ (۱۸۸۰ء) میں مطبعِ مطلع العلوم، مراد آباد سے ایک مختصر مثنوی موسوم بہ ''نامۂ عشاق'' شائع ہوئی تھی۔ یہ دراصل دو منظوم خطوط کا مجموعہ ہے جو عاشق کی طرف سے معشوق کو لکھے گئے ہیں اور وارداتِ ہجر و فراق کے بیان پر مشتمل ہیں۔ ان میں سے پہلا خط زاہد کا طبع زاد اور دوسرا ان کے دوست اور خواجہ تاش سید محمد امین سوز کا نتیجۂ فکر ہے۔ زاہد کے خط میں ابیات کی کل تعداد ۱۱۶ ہے۔ اس میں سات اشعار کی ایک اور آٹھ، آٹھ اشعار کی دو غزلیں بھی شامل ہیں۔ سطورِ ذیل میں اولاً ان غزلوں سے، بعدازاں مثنوی سے چند شعر بہ طور نمونہ نقل کیے جاتے ہیں:

دل نہ تم سے اگر لگاتے ہم — کوہِ غم سر پہ کیوں اٹھاتے ہم
اس اسیری کی گر خبر ہوتی — زلف کے پیچ میں نہ آتے ہم
عشق کو تیرے چشمِ مردم سے — مثلِ تارِ نظر چھپاتے ہم

☆☆☆☆

ہر گھڑی اک نئی مصیبت ہے — گاہ سکتہ ہے، گاہ حیرت ہے
آج بیٹھی ہے ہچکیوں کی ڈاک — ملکِ ہستی سے اپنی رحلت ہے
خود نہ دیکھا، نہ غیر سے پوچھا — آج زاہد کی کیسی حالت ہے

☆☆☆☆

مر گیا ہوں تمھاری فرقت میں — رشکِ عیسیٰ ہو تم، جِلاؤ مجھے
خاکساری ہے خود شعار اپنا — خاک میں اب نہ تم ملاؤ مجھے

☆☆☆☆

عشق جب تک ہے گل سے بلبل کو
انس جب تک ہے بل سے کاکل کو
ربعِ مسکوں کو جب تلک ہے سکوں
چرخ زن جب تلک کہ ہے گردوں
دلِ عاشق ہے جب تلک بیتاب
مضطرب جب تلک کہ ہے سیماب
روز افزوں ہو ان کا حسن و جمال
حسرتیں دل کی سب رہیں پامال
شہرہ ور ہوں وہ مہ سے تا ماہی
دشمنوں کو نصیب جاں کاہی
مجھ پہ اس مہ کی مہر کی ہو نگاہ
کشتیِ عمر ہو عدو کی تباہ
اس کی الفت کا دل میں داغ رہے
اپنے گھر میں یہی چراغ رہے

(۴۵) ساجؔد، ماسٹر ساجد حسین صدیقی : ساجدؔ منشی عابد حسین عابدؔ (متوفّٰی ۵؍جنوری ۱۹۲۲ء) شاگردِ امیر مینائی کے صاحبزادے تھے۔ تعلیم و تربیت لکھنؤ میں والد کے زیرِ سایہ ہوئی۔ اردو و فارسی کے علاوہ ہائی اسکول کے درجے تک عصری تعلیم بھی حاصل کی۔ شروع میں کئی برس لٹن لائبریری، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ میں ملازم رہے۔ بعدازاں کچھ دنوں تک میرٹھ میں نائب تحصیل داری کی خدمات انجام دیں۔ لیکن یہ ملازمت مزاج و طبیعت کے مناسب نہ تھی، اس لیے استعفادے کر پھر علی گڑھ چلے آئے اور آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے دفتر سے وابستہ ہو گئے۔ آخر میں بہ وجہِ علالت یہاں سے سبک دوشی حاصل کر کے عمر کا بقیہ حصہ سہسوان میں گذارا۔ سہسوان میں عصری تعلیم کے فروغ کے سلسلے میں آپ کا یہ کارنامہ بہ طورِ خاص قابلِ ذکر ہے کہ دورانِ ملازمت آپ ایجوکیشنل کانفرنس کے جوائنٹ سکریٹری مولوی طفیل احمد کو سہسوان لائے، جنھوں نے مقامی رؤسا و عمائدین اور اہلِ علم سے مل کر ایک اسکول کے قیام کی تحریک کی اور حسبِ ضرورت مالی وسائل کی فراہمی میں مشکلات کو دیکھتے ہوئے ضلع کلکٹر مسٹر پنا لال آئی۔ سی۔ ایس کو اس طرف متوجہ کیا۔ اس طرح پنا لال ہائی اسکول کے قیام کی راہ ہموار ہوئی۔ بچوں کو تعلیم کی طرف راغب کرنے کی اپنی مسلسل جدوجہد کی بنا پر آپ بالعموم ماسٹر ساجد حسین کے نام سے معروف تھے۔ گذشتہ صدی کے پانچویں عشرے میں آپ نے سہسوان ہی میں داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ کلام کا نمونہ یہ ہے:

حاجت نہ تیغ کی ہے، نہ خنجر کے وار کی ہوتا ہے قتل جنبشِ ابرو سے یار کی
پردے میں ان کے شوخیِ چشمِ نگار ہے بتلا رہی ہیں گردشیں لیل و نہار کی
گو تیغ میں بھی آپ کی ہے ایک بانکپن لیکن ادا کہاں نگہِ شرمسار کی
آجا، ترے بغیر خزاں ہے بہار میں اے نو بہار! آبرو رکھ لے بہار کی

☆☆☆☆

شمعِ امید کو اک شب تو فروزاں کرلیں بزمِ ہستی میں ذرا دیر چراغاں کرلیں
ہم اگر چاہیں تو ایماں میں ہوں پیدا سو کفر اور اگر چاہیں تو ہر کفر کو ایماں کرلیں

☆☆☆☆

مرے نالوں کی یارب! آتش افشانی نہیں جاتی پھنکا جاتا ہے دل اور شعلہ سامانی نہیں جاتی
یہ صورت ہوگئی ہے آب وگل کی قید میں میری کہ حالت اپنی مجھ سے خود بھی پہچانی نہیں جاتی

یادِ اقبال

شاعرِ مشرق و علامۂ دوراں تم تھے حکمت و فلسفہ کے مہرِ درخشاں تم تھے
ناز تھا قوم کو جس پر، وہ سخن داں تم تھے بے زبان اردو کے ہر درد کا درماں تم تھے

قوم نے تم کو دل و جان سے چاہا اقبالؔ!
ساتھ تم نے مگر اس کا نہ نباہا اقبالؔ!

رحمتِ حق کی میسّر ہوئی دعوت تم کو سیر کرنے کو ملا گلشنِ جنت تم کو
ہے یہ ساجدؔ کی دعا، ڈھانپ لے رحمت تم کو مرتبہ اور بڑھے، اور ہو رفعت تم کو

چاہیے رحمتِ خالق کو بہانہ اقبالؔ!
کچھ پسند آگیا شاید کہ ترانہ اقبالؔ!

(۴۶) ساحر، سید ثروت کمال : آپ مولوی سید اقتدار احمد ساحر کے صاحبزادے تھے۔ ۳۰ر جون ۱۹۳۱ء کو علی گڑھ میں پیدا ہوئے۔ تربیت و تعلیم بھی علی گڑھ ہی میں ہوئی، جہاں آپ کے والد مسلم یونیورسٹی، سٹی ہائی اسکول میں فارسی اور دینیات کے استاد تھے۔

۱۹۴۶ء میں آپ نے اسی اسکول کے طالب علم کی حیثیت سے ہائی اسکول پاس کیا اور ۱۹۴۹ء میں ایف. ایس، سی. کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔ اسی سال اپنے والد کے ساتھ ہندوستان سے ترکِ سکونت کر کے پاکستان چلے گئے۔ وہاں کراچی یونیورسٹی سے بی. اے، ایل، ایل. بی اور ایم. اے (سیاسیات، اقتصادیات، اسلامیات و اردو) کی ڈگریاں حاصل کیں۔

تعلیم سے فراغت کے بعد کچھ دنوں تک وکالت کے پیشے سے وابستہ رہے، لیکن اسے طبیعت کے مناسب نہ پا کر جلد ہی بہ حیثیت لیکچرر کسی کالج میں ملازمت کر لی۔ یکے بعد دیگرے کئی کالجوں میں پڑھانے کے بعد آخر میں گورنمنٹ اسلامیہ کالج، کراچی میں اردو کے مستقل لیکچرر کی حیثیت سے تقرر رہوا۔ اسی ملازمت کے دوران ۱۴ ستمبر ۱۹۸۰ء کو ایک شدید قلبی دورے کے نتیجے میں آپ کی وفات ہوئی۔

آپ بچپن سے ہی نہایت خوش گلو تھے اور شعر خوانی کا انداز بھی بے حد دلکش تھا، چنانچہ زمانۂ طالب علمی میں نظم خوانی کے کئی مقابلوں میں حصہ لے کر تمغے اور دیگر انعامات حاصل کیے۔ دورانِ قیامِ علی گڑھ وہاں کے مشاعروں میں اپنے والد کی غزلیں بھی آپ ہی پڑھا کرتے تھے، اس لیے طالب علموں میں ثروت کی بجائے ساحر کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔ بعد میں جب خود شعر کہنا شروع کیا، تو یہی تخلص اختیار کر لیا۔ پاکستان جانے کے بعد شعر گوئی سے شغف کے متعلق کوئی معلومات حاصل نہیں ہو سکی، اس لیے ابتدائی دور ہی کی دو غزلوں کے چند اشعار بہ طور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں:

تھی حکایت میں شکایت ہمیں معلوم نہ تھا — یار کو ہو گی ندامت، ہمیں معلوم نہ تھا
تم چلے جاؤ گے تو جان پہ بن جائے گی — درد کی ہو گی یہ شدّت، ہمیں معلوم نہ تھا
بزمِ اغیار میں تم پاس جو آ بیٹھو گے — اٹھ کھڑی ہو گی قیامت، ہمیں معلوم نہ تھا
دیکھ کر یار کو کم بخت مچل جائے گا — دل کرے گا یہ شرارت، ہمیں معلوم نہ تھا

ہم سمجھتے تھے کہ آرام ملے گا ساحرؔ
قہر ڈھائے گی محبت، ہمیں معلوم نہ تھا

انجام ہوا جو الفت کا انجام یہی تو ہونا تھا

ہم چپکے چپکے روتے تھے، اک شمع تھی گھر کا کونا تھا

سب جھوٹ وہ ان کے وعدے تھے، اقرارِ محبت دھوکا تھا

دل آنا تھا، دل جانا تھا، دل دینا تھا، دل کھونا تھا

کیا پوچھ رہے ہو ساحر سے، کیا ان سے باتیں کر آئے

کچھ دل کا دکھڑا کہنا تھا، کچھ اپنا رونا رونا تھا

(۴۷) ساحلؔ، آلِ احمد : آلِ احمد ساحلؔ کے والد کا اسمِ گرامی آل محمدؐ انصاری تھا۔ آپ ۱۲/اپریل ۱۹۵۵ء کو پیدا ہوئے۔ مقامی مدرسوں میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد جامعہ اردو، علی گڑھ سے ادیب ماہر کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۷۵ء میں شعر گوئی کی جانب مائل ہوئے۔ اصلاحِ کلام کے لیے ابتدا میں اخلاقؔ سہسوانی سے رجوع کیا۔ بعد ازاں شکیبؔ نیازی سے مشورۂ سخن کرنے لگے۔ وسیلۂ معاش تجارت ہے۔ اسی سلسلے سے آج کل دھول پور (راجستھان) میں مقیم ہیں۔ نمونۂ کلام یہ ہے:

گھٹن سے زندگی کی پار ہو جا — فنا ہونا ہے تو اک بار ہو جا

عمارت ہے اگر، سینہ سپر رہ — اگر ہمت نہیں، مسمار ہو جا

گلابوں کی طرح مہکا دے گلشن — اگر توڑے کوئی تو خار ہو جا

☆☆☆☆

زخم جو دل کو ملا ہے وہ نہیں بھر پائے گا — دھجیاں پوشاک ہے لیکن یہ پھر سل جائے گی

اپنے تلووں سے مجھے چہرہ مسل لینے دے ماں! — جنتی ہونے کی مجھ کو بھی سند مل جائے گی

مسکرا کر آپ جو اک بار دیکھیں گے ادھر — پھر تو پت جھڑ میں بھی دل کی ہر کلی کھل جائے گی

وہ بھی خوشیاں لے کے ہو جائے گا بچوں میں شریک — اجرتِ مزدور اگر کچھ پیشتر مل جائے گی

(۴۸) سعیدؔ، چودھری وزیر الحسن زبیری : چودھری وزیر الحسن معروف بہ سعید زبیری ابنِ چودھری احمد حسن یکم اکتوبر ۱۹۲۶ء کو سہسوان میں پیدا ہوئے۔ تعلیم و تربیت

بیشتر سہسوان ہی میں ہوئی۔ ہندی انگریزی مڈل، اعلیٰ قابل اور منشی پاس کرنے کے بعد ۱۹۴۷ء میں علی گڑھ سے ہائی اسکول پاس کیا۔ پٹوار ٹریننگ آگرہ میں، گرد آور ٹریننگ ہردوئی میں، ڈرافٹس مین آرٹسٹ کا ڈپلوما بمبئی سے اور یونانی ماڈلر آرٹسٹ کی سند طبیہ کالج، دہلی سے حاصل کی۔ فارسی کی بعض درسی کتابیں اپنے خسر مرزا عبدالحفیظ بیگ سے پڑھیں اور ابتدائی عربی کا درس مولانا سید عبدالخالق نقوی سے لیا۔ حصولِ معاش کی غرض سے ریونیو ڈپارٹمینٹ میں بہ طور پٹواری ملازمت شروع کی۔ بعد میں ترقی پاکر گرد آور قانون گو ہو گئے۔ ۱۹۵۷ء میں ہندوستان سے ترکِ وطن کرکے پاکستان چلے گئے۔ ۱۹۸۱ء میں وہاں سندھ میڈیکل کالج میں چیف آرٹسٹ کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے تھے۔ ۱۹۸۵ء میں انھوں نے ''تذکرۂ ناموارانِ سہسوان'' مرتب کرکے شائع کیا۔ اس کے بعد کے حالات نامعلوم ہیں۔

سعیدؔ نے بہ قولِ خود بارہ تیرہ سال کی عمر میں شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ ابتدا میں وہ کافی دنوں تک منشی شاکر حسین نکہتؔ سے اصلاح لیتے رہے۔ اسی زمانے میں بعض غزلیں جناب اقبال احمد شوقؔ اور مولوی سید ابواحمد نامیؔ وصدرؔ کو بھی دکھائیں۔ بہ حیثیت ملازم ضلع ایٹہ کے مختلف قصبات میں تعیناتی کے دوران کیفیؔ کاسگنجوی سے مشورۂ سخن کرتے رہے۔ انھی ایام میں دلیرِ مارہروی سے بھی مستفیض ہوئے۔ آخر میں مولانا حسرتؔ موہانی کی شاگردی اختیار کی۔ ان کے انتقال (۱۳رمئی ۱۹۵۱ء) کے بعد اصلاحِ سخن کا یہ باب بند ہو گیا۔ کلام کا ایک مختصر مجموعہ ''تہذیب خیال'' کے نام سے ۱۹۸۱ء میں کراچی سے شائع ہو چکا ہے۔ اسی مجموعے سے چند متفرق اشعار سطورِ ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

ادب آموز ہے کس درجہ محفل شاہِ والا کی　　فرشتے بھی یہاں سے آدمی بن کر نکلتے ہیں

☆☆ ☆☆

بہا کے لے چلو گہرائیوں میں اے موجو!　　مرے سفینے کو ساحل کا اعتبار نہیں

تری جفائیں سلامت، کرم نہیں نہ سہی　　تعلقات تو ہیں گرچہ خوش گوار نہیں

☆☆ ☆☆

تمھارے واسطے اپنے پرائے میں نے سب چھوڑے　　تمھیں میری وفاؤں کا نہ لیکن اعتبار آیا

یہ وہ دل ہے، نہ پایا جس کے ہاتھوں چین جیتے جی　　نشان جب مٹ گیا اپنا سعید، اس کو قرار آیا

☆☆ ☆☆

سعید اپنی حقیقت تب نظر آتی ہے انساں کو　　کہ جب مجبوریوں میں سامنا ہوتا ہے مشکل کا

☆☆ ☆☆

ان سفینوں پر بھروسا ہی نہ کرنا تھا سعید　　جا چھپے جو دامنِ ساحل میں طوفاں دیکھ کر

☆☆ ☆☆

وارفتگیِ شوق میں اتنی خبر کہاں　　میری جبیں کہاں ہے، ترا سنگِ در کہاں

☆☆ ☆☆

وہ جادو تھا بتانِ مغربی کی چشمِ پُر فن میں　　کہ آخر دیکھیے چل ہی گئی شیخ و برہمن میں

☆☆ ☆☆

غم دیا ہے تو کم و بیش کا احساس نہ دے　　لطف جب ہے، مجھے اندازۂ غم بھی نہ رہے

(۴۹) سلیم، حکیم فیض الحسن فاروقی : لالہ سری رام نے ''خم خانۂ جاوید'' میں آپ کے متعلق لکھا ہے:

''حکیم سید فیض الحسن سہسوانی۔ آپ حضرتِ امیر مینائی مرحوم کے شاگرد ہیں۔ آج کل بمبئی میں مقیم ہیں۔ سادہ گو اور سلاست پسند ہیں۔ کلام گرمی اور شوخی سے بیگانہ ہے''۔ (جلدِ چہارم، ص ۲۵۰)

سلیم نسباً سید نہیں، شیخِ فاروقی تھے۔ ان کا تعلق طبیبوں کے اس مشہور خاندان سے تھا جس کے جد اعلیٰ کبیر الدین تھانیسر سے نقلِ وطن کر کے سہسوان میں آباد ہوئے تھے۔ آپ کے والد حکیم نور الحسن فاروقی اپنے دور کے نامور طبیبوں میں سے تھے۔ ان کی عمر کا آخری حصہ متھرا میں گذرا۔ وہیں ۱۲۹۷ھ (۱۸۸۰ء) میں ان کا انتقال ہوا۔ سلیم بھی اپنے پیشے میں کامیاب تھے لیکن جہانیانِ جہاں گشت قسم کے انسان تھے، چنانچہ مستقلاً کسی ایک جگہ مطب نہیں کیا۔ عرصے تک جونا گڑھ، احمد آباد، بمبئی اور اس کے قرب و جوار میں بعض امرا و رؤسا کے خصوصی معالج کی

حیثیت سے مقیم رہے۔ طبابت کے ساتھ ساتھ تصوف سے بھی خاص شغف تھا، چنانچہ دیوہ ضلع بارہ بنکی کے مشہور بزرگ حضرت شاہ وارث علیؒ سے بیعت بھی تھے اور علاجِ جسمانی کے ساتھ علاجِ روحانی میں بھی دخل رکھتے تھے۔ عمر کے آخری ایام اجّین اور گوالیار میں گذرے۔ ۱۴ر فروری ۱۹۴۲ء کو گوالیار ہی میں وفات ہوئی۔

''تذکرۂ نامورانِ سہسوان'' کے مؤلف سعید زبیری کی اطلاع کے مطابق سلیم کا دیوانِ قلمی لاہور میں احسان دانش کے ذاتی کتب خانے میں محفوظ ہے۔ مندرجہ ذیل اشعار مذکورالصدر تذکرے کے حوالے سے اس قلمی دیوان سے ماخوذ ہیں:

جو آپ کو توفیق ہو، منظور ہے مجھ کو　　　کیجے دلِ مجروح پہ ارزانیِ غم آپ
یہ آخری تکلیف تو کر لیجے گوارا　　　پہنچائیں جنازہ مرا دو چار قدم آپ

☆☆☆☆

احسان و کرم کے لیے توفیقِ خدا ہے　　　مل جائے جسے، دولت و نعمت ہے بڑی چیز
عزت کو سلیم اپنی نہ دو ہاتھ سے ہرگز　　　دولت ہے بڑا مال تو عزت ہے بڑی چیز

☆☆☆☆

انصاف کی ہے شرط پہ انصاف ہو چکا　　　پھرتے ہیں وہ تو داورِ محشر کے آس پاس
دنیا سلیم کی ہے، نہ عقبیٰ سلیم کی　　　اس گھر کے آس پاس ہے، اس گھر کے آس پاس

☆☆☆☆

بیٹھیے، بیٹھیے ظاہر کا ملمّع ہے فضول　　　مجھ کو بے چین نہ کردے یہ تمھارا اخلاص
تمھیں منصف ہو، تمھیں فیصلہ کر کے دیکھو　　　ایک میرا ہے تو ہے ایک تمھارا اخلاص

(۵۰) سوزؔ، سید محمد امین : سید محمد امین سید رونق حسین شہید ۱۸۵۸ء کے صاحبزادے، خانقاہِ صمدیہ، پھپھوند، ضلع اوریّا کے بانی صاحبِ سجادہ حضرت شاہ سید عبدالصمدؒ سہسوانی (متوفّٰی ۱۹راگست ۱۹۰۵ء) کے حقیقی چچا زاد بھائی اور منشی انوار حسین تسلیمؔ کی بھانجی ماجدہ بیگم بنتِ حکیم سید اسد علی کے شوہر تھے۔ شاعری میں آپ کو منشی اظہار حسین اظہار سے

شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ منشی شاکر حسین نکہت کی یادداشت مرقومہ دوشنبہ ۲۱ ؍رجب ۱۳۱۱ھ کے مطابق آپ نے ۲۰ ؍رجب ۱۳۱۱ھ مطابق ۲۸ ؍جنوری ۱۸۹۴ء کو سہسوان میں وفات پائی۔ آپ کے بارے میں اس سے زیادہ معلومات دستیاب نہیں۔

''نامۂ عشاق'' میں جس کا حوالہ مولوی سید محمد یعسوب متخلص بہ زاہد کے ذکر میں آچکا ہے، دوسرا خط آپ کا ہے جو ایک سو چوبیس ابیات پر مشتمل ہے۔ اس میں چودہ اشعار کی ایک غزل بھی شامل ہے۔ یہاں اولاً اس غزل کے سات شعر بعد ازاں مثنوی کے چند اشعار بہ طورِ نمونہ پیش کیے جاتے ہیں:

دیکھتا ہوں جو ماہِ تاباں کو — یاد کرتا ہوں روے جاناں کو
دیکھ لیتا ہوں داغِ دل کی بہار — کیا کروں جاکے میں گلستاں کو
جانے کس پر بلا یہ نازل ہو — بل وہ دیتے ہیں زلفِ پیچاں کو
اپنا گھر چھوڑ کر یہ جائے کہاں — دل میں راحت ملی ہے ارماں کو
سرتری تیغِ ناز نے کاٹا — خاک اٹھاؤں میں بارِ احساں کو
خضرِ رہ شوق ہے تو میں اک دن — ڈھونڈ ہی لوں گا کوے جاناں کو

جل بجھا اس کی سرد مہری سے
کیا کہوں سوزؔ سوزِ ہجراں کو

ہجر میں تیرے اے بتِ ترسا — لوٹتا ہوں پڑا کبوتر سا
ناک میں دم ہے زندگانی سے — منفعل ہوں میں سخت جانی سے
نزع میں دم ترا میں بھرتا ہوں — نہ تو جیتا ہوں اور نہ مرتا ہوں
رنج و کلفت کی مہربانی ہے — زور پر اپنی نا توانی ہے
شکلِ احباب سے تنفّر ہے — میں ہوں اب یا ترا تصوّر ہے
رات دن، صبح و شام اے گلفام — زلف و عارض کی یاد سے ہے کام
دل پہ نقشا ہے نقش قامت کا — سامنا روز ہے قیامت کا

(۵۱) شاؔد، مفتی سید اسحاق احمد : شاؔد مفتی سید مقبول احمد کے صاحبزادے تھے۔ مفتی صاحب اصلاً سہسوان کے باشندے تھے لیکن مراد آباد کے ایک ذی حیثیت خاندان میں شادی کے بعد انھوں نے وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ چنانچہ شاؔد مراد آباد ہی میں پیدا ہوئے۔ آپ علومِ متداولہ میں اچھی استعداد رکھتے تھے۔ شاعری میں منشی سید جمیل احمد جمیلؔ کے شاگرد تھے۔ بھوپال میں جمیلؔ کے شاگردوں نے ماہانہ طرحی مشاعروں کے سلسلے میں ایک مرتبہ ''سینے میں'' کو ردیف قرار دے کر اور قافیہ و بحر کے انتخاب میں شعرا کو آزاد چھوڑ کر ایک خاص مشاعرے کا اہتمام کیا تھا۔ منتظمِ مشاعرہ کی فرمائش پر آپ نے بھی اس طرحی مشاعرے کے لیے مراد آباد سے غزل بھیجی تھی جو ان مشاعروں کے گلدستے ''منشورِ سخن'' میں شامل ہے۔

آپ کے کلام کی یادگار یہی واحد غزل رہ گئی ہے جس کے چند شعر درجِ ذیل ہیں:

تم لگاؤ جو کبھی تیغ دو دم سینے میں	بھولوں احسان نہ جب تک کہ ہے دم سینے میں
قتل کی اپنے میں تکلیف نہ دیتا لیکن	دل ہے مشتاق، ترے سر کی قسم، سینے میں
نہ مرے غم کا غم اس کو، نہ خوشی کی ہے خوشی	دل کا یکساں ہے وجود اور عدم سینے میں
فیصلہ حسبِ مراد اُس کے کیا ظالم نے	دلِ شیدا کو جو ٹھہرایا حَکَم سینے میں
جگر و دل میں برابر ہے ترے عشق کی آگ	داغ پہلو میں زیادہ ہیں نہ کم سینے میں

شاؔد نے عین عنفوانِ شباب کے زمانے میں شروعِ ماہِ ذی الحجہ ۱۳۰۶ھ (اگست ۱۸۸۹ء) میں وفات پائی۔ منشی شاکر حسین نکہتؔ نے اس سانحے کی تاریخ مندرجہ ذیل قطعے میں نظم کی ہے:

خالِ من سیدِ اسحاق احمد	زیں جہاں چوں بہ جناں شد قاصد
سالِ تاریخ بگفتم نکہتؔ	ماتمِ مرگِ جوانِ راشد

۱۳۰۶ھ

(۵۲) شاؔد، سید حامد حسن : حامد حسن شاؔد حکیم سید طاہر حسن طاہؔر کے برادرِ عم زاد حکیم سید اطہر حسن سہسوانی کے صاحبزادے تھے۔ ۱۷/ اکتوبر ۱۹۳۵ء کو بھوپال میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کے مختلف درمیانی مراحل سلسلہ بہ سلسلہ طے کرنے کے بعد ۱۹۷۰ء میں گورنمنٹ

حمید یہ کالج سے اردو میں ایم۔اے کیا۔ گورنمنٹ مڈل اسکول میں بہ حیثیت ٹیچر ملازمت کا آغاز اس سے کئی برس قبل کر چکے تھے اور نہایت مستعد اور باصلاحیت اساتذہ میں شمار کیے جاتے تھے۔ تدریس کے ساتھ ساتھ صحافت سے بھی غیر معمولی دلچسپی تھی چنانچہ دورانِ ملازمت بھی جز وقتی طور پر ہمیشہ کسی نہ کسی اخبار سے وابستہ رہے۔ ۱۹۹۷ء میں بہ حیثیت ہیڈ ماسٹر ملازمت سے سبک دوشی کے بعد تا حیات روز نامہ ''اردو ایکشن'' میں سب ایڈیٹر کے فرائض انجام دیے۔ صحافت کے بعد ان کا دوسرا پسندیدہ شغل شاعری تھی۔ ''نویدِ سحر'' کے نام سے مجموعۂ کلام مرتب کر لیا تھا لیکن قبل اس کے کہ اس کی طباعت کی نوبت آئے، پیغام اجل آ پہنچا اور ایک شدید قلبی دورے کے بعد ۲؍اکتوبر ۲۰۰۰ء کو خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ رنگِ سخن کا اندازہ مندرجہ ذیل اشعار سے کیا جا سکتا ہے:

آزمانا چاہتا ہوں ظرفِ طوفاں نا خدا! ورنہ ہر طوفان کو ساحل بنا سکتا ہوں میں

☆☆ ☆☆

روایتوں سے پرے ہٹ کے بزمِ عالم میں نئے چراغ جلائیں کہ روشنی کم ہے

☆☆ ☆☆

چڑھتے سورج کو ہم نے دیکھا ہے ہم سے پوچھو شباب کا عالم

☆☆ ☆☆

آتشِ غم پیتے پیتے عشق میں تشنگی دم ساز بن کر رہ گئی

☆☆ ☆☆

شاؔد صاحب! یہ نیا دور ہے، خاموش رہو ہونٹ کھولے تو یہاں سر نہ دکھائی دے گا

☆☆ ☆☆

خود جھکی جا رہی ہے ان کی نظر جانے کیا بات یاد آئی ہے

☆☆ ☆☆

سمیٹ لائی ہو جیسے غموں کی دنیا کو ہمارے پاس کچھ اس رنگ سے خوشی آئی

☆☆ ☆☆

زندگی کی طرح سے رکھتے ہیں　　غم کو دل سے جدا نہیں کرتے

☆☆ ☆☆

روشنی سے جنھیں نسبت ہی نہیں ہے کوئی　　وہ اندھیرے بھی تو امیدِ سحر رکھتے ہیں

☆☆ ☆☆

تیرگی کا پتا وہیں سے ملا　　روشنی میں جہاں جہاں بھٹکے

(۵۳) شکیلؔ، شکیل احمد : مولفِ ''کاروانِ ابر'' نے آپ کے بارے میں جو مختصر معلومات فراہم کی ہے، اس کے مطابق آپ موضع قادرآباد، تحصیل سہسوان کے رہنے والے اور جناب ابرؔ احسنی گنوری کے شاگرد تھے۔ نہایت خوش اخلاق اور متواضع انسان تھے اور اپنے استاد سے غیر معمولی عقیدت رکھتے تھے۔ نمونۂ کلام کے ذیل میں صرف یہ تین اشعار دستیاب ہیں:

مائلِ جور و ستم وہ ستم ایجاد نہیں　　چین اس پر بھی تجھے اے دلِ ناشاد نہیں

آپ کیوں سن کے پریشان ہوئے جاتے ہیں　　میری رودادِ محبت کوئی فریاد نہیں

میری وحشت کو نہ حیرت کی نظر سے دیکھو　　تم نے دیوانہ بنایا ہے، تمھیں یاد نہیں

(۵۴) شیداؔ، ابن علی : شیداؔ کو راقم نے اپنے زمانۂ طالب علمی میں بارہا مقامی مشاعروں میں شرکت کرتے اور غزل پڑھتے ہوئے دیکھا تھا۔ آپ سہسوان کے مشاعروں کے مقبول ترین شاعروں میں سے تھے۔ آواز میں ایک خاص قسم کی کشش تھی جو سامعین کو اپنی جانب متوجہ رکھتی تھی۔ آپ کے والد چودھری خورشید علی موضع چمرپورہ، تحصیل سہسوان کے رہنے والے تھے لیکن آپ نے سہسوان کے محلّہ شہباز پور میں مستقل بود و باش اختیار کر لی تھی اور گذرِ اوقات کی غرض سے اسی محلّے میں کوئی کاروبار کرنے لگے تھے۔ اخلاقؔ سہسوانی کی فراہم کردہ اطلاع کے مطابق یہیں اپریل ۱۹۸۵ء میں آپ کا انتقال ہوا۔ شاعری

میں شیدا کو جناب اقبال احمد شوق سے فیضِ تلمذ حاصل تھا۔ نمونۂ کلام کے طور پر تین غزلوں کے صرف سات شعر دستیاب ہوئے ہیں جو درجِ ذیل ہیں:

خزاں بھی آئی چمن میں، بہار بھی آئی — ہمارے جوشِ جنوں میں نہ کچھ کمی آئی
چمن میں یادِ نشیمن اگر کبھی آئی — فغاں بھی آئی تو لب تک دبی دبی آئی
جمالِ یار کی ضو پاشیاں خدا رکھے — نقابِ حسن سے چھن چھن کے روشنی آئی
نقاب الٹ کے کسی نے کہا خدا حافظ — مریضِ ہجر کو ہچکی جب آخری آئی

☆☆☆☆

حسرتِ دیدار پوری ہو نہ شاید عمر بھر — وہ نقاب الٹیں گے، جب محفل سے اٹھ جائیں گے ہم
موت کیا آتی ہمارے پاس حالِ زار میں — موت تک مر مر کے پہنچے ہیں بڑی مشکل سے ہم

☆☆☆☆

زمانہ ہو گیا پینے سے توبہ کر چکے لیکن — یہ عادت ہے کہ میخانے میں آکر بیٹھ جاتے ہیں

(۵۵) طاہرؔ فرازؔ، انتخاب حسین : دورِ حاضر کے ہند اور بیرونِ ہند کے مشاعروں کے نہایت مقبول اور کامیاب شاعر طاہر فراز نے اگرچہ رام پور میں مستقل سکونت اختیار کر لی ہے، لیکن ان کا اصل وطن سہسوان ہے۔ ان کے والد منشی شاکر حسین ملازمت کے تعلق سے بدایوں میں قیام پذیر تھے۔ وہیں ۲۹/جون ۱۹۵۳ء کو ان کی ولادت ہوئی۔ بدایوں میں سکونت کے باوجود اس خاندان نے سہسوان سے برابر ربط قائم رکھا۔ بالخصوص عشرۂ محرّم یہ لوگ سہسوان ہی میں گذارتے تھے۔ یہ روایت آج بھی قائم ہے، چنانچہ اگر کوئی خاص مجبوری حائل نہ ہو تو خانوادے کے دوسرے افراد کے ساتھ طاہر فراز بھی ان ایام میں سہسوان چلے آتے ہیں۔

طاہرؔ فراز کا اصل نام انتخاب حسین ہے۔ طاہر ان کی عرفیت ہے جو بہ رعایتِ قافیہ ان کے والد کے نام (شاکر) سے مناسبت رکھتی ہے۔ وہ فرازؔ کے ساتھ ساتھ حسبِ ضرورت اسے بھی بہ طور تخلص استعمال کرتے ہیں۔ اس طرح اب طاہر فراز ان کا مستقل قلمی نام قرار پا گیا

ہے۔ طاہرؔ نے ابتدائی درجات سے انٹر کے سالِ اول تک کی تعلیم بدایوں ہی میں حاصل کی۔ مقامی کرسچین مشن انٹر کالج سے ۱۹۶۸ء میں فرسٹ ایر کا امتحان پاس کرنے کے بعد وہ بدایوں سے رام پور منتقل ہو گئے اور ایم.اے. تک کی تعلیم وہیں مکمل کی۔

طاہرؔ فراز کی شاعری اکتسابی نہیں، فطری ہے۔ قدرت نے انھیں زندگی کے سرد و گرم اور تلخ و شیریں تجربات کو سلیقے کے ساتھ شعری لباس میں ڈھالنے کی بھرپور صلاحیت عطا کی ہے۔ ڈاکٹر شوقؔ اثری کے فیضانِ تلمذ کے طفیل وہ زبان و بیان کے رموز و نکات کا بھی بہ حدِ امکان پاس و لحاظ رکھتے ہیں۔ چنانچہ ان کا کلام صرف سامعین ہی کو نہیں، قارئین کو بھی متاثر کرتا ہے اور یہ بہت بڑی بات ہے۔ ''کشکول'' کے نام سے ان کا شعری مجموعہ ۲۰۰۴ء میں استعارہ پبلیکیشنز، نئی دہلی کی طرف سے شائع ہو چکا ہے۔ یہ چند شعر اسی سے انتخاب کیے گئے ہیں:

سخن وہ جنبشِ لب کے بغیر چاہتے ہیں نہیں ہے کھیل کوئی ان سے گفتگو کرنا

☆☆ ☆☆

جن کے کچے مکان ہوتے ہیں وہ سمجھتے ہیں موسموں کا مزاج

☆☆ ☆☆

حصارِ ذات سے مجھ کو ذرا نکلنے دے میں ذرّے ذرّے میں تجھ کو تلاش کر لوں گا
بچا لے روح کو، جلتا ہے جسم جلنے دے یہ شب گذار لے تو لذّتِ گنہ کے بغیر

☆☆ ☆☆

جب گانو میں کہیں کوئی پختہ مکاں نہ تھا بے خوف پنگھٹوں میں کھنکتی تھیں چوڑیاں

☆☆ ☆☆

کتابِ ذاتِ خدا جانے کس زبان میں ہے پڑھے لکھوں کی سمجھ میں بھی کچھ نہیں آتا

☆☆ ☆☆

مجھ کو ملال یہ ہے، مرا سر نہیں گیا وہ اس پہ مطمئن ہے کہ دستار بچ گئی
میں اپنی سطح سے کبھی اوپر نہیں گیا کتنے ہی آسمان دھواں ہوتے دیکھ کر

☆☆ ☆☆

شاید انا نے شہ رگِ جذبات کاٹ دی
دل بھی لہولہان ہے، آنکھیں بھی ہیں اداس

شب تو بس ایک تھی جو ترے ساتھ کاٹ دی
ٹھنڈی ہوائیں، مہکی فضا، نرم چاندنی

☆☆ ☆☆

سانس الجھی، زلف بکھری، سلوٹیں پوشاک پر
مخملی ہونٹوں پہ بوسوں کی نمی ٹھہری ہوئی

☆☆ ☆☆

اپنی پلکوں کو ہم بھگولیں گے
آپ ہم سے اگر نہ بولیں گے

(۵۶) طنز، نثار احمد : نثار احمد طنز بدایوں کے جواں سال ادیب تسلیم غوری کے پڑوسی اوران کے والد کے دوستوں میں سے تھے۔ اگر چہ ان کا کلام گاہ بہ گاہ ان کے زمانے کے اخبارات ورسائل میں چھپتا رہتا تھا لیکن اب بہ حیثیت شاعر ان سے واقفیت کا دائرہ صرف چند افراد تک محدود ہے۔ حتّٰی کہ ''تذکرۂ شعرائے بدایوں'' میں بھی جس کے مولف ۱۹۸۰ء میں بہ طورِ خاص مقامی شعرا کے بارے میں معلومات یکجا کرنے کی غرض سے کراچی سے بدایوں تشریف لائے تھے، ان کا ذکر موجود نہیں۔ تسلیم نے دو ماہی ''ظرافت'' بنگلور کے جولائی، اگست ۲۰۰۸ء کے شمارے میں شائع شدہ اپنے مضمون میں ان کے متعلق جو معلومات فراہم کی ہیں، ان کے مطابق طنز اگر چہ عام طور پر بدایوں کے ساتھ وطنی نسبت کے حوالے سے پہچانے جاتے تھے لیکن ان کا اصل وطن سہسوان تھا اور وہیں یکم جولائی ۱۹۱۳ء کو ان کی ولادت ہوئی تھی۔ والد کا نام غفور احمد تھا۔ انھوں نے پرائمری درجات تک کی تعلیم بھی سہسوان ہی میں حاصل کی۔ بعد ازاں انھیں گورنمنٹ ہائی اسکول، بدایوں میں داخل کر دیا گیا، جہاں سے انھوں نے ۱۹۳۳ء میں ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۳۴ء میں فارسی میں منشی کامل کی سند حاصل کی۔ چند سال کے وقفے کے بعد ۱۹۴۰ء میں نارمل اسکول، مظفر نگر سے وی.ٹی.سی (ورنا کیولر ٹیچنگ سرٹیفکٹ) کا امتحان پاس کر کے بدایوں ڈسٹرکٹ بورڈ کے اسکول میں مدرس ہو گئے۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد اپنی ملازمت بہ حیثیت کلرک ڈسٹرکٹ بورڈ کے دفتر میں منتقل کرالی اور وہیں سے

ریٹائر ہوئے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد محلّہ جالندھری سرائے میں ایک مکان خرید کر وہیں مستقل بود و باش اختیار کر لی تھی۔ ۲ر ستمبر ۱۹۸۳ء کو اسی مکان میں ان کا انتقال ہوا۔

طنّز کا رجحانِ طبیعت صرف طنز و مزاح نگاری کی طرف تھا۔ تسلیم نے اپنے مضمون میں ان کا جو کلام نقل کیا ہے، وہ تین قطعات اور دو نظموں پر مشتمل ہے۔ دونوں نظمیں مسدس کی ہیئت میں ہیں اور ان میں بندوں کی تعداد بالترتیب سات اور بیس ہے۔ ان میں سے دو قطعات اور دوسری نظم کے تین بند یہاں پیش کیے جاتے ہیں۔ اس نظم میں جس پر اقبالؔ کی مشہور نظم ''شکوہ'' کے اثرات نمایاں ہیں، ایک حسینہ اپنے محبوب سے اس کی بے رخی پر شکوہ سنج ہے۔ ملاحظہ ہوں کلام کے یہ نمونے:

موسمِ سرمانے لی ایسی خبر　　سارا یو.پی ہی جکڑ کر رہ گیا
برہمن کٹیا میں ٹھٹھرا ہے پڑا　　شیخ حجرے میں اکڑ کر رہ گیا

☆☆☆☆

زمانہ یہ ہے رہے بے تکلفی باہم　　تکلفات ہوں جس میں وہ پیار ہی کیا ہے
بغیر فور ٹوئنٹی کے دوستی کیسی　　جو جیب صاف نہ کر دے وہ یار ہی کیا ہے

☆☆☆☆

روکتا تھا کوئی مجھ کو تو میں اڑ جاتی تھی　　جب نہ پاتی تھی اجازت تو اکڑ جاتی تھی
کوئی کہہ دیتا تھا کچھ بھی تو بگڑ جاتی تھی　　ممی کیا چیز ہیں، ڈیڈی سے بھی لڑ جاتی تھی
آخرش تجھ کو بڑے چاؤ سے پایا میں نے
پارٹی دے کے تجھے گھر پہ بلایا میں نے

اہلِ دل اور بھی ہیں، میرے طلب گار بھی ہیں　　چند اغیار بھی ہیں، چند نمک خوار بھی ہیں
کچھ بساطی بھی ہیں، بزاز بھی، منہار بھی ہیں　　مجھ کو ہتیانے میں جو بر سرِ پیکار بھی ہیں
پھر بھی محبوب مرے! میں تری دیوانی ہوں
کیا تجھے یاد نہیں، میں ہی تری جانی ہوں

کر کے نو لفٹ ہر اک یار کو چھوڑا میں نے　　رشتۂ عہدِ وفا تجھ سے ہی جوڑا میں نے

یہ پتا کیا تھا کہ تقدیر کو پھوڑا میں نے   دل کہاں جھونک دیا لا کے نگوڑا میں نے

یہ پتا کیا تھا کہ تو غیر سے گھُ جائے گا
گیت گائے گا تو اوروں کے، مرا کھائے گا

(۵۷) ظفؔر، مولوی ظفر الدین : ظفؔر کے دو قطعاتِ تاریخ ''نسخۂ اسبابِ تندرستی'' مصنفہ منشی فاخر حسین فاخؔر کے آخر میں درج ہیں جن کے عنوان میں انھیں ''ناظم و ناثر و مورّخِ لا ثانی'' لکھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ان کے بارے میں کوئی اور معلومات دستیاب نہیں۔ قطعات درجِ ذیل ہیں:

لکھا ہے یہ رسالہ واقعی فاخؔر نے پاکیزہ   بجا ہے، شہرت اس کے حسن و خوبی کی جو ہر سو ہے
رفاہِ خلق و فیضِ عام سے مملو ہے سرتاپا   ہر اک مدّاح ہے، ثنا کی مسلماں ہے نہ ہندو ہے
میں ہوں اس بات کا عاشق کہ کیا اثباتِ دعویٰ ہے   بلا شک گوشت کی ناجائزی کا خوب فوٹو ہے
کھلا ہے کشف سے یہ رازِ مخفی، وجد میں ہر دم   لحد میں روحِ جالینوس و لقمان وارسطو ہے

ظفؔر پڑھ کر اسے تاریخ برجستہ لکھی میں نے
رسالہ ہے یہ تو، شبہوں کا جنگی ایک کمبو ہے[1]

۱۳۲۳ھ

للہ الحمد آج وہ شے دیکھ لی   منتظر تھی جس کی چشمِ مدّعا
یہ رسالہ قابلِ تحسین ہے   واہ وا، صد آفریں، صد مرحبا
حفظِ صحت کا ہے دستور العمل   بہرِ بیماراں ہے داروے شفا

یہ قلم سے نکلی تاریخ اے ظفؔر
سچ یہ ہے، ہے شبہ فاخؔر کا بجا

۱۳۲۳ھ

[1] اس مصرعے سے ۱۳۲۳ھ کی بجائے ۱۳۱۳ھ برآمد ہوتا ہے

(۵۸) عاجزؔ، حکیم سید عبدالحق : صاحب ''حیات العلما'' کے مطابق آپ نے فنِ طب کی تحصیل حکیم شیخ مصطفیٰ علی سے کی تھی۔ وفات کے دو قطعاتِ تاریخ ''حکایاتِ ندرت طراز'' مصنفہ سید خلیل احمد عاقلؔ میں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا انتقال ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء میں ہوا۔ اس کے علاوہ آپ کے بارے میں کوئی اور معلومات حاصل نہیں ہوسکی۔ نمونۂ کلام کے طور پر صرف دو قطعاتِ تاریخ دستیاب ہیں جو سطورِ ذیل میں درج ہیں۔ یہ دونوں قطعات بالترتیب عاقلؔ سہسوانی کی دو تصانیف کے سالِ ترتیب وطباعت سے متعلق ہیں۔

قطعۂ تاریخ ''حکایاتِ ندرت طراز''

ہیں یہ سب قصے خلیل احمد کے عمدہ اور خوب	کام بخش اہلِ دنیا و مفیدِ اہلِ دیں
لکھ دو یہ تاریخ عاجزؔ جس سے ثابت ہے دعا	ہووے یہ مشہورِ عالم قصّہ یا ربّ معیں

۱۳۱۲ھ

قطعۂ تاریخ طبعِ مثنوی ''خلدِ خلیل''

ہے یہ دلچسپ اور نیا قصّہ	سارے قصّوں میں مرتبہ ہے رفیع
اس کی تاریخ یہ لکھو عاجزؔ	بے بہا، بے نظیر، خوب، بدیع

۱۸۸۶ء

(۵۹) عاجزؔ، سید لئیق احمد : آپ کے بارے میں صرف اس قدر معلوم ہے کہ آپ سید صدیق احمد کے صاحبزادے اور سید انیس احمد شائقؔ (متوفی ۶۳-۱۹۶۲ء) کے بڑے بھائی تھے۔ آپ کا کلام ''جلوۂ یار'' میرٹھ اور بعض دوسرے گلدستوں میں برابر شائع ہوتا رہتا تھا۔ ''جلوۂ یار'' کے مئی ۱۹۱۰ء و ستمبر ۱۹۱۰ء کے شماروں میں شائع شدہ دو غزلوں کے چند اشعار سطورِ ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

برگِ گل لب ہیں تو رخ رنگینیِ گل کا جواب	چشم نرگس کا ہے، زلفِ یار سنبل کا جواب
اس خمِ ابرو کو محرابِ عبادت جان کر	سر جھکا ورنہ طلب ہوگا تغافل کا جواب

یہ پُر از خونِ جگر، اس میں شرابِ لالہ رنگ آبلہ دل کا بنا ہے شیشۂ مل کا جواب
آنکھ سے بہہ کر جو اشکِ لالہ گوں اس پر گرے دامنِ عاشق بنا ہے دامنِ گل کا جواب

کر دیا ہے خط میں تو عاجزؔ بہت اظہارِ عجز
دیکھیے کیا آئے اس مستِ تغافل کا جواب

اس سہی قد کی جو ہیں ٹھوکریں کھانے والے وہ قیامت کو ہیں چٹکی میں اڑانے والے
پس کے اس پائے نگاریں سے حنا کہتی ہے رنگ یوں اپنا جماتے ہیں جمانے والے
او ستم کیش نہ کر ظلم و ستم سے توبہ ابھی زندہ ہیں ترے جور اٹھانے والے
کس قیامت کا خدا جانے انھیں یاد ہے ڈھب دل چرا لیتے ہیں یہ آنکھ چرانے والے

(۶۰) عادلؔ، بنّے علی : عادل کے والد کا نام حفیظ اللہ اور تاریخ پیدائش ۱۸؍دسمبر ۱۹۳۲ء ہے۔ ٹیلرنگ کے پیشے سے وابستہ تھے۔ تعلیم برائے نام تھی مگر قدرت نے شعر گوئی کی صلاحیت ودیعت کرنے میں خاصی فیاضی سے کام لیا تھا۔ آغازِ شعر گوئی کے زمانے میں کچھ دنوں تک مولوی سید نظر احمد افسوںؔ سے اصلاح لیتے رہے۔ بعد میں اخلاقؔ سہسوانی کو اپنا کلام دکھانے لگے تھے۔ ان کے ہم محلّہ بھی تھے چنانچہ یہ قرب انھیں ادبی طور پر متحرک اور سرگرم رکھنے میں بہت مددگار ثابت ہوا۔ تقریباً ستتر سال کی عمر میں ۱۴؍ستمبر ۲۰۰۹ء کو وفات پائی۔ نمونۂ کلام یہ ہے:

پھیلا ہے تعصب کا دھواں جن کی بدولت لوگ ایسے چراغوں کو بجھا کیوں نہیں دیتے

☆☆ ☆☆

دلِ ناداں نہ مچل رات کے سناٹے میں کچھ تو ماحول میں ڈھل رات کے سناٹے میں
شامِ غم یوں مری آنکھوں میں ہے وہ پیکرِ ناز جھیل میں جیسے کنول رات کے سناٹے میں

☆☆ ☆☆

فصلِ گل آئی تو ہم ہو گئے محبوسِ قفس خاک چھانی تھی بہت ہم نے بہاروں کے لیے

☆☆ ☆☆

جب تصوّر کے حسیں عالم میں کھو جاتا ہے دل ان کے جلووں کو قریں، بے حد قریں پاتا ہے دل
جل رہے تھے آشیانے، ہنس رہا تھا باغباں جب یہ منظر یاد کرتا ہوں تو بھر آتا ہے دل

☆☆ ☆☆

کبھی ڈر برق و باراں کا، کبھی صیّاد کا خطرہ اسی صورت سے کاٹی ہے چمن میں زندگی میں نے

(۶۱) عاصیؔ، منشی ایشوری پرشاد : ''راجستھان میں فروغِ اردو کا صد سالہ جائزہ'' کے زیرِ عنوان مفتوںؔ کوٹوی کا ایک مضمون سہ ماہی ''اردو ادب'' علی گڑھ کے شمارہ نمبر ۲ بابت ۱۹۶۶ء میں شائع ہوا تھا، اس میں عاصیؔ کے متعلق انھوں نے لکھا ہے:

''منشی ایشوری پرشاد عاصیؔ سہسوان، ضلع بدایوں (یو. پی) کے رہنے والے تھے۔ تلاشِ معاش میں بوندی آئے اور تا زیست بوندی ہی میں رہے۔ ان کا زمانہ ۱۹۰۱ء سے ۱۹۲۰ء تک کا سمجھنا چاہیے۔''

عاصیؔ دربار ہائی اسکول، بوندی میں اردو اور فارسی کے استاد تھے۔ اسکول کے علاوہ گھر پر بھی تشنگانِ علم کی سیرابی کا سلسلہ جاری تھا۔ ان کی نواسی کے شوہر منشی پربھو دیال رقمؔ نے جو ان کے شاگرد بھی تھے، اپنی ایک غزل کے مقطعے میں عاصیؔ کو یوں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے:

مثلِ عاصیؔ کس کو استادی کا دعویٰ ہے رقمؔ حکم ان کا میں بجا لاتا ہوں شاگردانہ آج

''راجستھان میں اردو زبان و ادب کے لیے غیر مسلم حضرات کی خدمات'' کے فاضل مصنف ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی کو بھی عاصیؔ کا کوئی شعر نہیں ملا۔ انھوں نے بھی رقمؔ کے مندرجۂ بالا شعر ہی کے حوالے سے ان کی استادی کا ثبوت فراہم کیا ہے۔

(۶۲) عاصیؔ، سید محمد احمد نقوی : سید محمد احمد نقوی مولوی سید جمیل احمد جمیلؔ کے فرزندِ اصغر سید عبدالغفار کے صاحبزادے تھے۔ تاریخی نام ''منظور الحسن'' تھا جس کے مطابق ان کی ولادت ۱۳۴۵ھ (۲۷-۱۹۲۶ء) میں ہوئی تھی۔ تعلیم و تربیت بھوپال میں

ہوئی۔ ۱۹۴۳ء میں وہاں سے ہائی اسکول کرنے کے بعد مزید تعلیم کی غرض سے علی گڑھ چلے گئے اور ۱۹۴۸ء میں بی.اے آنرز کر کے بھوپال واپس چلے آئے۔ اسی سال شہر یار ہائی اسکول، سیہور میں بہ طور اسسٹنٹ ٹیچر ان کا تقرر ہو گیا۔ ۱۹۵۱ء کے وسط میں ترکِ وطن کر کے پاکستان چلے گئے۔ وہاں حیدر آباد (سندھ) میں مہاجرین کے قائم کردہ ایک مڈل اسکول میں ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔ اسی ملازمت کے دوران سندھ یونیورسٹی، حیدر آباد سے بی.ٹی کی سند حاصل کی۔ اس کے بعد جس اسکول سے وابستہ تھے، اسے پہلے ہائی اسکول اور بعد ازاں انٹر کے درجے تک ترقی دے کر گورنمنٹ نیو میتھڈ اسکول کے پرنسپل کی حیثیت سے کراچی منتقل ہو گئے۔ ۱۹۸۵ء میں اسی اسکول سے ریٹائر ہوئے۔ ریٹائرمنٹ کے کچھ دن بعد ہی ۱۹/ جولائی کو آپ کا انتقال ہو گیا۔

ذہانت اور موزونیٔ طبع عاصی کو اپنے دادا سے وراثت میں ملی تھی، اس کے باوجود شعر گوئی میں بہت زیادہ انہماک نہ تھا۔ دوستوں کی فرمائش یا کسی اور محرک کے تحت کبھی کبھی کچھ کہہ لیا کرتے تھے۔ غزل کے بعد رباعی آپ کی دوسری پسندیدہ صنفِ سخن تھی۔ ناقل کی ناموزونیِ طبع سے مجروح آپ کے کلام کے جو چند نمونے ہم تک پہنچے ہیں، ان میں سے ایک غزل کے دو شعر اور چار رباعیاں سطور ذیل میں نقل کی جاتی ہیں:

بننے کی خوشی کوئی نہ مٹ جانے کا غم ہے — ہستی نہیں، اک نقشِ سرِ راہِ عدم ہے
رونا بھی ستم اور نہ رونا بھی ستم ہے — یہ ضبط کی توہین، وہ ناقدریِ غم ہے

☆☆☆☆

محفل کا عجب رنگ ہوا جاتا ہے — ہر مستِ خرابات اٹھا جاتا ہے
آنا ہے تو آ جاؤ کہ عاصی کا بھی — کچھ دیر میں پیمانہ بھرا جاتا ہے

☆☆☆☆

ہر جنبشِ مژگاں سے شرارت جھلکے — ہر لغزشِ مستانہ سے آنچل ڈھلکے
زلفیں ہیں کہ جس طرح گھٹا منڈلائے — آنکھیں ہیں کہ جس طرح صبوحی چھلکے

☆☆☆☆

قدرت کا جو منشا ہے، کیے جاتا ہوں جینا نہیں منظور، جیے جاتا ہوں
عاصیؔ مے تلخ کو گوارا کرکے آلام کی تلخی کو پیے جاتا ہوں

☆☆☆☆

ہونٹوں پہ تبسّم ہے مگر بیرونی آنکھوں میں آشاؤں کی نگری سونی
بھرپور جوانی میں جدائی کی کسک جیسے کوئی سادھو ہو رمائے دھونی

(۶۳) عاقلؔ، سید خلیل احمد : آپ کے والد کا اسمِ گرامی سید نیاز علی تھا جو سلطنتِ اودھ میں تحصیل دار کے منصب پر فائز تھے۔ تاریخی نام ''سید ابنِ مظہر'' کے مطابق خلیل احمد کی ولادت ۱۲۷۲ھ (۵۶-۱۸۵۵ء) میں ہوئی تھی۔ آپ کے مبلغِ علم کے بارے میں کوئی مصدقہ معلومات دستیاب نہیں لیکن آپ کی تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ فارسی میں اچھی دستگاہ اور عربی سے بہ قدرِ ضرورت واقفیت رکھتے تھے۔ حمد و نعت و منقبت سے متعلق آپ کی دس توشیحات کا ایک مختصر مجموعہ ۱۲۹۱ھ مطابق ۱۸۷۴ء میں مطبع الطافی، کان پور میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔ اس کے سرورق پر اور خاتمے کے ذیل میں آپ کو ''شاگرد و برادرِ خوردِ سید طفیل احمد صاحب غافلؔ'' لکھا گیا ہے، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ شعر گوئی کے ابتدائی دور میں اپنے برادرِ بزرگ سے اصلاح لیتے تھے۔ بعد میں آپ نے سلسلۂ اسیر و امیر کے دو سہسوانی اساتذہ منشی عبدالعزیز اعجازؔ (متوفّٰی ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء) اور منشی عابد حسین عابدؔ (متوفّٰی ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۲ء) سے رجوع کیا اور غالباً دونوں سے بہ یک وقت اصلاح لی۔ ''حکایاتِ ندرت طراز'' کے ''خلاصۂ سببِ تالیف'' (۱۳۱۱ھ/۱۸۹۴ء) کے تحت رقم طراز ہیں:

میرے دو صاحب ہیں استادِ کلام ایک ہیں عبدالعزیز اعجازؔ نام
دوسرے عابد حسین عابدؔ لقب دونوں صاحب ہیں بڑے عالی نسب
ان کو ہر فن میں مہارت ہے کمال اپنی، دنیا میں نہیں رکھتے مثال

متذکرۂ بالا ''توشیحاتِ عاقلؔ'' کے علاوہ آپ کی تین اور تصانیف بہ صورتِ مطبوعہ دستیاب ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

(۱) مثنوی خلدِ خلیل، مطبوعہ وکٹوریا پریس، بدایوں، ۱۸۸۶ء : عاقلؔ نے شروعِ جوانی میں کچھ دن تک ریاست گوالیار کے ایک ضلعی صدر مقام عیسیٰ گڑھ میں بہ طور منصرم ملازمت کی تھی۔ وہاں اس زمانے میں حاجی احمد بریلوی بہ حیثیت تھانہ دار تعینات تھے۔ انھوں نے عاقلؔ کو ایک داستان سنائی تھی جس میں نامساعد حالات میں صبر سے کام لینے اور ہمت سے ان کا مقابلہ کرنے کی تلقین کی گئی تھی اور فرمائش کی تھی کہ وہ اسے نظم کردیں تاکہ ع فائدہ اس سے اٹھائے ہر بشر۔ عاقلؔ نے یہ مثنوی اسی فرمائش کی تعمیل میں لکھی ہے۔

(۲) حکایاتِ ندرت طراز، مطبوعہ نظامی پریس بدایوں، ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء : یہ مختلف اصناف سے متعلق عاقلؔ کی متفرق نظموں کا مجموعہ ہے، اس میں وہ دس توشیحات بھی شامل ہیں جو ۱۸۷۴ء میں ''توشیحاتِ عاقلؔ'' کے نام سے شائع ہوچکی تھیں۔

(۳) مجموعۂ لغاتِ مرادف، مطبوعہ مطبعِ یوسفی سہسوان، ۱۹۲۳ء : ہم معنی الفاظ پر مشتمل یہ لغت عاقلؔ نے اپنے نواسے سید محمد عالم کی تعلیم کے لیے مرتب کیا تھا۔

یہاں ''حکایاتِ ندرت طراز'' میں شامل مختصر مثنوی موسوم بہ ''نامۂ الفت'' کی ایک غزل اور قصیدہ درمدحِ نواب محبوب علی خاں، نظامِ دکن سے پانچ پانچ شعر عاقلؔ کے نمونۂ کلام کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں:

بات بگڑی ہوئی بنائیں ہم — ان کو سو سو طرح منائیں ہم
روز سو دل کہاں سے لائیں ہم — جو تمھارے ستم اٹھائیں ہم
مے کی توبہ سے کیا پشیماں ہیں — دیکھ کر زاہدو! گھٹائیں ہم
آبِ شمشیر، دل میں ہے، پی لیں — اس طرح تشنگی بجھائیں ہم
زندگانی وبال ہے عاقلؔ — ہجر کا حال کیا سنائیں ہم

☆☆☆☆

ماحیِ ظلم و تعدّی، دافعِ رنج و عنا — دافعِ رنج و عنا و باعثِ امن و اماں
باعثِ امن و امان و بانیِ بنیادِ عدل — بانیِ بنیادِ عدل و مخزنِ فیضِ جہاں
مخزنِ فیضِ جہان و موجدِ رسمِ سخا — موجدِ رسمِ سخا و بحرِ فیضِ بے کراں

اس کے دورِ عدل میں پائے اگر شمّہ ضرر ماہ کے تارِ شعاعی سے سیں چاکِ کتاں
منتشر ہو جائے گر شیرازۂ اوراقِ گل شرق سے تا غرب بھاگے خوف سے بادِ خزاں

(۶۴) **عبرتؔ، سید التفات الرحمٰن** : آپ کا اصل نام سید التفات حسین تھا لیکن یہ نام صرف سرکاری کاغذات تک محدود تھا۔ بہ طورِ عموم آپ خود کو التفات الرحمٰن کہنا اور کہلوانا پسند کرتے تھے۔ والد کا اسمِ گرامی سید محمد اسحاق تھا۔ شروع میں آپ نے کچھ عرصے تک محکمۂ پولس میں بہ طور کانسٹبل ملازمت کی۔ بعدازاں دہلی میں ڈاک کے محکمے میں پوسٹ مین کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہو گیا۔ حق گوئی اور بے باکی آپ کے کردار کا نمایاں ترین وصف تھا، چنانچہ تاعمر اپنے اس قول پر کہ ع علی الاعلان کہتا ہوں، لگی لپٹی نہیں رکھتا، کاربند رہے۔ اسی طرزِ فکر و عمل کی بنا پر اپنے اور اپنے ساتھیوں کے مفادات کے تحفظ کے لیے آپ نے آل انڈیا پوسٹ مین ایسوسی ایشن کی بنیاد رکھی اور ریٹائرمنٹ کے وقت تک اس کے جنرل سکریٹری رہے۔ ۱۹۴۵ء میں ملازمت کا سلسلہ ختم ہوا تو سہوان چلے آئے اور کچھ دنوں کے بعد اپنے محلے کے برانچ پوسٹ آفس کے انچارج ہو گئے۔ عمر کے آخری ایام اپنے بیٹے سید محفوظ الرحمٰن کے پاس بریلی میں گذارے۔ وہیں ۳۱ رنومبر ۱۹۶۴ء کو اسّی سال سے کچھ زیادہ عمر میں وفات پائی۔

شاعری کو آپ نے کبھی سنجیدگی کے ساتھ ایک فن کے طور پر نہیں برتا۔ یہ آپ کے لیے محض تفننِ طبع کا ایک ذریعہ اور مذہبی جلسوں یا یونین کے اجتماعات کو گرمانے کا ایک وسیلہ بنی رہی۔ چنانچہ زبان و بیان کی معمولی غلطیوں کو خاطر میں نہ لانا اور وزن کی تھوڑی بہت ناہمواری کو نظرانداز کر دینا آپ کے معمولات میں شامل تھا۔ سہوان آنے کے بعد کبھی کبھی مشاعروں میں بھی شرکت کرنے لگے تھے، لیکن پرانی روش میں کوئی فرق نہیں آیا تھا، اس کے باوجود گاہ بہ گاہ اچھے شعر بھی نکال لیا کرتے تھے۔

قیامِ دہلی کے زمانے میں آپ کے کلام کا ایک نہایت مختصر مجموعہ ''نعرۂ توحید و سنت'' (عرف) ''تازیانۂ عبرت'' کے نام سے جید برقی پریس، دہلی میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔ اب اس کے علاوہ آپ کے نتائجِ فکر کا کوئی اور نمونہ دستیاب نہیں، چنانچہ اسی مجموعے سے چند شعر

سطورِ ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

بہ فرمانِ اللہ العالمیں کیا شان ہے واللہ | امام الانبیا سے کوئی بہتر ہو نہیں سکتا
ابو بکر و عمر عثمان و حیدر سرورِ دیں ہیں | خلافت میں بھی ان چاروں سے بہتر ہو نہیں سکتا
دکھا کر سبز گلشن خوب پھانسا ہے غریبوں کو | خلافِ مصطفیٰ جو ہے وہ لیڈر ہو نہیں سکتا
پلا دے ساقیا وہ جام، دل بیتاب ہے میرا | کہ جس کے مرتبے کا آبِ کوثر ہو نہیں سکتا

☆☆☆☆

شریفِ مکہ سے سرزد ہوئے افعالِ شیطانی | کیا تھا اختیار اس نے طریقِ نا مسلمانی
ہوئی دارین میں ظالم کو حاصل سخت رسوائی | نہ آیا ہاتھ اس نافہم کے غیراز پشیمانی
یقیناً نجدیوں کے ساتھ ایک امدادِ غیبی تھی | موحّد کو ہمیشہ ملتی ہے تائیدِ ربّانی
ہوا وہ راندۂ درگاہ جب روپوش جدّہ میں | وہاں بھی کر گئی کام اپنا تیغِ حق کی عریانی

☆☆☆☆

کلمۂ توحید جب وردِ زباں ہو جائے گا | داورِ محشر بھی ہم پر مہرباں ہو جائے گا
خونِ دل سے ہم نے سینچا تھا نہالِ آرزو | کیا خبر تھی اس طرح نذرِ خزاں ہو جائے گا

(۶۵) غافلؔ، سید طفیل احمد : جیسا کہ سید خلیل احمد عاقلؔ کے حالات میں ذکر کیا جا چکا ہے، غافلؔ ان کے بڑے بھائی اور ابتدائی زمانۂ شعر گوئی کے استاد تھے۔ ولادت ۱۲۷۲ھ سے (۵۶-۱۸۵۵ء) جو عاقلؔ کا سالِ پیدائش ہے، چند سال پہلے ہوئی ہوگی۔ قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ خاصے ذی علم شخص تھے۔ انتقال ۲۳ر جون ۱۹۲۵ء کو ہوا۔ اس کے علاوہ ان کے بارے میں کوئی اور معلومات دستیاب نہیں۔

مولف کو غافلؔ کے ایک پانچ ورقی مختصر رسالے ''عقائد نامۂ غافلؔ سہوانی'' مطبوعہ دہم محرم الحرام ۱۲۹۲ھ (۱۶ر فروری ۱۸۷۵ء) کا آخری ورق ملا ہے، جس پر ان کا ایک فارسی قصیدۂ حمدیہ بہ عنوان ''قصیدہ من نتائجِ افکار برگزیدۂ روزگار جناب مولوی سید طفیل احمد صاحب غافلؔ سہوانی، مصنفِ عقائد نامۂ غافل سہوانی مرقومۂ بالا'' درج ہے۔

یہ قصیدہ عرفیؔ شیرازی کے مشہور حمدیہ قصیدے کی زمین میں ہے اور چوبیس اشعار پر مشتمل ہے۔ چند اشعار ہدیۂ ناظرین ہیں:

تیغِ تیزِ کنگرِ قصرِ رفیعِ وصفِ تو ہمچو سر بال و پرِ مرغِ زباں اند اختہ
از ہجومِ صرصرِ حیرت بہ باغِ مدحِ تو شاخِ نطقِ شاعراں برگِ بیاں اند اختہ
صنعت از زلف در گلزارِ جسمِ شاہداں سنبل اندر سایۂ سروِ چماں اند اختہ
ہر کجا در بحرِ کنہت کشتیِ عقل اوفتاد لطمہ ہائے موج خیزش برکراں اند اختہ
کم تریںِ عاشقانت در علوِ مرتبت از کواکب تف بہ روئے آسماں اند اختہ
رنگِ وصفِ تو زباں چوں برگِ گل می خواست ریخت حیرتش بر خاک چوں برگِ خزاں اند اختہ
اے نشاں ہا در رہِ دریافتِ تو بے نشاں خبرتِ کنہت یقیں را درگماں اند اختہ
خاکساراں را بہ تختِ پاد شاہی دادہ جا تاجِ نخوت از سرِ مرزا و خاں اند اختہ

(۶۶) غبارؔ، شجاع احمد انصاری : شجاع احمد انصاری ولد حاجی ابرار حسین، ۲۷ر دسمبر ۱۹۷۰ء کو محلّہ کٹرہ سہسوان میں پیدا ہوئے۔ معمولی مذہبی تعلیم کے بعد ٹیلرنگ کی تربیت حاصل کی اور آئندہ زندگی میں اسی کو ذریعۂ معاش بنایا۔ آج کل اسی سلسلے سے بمبئی میں مقیم ہیں۔ ہوش سنبھالنے کے بعد جامعہ اردو کے امتحانات پاس کر کے تعلیم کے معاملے میں بھی خاصی پیش رفت حاصل کر لی ہے۔ شعر گوئی کا آغاز ۱۹۸۷ء میں ہوا۔ اس میدان میں اخلاقؔ سہسوانی کے شاگرد ہیں اور فکری و فنّی دونوں اعتبار سے نہایت اچھے شعر کہتے ہیں۔ مندرجہ ذیل اشعار اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

بھر جائیں گے یہ زخم جو نوکِ سناں کے ہیں وہ زخم کس دوا سے بھریں جو زباں کے ہیں
اتنی بھی ہجرتیں نہ کرو رزق کے لیے مر کر بھی یہ پتا نہ چلے ہم کہاں کے ہیں
تھک کر میں راہ میں کبھی بیٹھا نہیں غبارؔ شاہد یہ آبلے مرے عزمِ جواں کے ہیں

☆☆ ☆☆

غم چھوڑتے ہیں ساتھ ہمارا نہ شاعری ہم پر بھی کیا نصیبِ ظفرؔ کی نگاہ ہے

قاتل کے حق میں ہوگا عدالت کا فیصلہ انصاف کی امید مجھے خوامخواہ ہے
حق بات پر زبان نہ کٹ جائے سوچ لے مت بھول اے غبارؔ یہ دربارِ شاہ ہے

☆☆ ☆☆

چھوٹ جاتا ہے صبر کا دامن جب تمھارا خیال آتا ہے
ڈھال دیتا ہے غم میں خوشیوں کو وقت کو جب جلال آتا ہے
کوئی مرتا ہے نیکیوں کے لیے کوئی دریا میں ڈال آتا ہے

☆☆ ☆☆

حادثوں پر ملال کرتا ہے تو بھی اے دل کمال کرتا ہے
کیا ہوا ہے ہمارے چہرے کو آئنہ کیوں سوال کرتا ہے
آدمیت مرا نہیں کرتی آدمی انتقال کرتا ہے

(۶۷) **فداؔ، حکیم سید احمد حسن** : مولوی حکیم سید احمد حسن مودودی قاضی سید محمد حسن صالحی کے بیٹے تھے۔ ولادت ۱۲۴۵ھ (۳۰-۱۸۲۹) کے آس پاس سہسوان میں ہوئی۔ وطن میں ابتدائی درسیات کی تحصیل کے بعد دہلی گئے اور وہاں مختلف علما و فضلا کے حلقۂ درس میں شامل ہو کر علوم متداولۂ فارسی و عربی کی تکمیل کی۔ آپ کی والدہ بڑودے کی رہنے والی تھیں، اس لیے تحصیلِ علم سے فراغت کے بعد آپ نے بھی بڑودے کا رخ کیا۔ وہاں نامور طبیب حکیم ہاشم علی خاں موہانی سے باقاعدہ درس لے کر فنِ طب کی تعلیم مکمل کی اور مطب کو ذریعۂ معاش بنا کر وہیں مقیم ہو گئے۔ دیگر علوم وفنون کے ساتھ شاعری سے بھی آپ کو یک گونہ طبعی مناسبت تھی، اس لیے فارسی و اردو دونوں زبانوں میں شعر بھی کہتے تھے، لیکن اصلاحِ کلام کا کوئی سلسلہ نہ تھا۔ ستمبر ۱۸۶۰ء میں نواب سید صدیق حسن خاں کے برادرِ بزرگ سید احمد حسن عرشیؔ شاگردِ غالبؔ کے توسط سے غالبؔ کے شاگرد ہوئے اور ان کی زندگی کے آخری ایام تک ان سے مشورۂ سخن کرتے رہے۔ غالب کو آپ کے ساتھ جو تعلقِ خاطر پیدا ہو گیا تھا، اس کا ثبوت آپ کے نام کے وہ خطوط ہیں جو ''اردوے معلّٰی'' میں شامل ہو کر شائع ہو چکے ہیں۔

آپ نے پینسٹھ سال کی عمر پا کر ۱۳۱۰ھ (۹۳-۱۸۹۲ء) میں وفات پائی۔ کلام کا ایک مختصر مجموعہ ''دیوانِ فدا'' کے نام سے ۱۹۷۹ء میں عثمانی پریس مدراس میں چھپ کر منظر عام پر آچکا ہے۔ رنگِ سخن مندرجہ ذیل اشعار سے ظاہر ہے:

مرتا ہوں، ریل روڈ میں جلد آؤ، دیکھ لو | بھیجی ہے یہ خبر اسے ٹیلی گراف میں

☆☆ ☆☆

کہیں تلپٹ نہ ہو جائے ابھی سے جوشِ وحشت میں | یہ نقدِ دل جنوں کے بینک میں اپنی امانت ہے

☆☆ ☆☆

غمِ فراق میں دیکھا جو میرا سوز و گداز | ہوئی ہے شمع کو کیا مجھ سے شرمساری رات
غبارِ خاطرِ جاناں کو دھو دیا یکسر | ہمارے، برسوں میں، کام آئی اشک باری رات

☆☆ ☆☆

جوں کتاں اس مہِ کامل کا جگر شق ہو جائے | یار گر کھولے قبا کے شبِ مہتاب میں بند

☆☆ ☆☆

تماشا رقصِ بسمل کا دکھاتا پر یہ ڈرتا ہوں | نہ کوئی چھینٹ پڑ جائے کہیں دامانِ قاتل پر

☆☆ ☆☆

تمھاری شکل تھی فرقت میں رو بہ رو ہر وقت | ہمارے پاس تھے تم، اس لیے نہ بھیجا خط
کہوں کسی سے تو افشائے راز ہوتا ہے | لکھوں جو آپ تو پہچانتا ہے میرا خط

☆☆ ☆☆

پردۂ فانوس سے ہو شمع جیسے آشکار | یوں نمایاں جسم سے ہیں داغِ پنہانِ فراق

☆☆ ☆☆

جو کامل جذبِ عاشق ہو تو وصلِ یار کیا مشکل | کشش سے خود کی کھچ جاتی ہے دیکھو چرخ پر شبنم
نہیں معلوم دونوں کس رخِ رنگیں پہ شیدا ہیں | ادھر دامانِ گل ہے چاک، روتی ہے ادھر شبنم

☆☆ ☆☆

یوسف کہا کسی نے، کسی نے قمر کہا | منہ دیکھ اس کا پڑ گئے سب اختلاف میں

(۶۸) فرازؔ، سرفراز احمد انصاری : نثار احمد انصاری کے صاحبزادے فرازؔ انصاری ۲۶ / جون ۱۹۶۵ء کو پیدا ہوئے۔ مقامی مکتبی تعلیم سے فراغت کے بعد جامعہ اردو، علی گڑھ سے ادیب کامل کی سند حاصل کی۔ ۱۹۸۵ء میں شعر گوئی کی طرف راغب ہوئے اور اخلاقؔ سہسوانی کا تلمذ اختیار کیا۔ وسیلۂ معاش تجارت ہے۔ کلام کی کیفیت کا اندازہ مندرجہ ذیل اشعار سے کیا جا سکتا ہے:

بندگی ایک در کی طالب ہے	سجدے ہم در بہ در نہیں کرتے
سر پہ سایہ خلوص کا رکھ کر	زندگی کیوں بسر نہیں کرتے
باتوں باتوں میں بات بڑھتی ہے	بات کیوں مختصر نہیں کرتے

☆☆☆☆

مناؤ جشن تباہی کا مفلسوں کی مگر	رہے خیال خدا کی بھی مار باقی ہے
لکھوں تو کیسے لکھوں گھر کی بات کاغذ پر	غریب ہو کے بھی تھوڑا وقار باقی ہے

(۶۹) قاصرؔ، عبدالسمیع انصاری : آپ کی ولادت ۲۲ / جنوری ۱۹۶۲ء کو محلّہ کٹرہ میں ہوئی۔ والد کا نام محمد اسحٰق انصاری تھا۔ تعلیم مقامی مدارس تک محدود ہے۔ شاعری کا آغاز پختگی کی عمر کو پہنچنے کے بعد ۱۹۹۱ء میں کیا۔ اخلاقؔ سہسوانی کے حلقۂ تلامذہ کے رکن ہیں۔ بہ سلسلۂ کاروبار دہلی میں مقیم ہیں اور وہاں کی شعری نشستوں میں شرکت کرتے رہتے ہیں۔ دو غزلوں کے تین تین شعر درج ذیل ہیں:

صلہ یہ خوب دیا اس نے چاہتوں کا مری	مرے ہی سامنے دشمن کا انتخاب کیا
کٹیں خود انگلیاں اپنے ہی ہاتھ سے اپنی	جب اس نے چہرۂ انور کو بے نقاب کیا
وہ جس کو خون سے سینچا تھا تم نے اے قاصرؔ	اسی شجر نے ہواؤں کا رخ خراب کیا

☆☆☆☆

سیاست ہے کہ یہ شیطانیت ہے	جدا بھائی سے بھائی کر رہے ہو
چلن ہم سے ہی سیکھے زندگی کے	ہماری ہی برائی کر رہے ہو

تمھیں قاصرؔ نے سکھلایا ہے چلنا اسی سی کج ادائی کر رہے ہو

(۷۰) قدرؔ، محمد طاہر انصاری : محلّہ چاہ شیریں کے ساکن منشی ہدایت حسین انصاری کے فرزند محمد طاہر انصاری یکم جنوری ۱۹۵۵ء کو عالمِ وجود میں آئے۔ بہ قدرِ ضرورت مدرسے کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد تجارت کو کسبِ معاش کا ذریعہ بنایا۔ مستقل قیام سہسوان ہی میں ہے۔ شاعری میں جناب اخلاقؔ سہسوانی سے فیضِ تلمذ حاصل ہے۔ نمونۂ کلام کے طور پر ایک غزل کے چند شعر سطورِ ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:

آئی بردوشِ صبا پھول کی پیاری خوشبو اور پھر ہوگئی ماحول پہ طاری خوشبو

پھول سا چہرہ کوئی دل میں بسا ہے میرے اس لیے ہے مری ہر سانس سے جاری خوشبو

آ گیا کون تصور میں یہ جانِ گلشن میرے کمرے میں سمٹ آئی ہے ساری خوشبو

مشک و عنبر سے تو ہاری نہیں لیکن اے قدرؔ میرے آقا کے پسینے سے یہ ہاری خوشبو

(۷۱) کرگسؔ، ثناء الحسن : آپ ۳؍ مارچ ۱۹۲۶ء کو قصبہ ایکہ، ضلع مین پوری میں پیدا ہوئے جہاں آپ کے والد منشی ضمیر الحسن محکمۂ پولس میں بہ حیثیت ہیڈ محرر تعینات تھے۔ عمر کے تقریباً انیس سال آپ نے مین پوری اور اس کے اطراف ہی میں گذارے۔ وہیں ۱۹۴۰ء میں مڈل کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد سلسلۂ تعلیم جاری نہ رکھ سکے۔ جنوری ۱۹۴۵ء میں آپ کے والد ریٹائر ہوکر سہسوان آئے تو آپ بھی ان کے ساتھ اپنے وطن چلے آئے۔ یہاں کچھ دنوں تک بیکار رہنے کے بعد چند ملازمین کی مدد سے سائیکلوں کی مرمت اور پبلسٹی نیز رکارڈنگ کے لیے مائک کرائے پر دینے کا کاروبار شروع کردیا جس میں انھیں خاصی کامیابی ملی، چنانچہ آخر تک اسی کاروبار سے وابستہ رہے۔

مین پوری میں قیام کے دوران اپنے والد کے ایک ملاقاتی دیبی پرشاد مائلؔ سے ان کا کلام سن کر آپ کو شاعری سے دلچسپی پیدا ہوئی۔ اس کے بعد جب سہسوان آگئے تو اپنے محلے (چودھری محلّہ) میں کئی نامی شاعروں کی موجودگی اور شہر میں مشاعروں اور شعری نشستوں کی

گرم بازاری نے آپ کے ذوق و شوق کے لیے مہمیز کا کام کیا، چنانچہ خود بھی شعر کہنے لگے۔ شروع میں کچھ دنوں تک اصلاحِ کلام کے لیے اقبال احمد شوق اور رآز احسنی سے رجوع کرتے رہے۔ بعد ازاں واحد حسین واحد کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہو گئے۔ ۱۹۶۲ء میں ان کے انتقال کے بعد کسی سے اصلاح نہیں لی۔

کرگس کا مخصوص میدان جیسا کہ ان کے تخلص سے ظاہر ہے، مزاح نگاری تھا۔ مقامی مشاعروں کے علاوہ بیرونی مشاعروں میں بھی برابر مدعو کیے جاتے رہتے تھے۔ ایک بار بہار کے کسی مشاعرے میں شرکت کے لیے جاتے ہوئے ایک دو روز بنارس میں غریب خانے پر بھی قیام کیا تھا۔ کلام میں فکری گہرائی تو نہیں ملتی لیکن یہ خوبی بھی کچھ کم نہیں کہ پھکڑ پن سے پاک ہے۔ مشاعرے کے سامعین کو اپنی جانب متوجہ کرنے کے لیے وہ سیدھے سادے انداز میں پر لطف اور دلچسپ شعر کہنے کی کوشش کرتے تھے۔

تقریباً اکسٹھ سال کی عمر میں ۱۰ر دسمبر ۱۹۸۶ء کو آپ کا انتقال ہوا۔ نمونۂ کلام یہ ہے:

یہ کیا کہہ رہے ہو محبت نہیں ہے   چلو آج ہی ایگریمینٹ ہوگا
وفورِ محبت میں لپٹا لیا ہے   خدا جانے کیا اس کا ججمینٹ ہوگا
رقیبوں کی قبریں تو کچی بنیں گی   مگر میرے مرقد پہ سیمینٹ ہوگا
مجھے عرصۂ حشر میں ڈھونڈ لینا   وہاں عاشقوں کا بھی اک ٹینٹ ہوگا
نہ ہوگا اگر چارۂ دردِ فرقت   تو کرگس بھی ٹی بی کا پیشینٹ ہوگا

☆☆☆☆

وہ بارہ بجے رات سے پہلے نہیں آیا   یوں اس نے کیا تنگ مگر ایک بٹا دو

☆☆☆☆

مجھے بیڑی کا بنڈل اور عدو کو پانچ سو پچپن   کہیں جوتا نہ چل جائے ستم گر! تیری محفل میں

☆☆☆☆

عیب کرنے پہ مجھے لوگ فرشتہ کہتے   کاش اس دور کا میں بھی کوئی لیڈر ہوتا

☆☆☆☆

ماں تھی فاقے سے تو سسپینڈ تھے میرے ابا　　ایسے عالم میں ہوئی ہائے ولادت میری

☆☆☆☆

جو ہم نے آپ کو چاہا تو کیا برائی کی　　کہ اچھے مال پہ کس کی نظر نہیں ہوتی
دلِ حزیں کا نہ بورنگ کرو نگاہوں سے　　مشین گن بھی یہاں کارگر نہیں ہوتی

☆☆☆☆

انگوٹھا ٹیک بھی لب چاٹتے ہیں　　ہے ایسی چاشنی اردو زباں میں

☆☆☆☆

مادرِ ہندوستان کی کوکھ سے　　ایک ''جنتا'' نام کا بچہ ہوا
یاد کرکے رو رہا ہوں اب اسے　　ڈھائی سالہ عمر پاکر مر گیا

☆☆☆☆

پی کے بھٹی سے جو اک رندِ بلانوش چلا　　جب ہوا ہوش سے بے ہوش تو نالی میں گرا
منہ میں کتے نے جو پیشاب کیا تو بولا　　ساقیا اور پلا، اور پلا، اور پلا

(۷۲) کنیز، احتشام النسا : آپ میر امتیاز علی جوہر کی صاحبزادی، مولوی سید جمیل احمد جمیل کی حقیقی چھوٹی بہن اور رسالدار میر شبیر علی کی شریکِ حیات تھیں۔ ۱۲۸۸ھ (۷۲-۱۸۷۱ء) میں سہسوان میں پیدا ہوئیں۔ اردو، فارسی اور مذہبیات کی تعلیم خاندانی بزرگوں سے حاصل کی۔ بعدازاں ذاتی مطالعے اور توجہ سے ترجمہ وتفسیرِ قرآن اور اسلامی تاریخ میں خاصا درک پیدا کرلیا تھا۔ موصوفہ کو شعر گوئی کی صلاحیت سے نوازنے میں بھی قدرت نے خاصی فیاضی سے کام لیا تھا۔ لیکن آپ نے اس نعمتِ خداداد کے مصرف میں خود کو فِی کُلِّ وَادٍ یَّھِیمُونَ کا مصداق نہ بنا کر صرف نعت گوئی سے سروکار رکھا۔ چنانچہ صاحبِ ''حیات العلما'' نے جو آپ کے بزرگوں میں تھے، لکھا ہے کہ آپ نے ''نعتِ آں حضرت صلعم میں دیوانِ غزلِ اردو مرتب کیا ہے۔ ہر شعر سے ذوق وشوق ہویدا اور شستگیِ فکر پیدا ہے۔'' افسوس ہے کہ آپ کے اخلاف کی بے توجہی سے یہ دیوان ضائع ہوگیا، اس لیے اب کلام کا کوئی نمونہ دستیاب نہیں۔ سالِ وفات بھی کسی ذریعے

سے معلوم نہیں ہو سکا۔ ''حیات العلما'' کی اشاعت کے زمانے (۱۹۲۲ء) تک بہ قیدِ حیات تھیں۔

(۷۳) گڑبڑ، محمد شاہد انصاری : اصغر حسین انصاری کے صاحبزادے ہیں۔ ۶/اگست ۱۹۵۶ء کو پیدا ہوئے۔ تعلیم معمولی ہے۔ ۱۹۷۵ء سے شعر کہہ رہے ہیں۔ اصلاح جناب اخلاق سہسوانی سے لیتے ہیں۔ تجارت ذریعۂ معاش ہے۔ آج کل اسی سلسلے سے دہلی میں مقیم ہیں۔ وہاں کی شعری نشستوں میں برابر حصہ لیتے رہتے ہیں۔ مزاح نگار ہیں لیکن مزاح کو محض تفریحِ طبع اور لطف اندوزی کا ذریعہ سمجھتے ہیں، اس میں طنز کا عنصر شامل کر کے اس سے اصلاحِ معاشرہ کا کام لینا ان کے دائرۂ عمل میں شامل نہیں۔ مندرجہ ذیل اشعار ان کے مخصوص رنگِ سخن کی نمائندگی کرتے ہیں:

جو ہی، بے پردا، قرینہ اور بپاشا دیکھ کر — عشق بازی ہم نے سیکھی ہے سنیما دیکھ کر
واقعی تارے نظر آنے لگے تھے دن میں بھی — اک دن ان کا کامدانی کا دوپٹا دیکھ کر
گال ان کے بھی دہکتے ہیں چلم ہی کی طرح — یاد آجاتے ہیں وہ ابا کا حقاد دیکھ کر
میں نے سمجھا آج گڑبڑ راز اپنا کھل گیا — صحن میں اماں کو ان کی بڑبڑاتا دیکھ کر

☆☆☆☆

ہونے کو میری شادی تھی اب کے اساڑ میں — میں پڑ گیا ہوں دوستو! اب ایسے جھاڑ میں
امّی کا انتقال مری جب سے ہو گیا — ابا لگے ہیں رات دن اپنی جگاڑ میں

☆☆☆☆

اگر ہم کو تم سے محبت نہ ہوتی — تو تھانے میں دو دن مرمّت نہ ہوتی
سلامت رہے بس ہماری پڑوسن — اگر وہ نہ ہوتی، ضمانت نہ ہوتی

(۷۴) ماہر، محمد ہارون انصاری : آپ ۳/جنوری ۱۹۵۵ء کو پیدا ہوئے آپ کے والد کا نام محمد ادریس انصاری ہے۔ وطن سہسوان ہے لیکن بہ سلسلۂ ملازمت مستقل قیام دہلی کے علاقہ جعفرآباد میں ہے۔ اخلاق سہسوانی کے حلقۂ تلامذہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

سطورِ ذیل میں دو غزلوں کے تین تین شعر بہ طور نمونہ کلام پیش کیے جاتے ہیں:

اپنے غموں کو دل میں چھپائے رہا مگر — پھر بھی فسانہ غم کا سنانے لگی ہوا
جتنے بھی پھل ہیں باغ میں خائف ہیں وہ سبھی — پکنے سے قبل ان کو گرانے لگی ہوا
ماہرؔ ہمیں بھی درد کا احساس تب ہوا — زخموں کو اپنے جب سے دکھانے لگی ہوا

☆☆☆☆

کوئی ہوتا ہے جو رکھتا ہو غریبوں کا خیال — یوں تو ہر شہر میں زردار نظر آتے ہیں
گلشنِ ہند کو سینچا ہے لہو سے ہم نے — پھر بھی ہم آپ کو غدّار نظر آتے ہیں
وقت بگڑا ہو تو ملتا نہیں کوئی ماہرؔ — اچھے حالات میں سب یار نظر آتے ہیں

(۷۵) مجروحؔ، حکیم سید ابنِ علی : آپ حکیم سید کریم احمد رازؔ کے حقیقی بھائی اور حکیم سید رئیس احمد حیرتؔ کے چچا تھے۔ فنِ طب سہسوان کے نامور طبیب حکیم شیخ مصطفیٰ علی سے حاصل کیا تھا۔ اترولی ضلع علی گڑھ میں مطب کرتے تھے۔ ''حیات العلما'' کی اشاعت کے زمانے (۱۹۲۲ء) میں زندہ تھے۔ مختلف ذرائع سے آپ کے بارے میں صرف اسی قدر معلومات حاصل ہو سکی۔ کلام میں سے صرف دو قطعاتِ تاریخ دستیاب ہوئے ہیں جو درجِ ذیل ہیں:

قطعۂ تاریخ ''حکایاتِ ندرت طراز'' مصنفہ مولوی خلیل احمد عاقلؔ سہسوانی

ہیں قصوں میں حکمت کی باتیں وہ ظاہر — کہ گویا ہے ہر علم کا یہ خزانہ
کہو تم یہ تاریخ مجروحؔ اس کی — لکھا خوب، مانوس، طرفہ فسانہ

۱۳۱۱ھ

قطعۂ تاریخ ''نسخۂ اسبابِ تندرستی'' مصنفہ منشی محمد فاخر حسین فاخرؔ

شکرِ خدائے پاک کہ ایں مخزنِ کمال — با حسن وزیب سرمۂ چشمِ انام شد
مجروحؔ بہرِ سال وسنِ عیسوی سروش — گفتہ: عزیزِ خلق رسالہ تمام شد

۱۹۰۵ء

(۷۶) **محفوظؔ، سید محفوظ الرحمٰن نقوی** : سید التفات الرحمٰن عبرتؔ کے صاحبزادے تھے۔ ''محفوظ الرحمٰن'' تاریخی نام تھا جس سے سالِ ولادت ۱۳۶۳ھ (۱۹۴۴ء) برآمد ہوتا ہے، لیکن ہائی اسکول سرٹیفکٹ کے مطابق تاریخِ پیدائش ۲۸؍جولائی ۱۹۴۷ء ہے۔ دہلی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وتربیت سہسوان میں ہوئی۔ پنالال میونسپل ہائی اسکول سے ۱۹۶۰ء میں دسویں درجے کا امتحان پاس کرنے کے بعد ۱۹۶۲ء میں حافظ صدیق اسلامیہ انٹر کالج، بدایوں سے انٹرمیڈیٹ کیا۔ بعدازاں بریلی کالج، بریلی میں داخلہ لے کر بی.اے اور ایل، ایل. بی کے امتحانات پاس کیے۔ ایم.اے (فلسفہ وسیاسیات) کی ڈگریاں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے حاصل کیں۔ تحصیل علم کے آخری مرحلے کے طور پر علی گڑھ ہی میں فلسفے میں پی.ایچ.ڈی کے لیے رجسٹریشن کرایا لیکن اپنے تحقیقی کام پر توجہ صرف کرنے کی بجائے خدمتِ خلق اور مجلس آرائی میں زیادہ دلچسپی لینا شروع کر دی، جس کے نتیجے میں اصل مقصد پس پشت جا پڑا اور کئی سال گذر جانے کے باوجود اس کی تکمیل کی نوبت نہیں آئی۔ ۱۹۸۱ء کے آس پاس علی گڑھ سے مسقط چلے گئے۔ وہاں انھیں ایک اچھی ملازمت مل گئی جس سے معقول آمدنی ہونے لگی، لیکن احباب نوازی اور ضرورت مندوں کی حاجت روائی کا سلسلہ حسبِ سابق وہاں بھی جاری رہا، اس لیے اپنی اس مالی فراغت سے وہ بہ ذاتِ خود بہ قدرِ بایست فیضیاب نہیں ہو سکے۔ صحت کی طرف سے بھی تقریباً بے نیاز رہے، چنانچہ ذیابیطس میں مبتلا ہو گئے جس نے رفتہ رفتہ شدت اختیار کر لی۔ ۱۹۹۹ء میں اسی شدتِ مرض کی حالت میں مسقط سے اپنی بڑی بہن (بیگم اطہرؔ نقوی) کے پاس دہلی چلے آئے۔ یہیں ۲۵؍دسمبر ۱۹۹۹ء کو انتقال ہوا۔

زبان وبیان پر مکمل گرفت کے باوجود شعر گوئی سے محفوظؔ کا تعلق بالکل رسمی نوعیت کا تھا۔ دوستوں کی فرمائش یا کسی وقتی جذبے کے تحت کبھی کبھی کچھ کہہ لیا کرتے تھے، لیکن افتادِ مزاج کے عین مطابق اسے بھی محفوظ رکھنے کا کوئی اہتمام نہ تھا۔ ہمیں ڈاکٹر شمس بدایونی کی کرم فرمائی سے مجلّہ ''روشن'' بدایوں کے جون، جولائی ۱۹۸۰ء اور اپریل تا جون ۱۹۸۳ء کے شماروں میں شائع شدہ صرف دو غزلیں دستیاب ہوئی ہیں، جن سے چند شعر انتخاب کر کے سطورِ ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

جو دل میں اتر جائے اک طرزِ ادا بن کر
اس شخص کو آنکھوں میں تا حدِ نظر رکھنا
ہر شام کی سیڑھی پر لو ترشے دیے رکھ دو
معدوم اجالوں میں کیا لختِ قمر رکھنا
فرصت ہے یہاں کس کو آواز سے پہچانے
مٹی کے گھروندے کا اک نام مگر رکھنا
اس آگ کے جنگل میں جل جائے بدن لیکن
محفوظ شراروں سے یہ کاسۂ سر رکھنا

☆☆☆☆

خوش رنگ وہ پیراہنِ تن ڈوب چلا ہے
میں نے جو ترے نام کو پانی سے لکھا ہے
مغموم ہیں دیوار و در و بام سے آنکھیں
کانوں میں تری آخری آہٹ کی صدا ہے
اک اور دیا راہ میں کیوں کر میں جلاؤں
ہمراہ سفر میں تو یہی تیز ہوا ہے
خوشبو کا بدن دیکھنے والو یہ سمجھنا
ہر شاخِ تمنّا پہ کوئی داغ کھلا ہے
کس عرصۂ محشر میں گذرتے ہیں شب و روز
یہ کیسی قیامت ہے کہ ہر شخص خدا ہے
سوکھا ہوا پتّا ہوں مگر اے ہری شاخو!
یہ حسن تمھیں میرے عزیزوں سے ملا ہے

(۷۷) مختارؔ، حکیم مختار احمد سبزواری : آپ ظہیر العلما، حکیم ظہیر احمد ظہیرؔی سہسوانی کے صاحبزادے تھے۔ ۱۶/صفر ۱۳۱۵ھ/۱۷/جولائی ۱۸۹۷ء کو بدایوں میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم سے فراغت کے بعد اردو مڈل کا امتحان پاس کیا۔ بعد ازاں مولانا سید اعجاز احمد معجزؔ سہسوانی اور مولانا حبیب الرحمٰن قادری سے عربی کی تعلیم حاصل کی، لیکن تکمیل علم سے قبل ہی سرکاری ملازمت سے وابستہ ہو گئے۔ شروع میں سلطان پور میں اس کے بعد بدایوں میں کلکٹر کے دفتر میں پیش کار کی خدمات انجام دیں۔ دورانِ ملازمت ہی ۱۹۲۹ء میں لاہور سے طبیبِ حاذق کا امتحان پاس کیا۔ بعد ازاں پٹیالہ سے شمس الحکما کی سند حاصل کی اور ملازمت ترک کر کے طبابت کو ذریعۂ معاش بنایا۔ آپ کا شمار بدایوں کے کامیاب طبیبوں میں ہوتا تھا۔

شعر گوئی کی طرف ۱۹۱۷ء میں مائل ہوئے۔ ۱۹۱۸ء میں فانیؔ بدایونی سے سلسلۂ تلمذ استوار کیا۔ مشقِ سخن آخرِ عمر تک جاری رہی لیکن ۱۹۶۹ء میں حج بیت اللہ کا شرف حاصل کر لینے

کے بعد عاشقانہ شاعری سے کنارہ کشی اختیار کر کے صرف نعت و منقبت سے سروکار رکھا۔ ۴/اکتوبر ۱۹۸۴ء کو آپ کی وفات ہوئی۔ آپ کے نعتیہ کلام کا ایک مجموعہ ''عقیدت کے گجرے'' آپ کی زندگی ہی میں ۱۹۷۷ء میں شائع ہو چکا تھا۔ عاشقانہ کلام وفات کے بعد آپ کے صاحبزادے فوق سبزواری کے زیرِ اہتمام ۱۹۸۷ء میں ''جبرِ مختار'' کے نام سے شائع ہوا۔ نمونے کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

محمدؐ کا یہ احترام اللہ اللہ   کہ جلوے کریں خود سلام اللہ اللہ
بدل ڈالا اخلاق کی خوبیوں سے   زمانے کا سارا نظام اللہ اللہ

☆☆☆☆

ہر نقشِ آرزو میں ہے مجبوریوں کا رنگ   حیرت میں ہوں میں آپ کو مختار دیکھ کر

☆☆☆☆

یہ آزادی بھی کیا من جملۂ اسبابِ زنداں ہے   چمن میں ہوں مگر الجھا ہوا کانٹوں میں داماں ہے

☆☆☆☆

ملی کثرت میں ہے وحدت مگر وحدت نہیں ملتی   ملا کر دیکھ لو، صورت سے اک صورت نہیں ملتی

☆☆☆☆

غربت میں بھی تکلیف، وطن میں بھی زیاں ہے   آرام کی صورت نہ یہاں ہے، نہ وہاں ہے

(۷۸) مخفیؔ، حسنیٰ بیگم : آپ نامور طبیب، جید عالم اور علومِ مشرقیہ کے متبحر استاد حکیم سید محمود عالم کی صاحبزادی تھیں۔ سرکاری دستاویزات کی رو سے آپ کی تاریخِ ولادت ۲۳/دسمبر ۱۹۰۵ء ہے لیکن فی الواقع آپ کی پیدائش اس سے تین چار سال پہلے ہو چکی تھی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد آپ نے اپنے والدِ ماجد سے بہ قدرِ ضرورت اردو و فارسی درسیات اور بعض دینی کتب کی تحصیل کی۔ بعد ازاں مسلسل مطالعے کے ذریعے اپنے دائرۂ علم کو وسیع کرتی رہیں۔ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ (نومبر، دسمبر ۱۹۲۰ء) میں سید مشیر الحسن رضوی سے آپ کی شادی ہوئی۔ رضوی صاحب نے عمر کا ایک بڑا حصہ مسوری میں گذارا اور وہاں بہ حیثیت وکیل نیز بہ طور چیرمین

میونسپل بورڈ غیر معمولی شہرت وعزت حاصل کی۔ ۱۹۴۱ء میں مہاراجا بیکانیر کے حسبِ خواہش وہ ہائی کورٹ کے جج ہوکر مسوری سے بیکانیر چلے گئے۔ حسنیٰ بیگم مسوری اور بیکانیر دونوں جگہ اپنے شوہر کے شانہ بہ شانہ سماجی مشاغل اور تہذیبی سرگرمیوں میں برابر حصہ لیتی رہیں۔ ریاستوں کے خاتمے کے بعد یہ خاندان بیکانیر سے سہسوان چلا آیا۔ اسی زمانے میں ۲۹ ستمبر ۱۹۴۹ء کو رضوی صاحب نے بہ عارضۂ قلب رام پور میں، جہاں وہ نواب رضا علی خاں کے مہمان تھے، داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ اس کے تین چار سال بعد خاندان کے باقی سب لوگ پاکستان ہجرت کر گئے اور وہاں کراچی کو اپنا مستقر بنایا۔ حسنیٰ بیگم نے وہاں بھی اپنی سماجی وثقافتی سرگرمیاں بہ دستور جاری رکھیں۔ انھوں نے بیگم رعنا لیاقت علی خاں کے ساتھ اپوا (آل پاکستان ویمنز ایسوسی ایشن) کے قیام میں نہایت اہم کردار ادا کیا اور عورتوں کی تعلیم وترقی نیز ان کے حقوق کے تحفظ کی خاطر مسلسل سرگرمِ عمل رہیں۔ ۱۹ر فروری ۱۹۶۷ء کو کراچی ہی میں ان کا انتقال ہوا۔

تہذیبی مشاغل کے سلسلے میں وہ مشاعروں کے انعقاد میں بھی ہمیشہ دلچسپی لیتی رہیں۔ خود بھی موزوں طبع تھیں اور وقتاً فوقتاً شعر کہتی رہتی تھیں۔ پانچ شعر جو ''تذکرۂ شعراے بدایوں'' اور ''تذکرۂ شاعراتِ پاکستان'' کے حوالے سے سلسلہ بہ سلسلہ ہم تک پہنچے ہیں، سطور ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

مری حسرت نگاہی کا اثر ہے ہوئے جاتے ہیں ہے وہ بھی خود فراموش
سنائیں کس طرح اپنا فسانہ نہ تابِ گفتگو باقی، نہ کچھ ہوش
کہاں مسکن بتائیں اس کا مخفیؔ گذاری عمر جس نے خانہ بر دوش

☆☆ ☆☆

رنج سفر اٹھائے جا، یوں ہی قدم بڑھائے جا وادیِ انتشار میں راہِ مفر کبھی نہ دیکھ
مخفیِؔ خستہ حال تو، دل میں بسانہ آرزو آگ ہیں اس چمن کے پھول ان میں شگفتگی نہ دیکھ

(۷۹) مشتاقؔ، لالہ منّا لال : منشی دیبی پرشاد بشاشؔ نے اپنے تذکرے ''آثار الشعراے ہنود'' میں آپ کے بارے میں صرف اتنا لکھا ہے:

''مشتاق تخلص، لالہ منا لال، سکنۂ سہسوان قوم کایستھ،
سکسینہ، پچاس برس پیشتر نواب امیر خاں بہادر والیِ ریاست ٹونک کے
ملازم تھے اور اب جیون رام، ان کے فرزند ریاست مذکور میں موجود۔
مشتاق ہندی و فارسی شعر کہتے تھے اور منشی گری میں بھی دخل رکھتے تھے۔
یہ چند شعر ان کے مشہور ہیں۔

ہما تو اڑ گئے اور رہ گئے الو کے پٹھے ہیں ۔۔۔ غضب ہے یہ کہ طاؤسوں سے کرتے چغد ٹھٹے ہیں

ہوئے خرمست خراس جا، وہ کیسے خر کہ مٹھے ہیں ۔۔۔ رہے رفتار سے عاجز جو گھوڑے تھے صبا سرعت

(حاشیہ ص ۱۲۱)

فہرستِ شعرا کے خانۂ کیفیت میں اشعار کی تعداد پانچ بتائی گئی ہے لیکن متن میں صرف یہی دو شعر منقول ہیں۔ ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی نے اپنے تحقیقی مقالے ''راجستھان میں اردو زبان و ادب کے لیے غیر مسلم حضرات کی خدمات'' میں نواب امیر الدولہ کے عہد (۱۸۱۷ء تا ۱۸۳۴ء) میں ریاست ٹونک سے وابستہ اہلِ علم و فن میں صرف آپ کا نام لیا ہے (ص ۲۰۱)، مزید تفصیل نہیں بتائی ہے۔

(۸۰) نظیرؔ، محمد نظیر حسین فاروقی : آپ عربی و فارسی کے عالمِ متبحر اور سینٹ جانس کالج، آگرہ میں فارسی کے پروفیسر مولانا محمد بشیر فاروقی کے فرزندِ ارجمند تھے۔ ''نظیر حسین'' تاریخی نام تھا جس سے سال ولادت ۱۲۸۸ھ (۷۲-۱۸۷۱ء) برآمد ہوتا ہے۔ بھوپال میں پیدا ہوئے۔ وہیں تعلیم و تربیت کے جملہ مراحل طے کیے متداول علوم و فنون میں کامل درک رکھتے تھے۔ بے حد طبّاع و ذہین تھے۔ عربی و فارسی کے ہزار ہا اشعار ازبر تھے۔ شعر گوئی کی طرف متوجہ ہوئے تو منشی جمیلؔ احمد جمیل کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہو کر صاحبِ ''منشورِ سخن'' کے مطابق بہت جلد اپنے ہم چشموں سے بازی لے گئے۔ اس غیر معمولی ذہانت و ذکاوت کے ساتھ عمر نے وفا نہیں کی۔ اٹھارھواں سال شروع ہی ہوا تھا کہ چہار شنبہ، ۲۸/ربیع الاول ۱۳۰۵ھ (۱۴/دسمبر ۱۸۸۷ء) کو پیغامِ اجل آ پہنچا اور اپنے آخری سفر پر روانہ

ہو گئے۔ آپ کے کلام کی یادگار کے طور پر صرف ایک غزل ''منشورِ سخن'' میں محفوظ رہ گئی ہے، جس کے پانچ اشعار ہدیۂ ناظرین ہیں:

تم آ کے بیٹھو اگر بے حجاب پہلو میں — تو ٹھہرے کچھ دلِ پر اضطراب پہلو میں

دل اپنا خوں ہوا، خون ہو کے بہہ گیا آخر — عجب طرح کا ہوا انقلاب پہلو میں

میں دے چکا دلِ بے تاب یار کو تب بھی — وہی تپش ہے، وہی اضطراب پہلو میں

وہ کہتے ہیں دلِ پر خوں کو دیکھ کر میرے — رکھا ہوا ہے یہ جامِ شراب پہلو میں

نکلنے والا جو سینے سے دم ہے میرا نظیرؔ
دلِ حزیں بھی ہے، پا در رکاب پہلو میں

(۸۱) نظیرؔ، نظیر الحسن : نظیرؔ کے والد کا اسمِ گرامی چودھری کبیر الدین تھا۔ وہ نباضِ سخن رازؔ احسنی کے حقیقی چچا تھے اور اہلِ خاندان کی فراہم کردہ معلومات کے مطابق ۱۸۹۶ء میں پیدا ہوئے تھے۔ لیکن ہمارا قیاس یہ ہے کہ ان کا نام تاریخی تھا جس سے ۱۳۰۹ھ برآمد ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے ان کی ولادت اصلاً ۱۸۹۱ء یا ۱۸۹۲ء میں ہوئی ہوگی۔ رسمی تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۹۱۹ء میں محکمۂ پولس میں بہ حیثیت کانسٹبل بھرتی ہوئے اور ترقی کے منازل طے کرتے ہوئے سب انسپکٹر کے درجے تک پہنچے۔ ضلع ہردوئی کے قصبہ سانڈی میں تعیناتی کے دوران ۳۰ رجون ۱۹۴۴ء کو بلاؔ سنگھ نامی ڈاکو کی گرفتاری کے موقعے پر اس کی گولی سے ہلاک ہوئے۔

آپ کے خاندان اور قرب و جوار میں شعر و شاعری کا چرچا تھا، اسی کے زیرِ اثر آپ کو بھی شعر گوئی سے دلچسپی پیدا ہوئی اور گاہ بہ گاہ شعر کہنے لگے لیکن کسی سے رشتۂ شاگردی استوار نہیں کیا۔ حضورؔ سہسوانی کے توسط سے آپ کے چند شعر دستیاب ہوئے ہیں جو درج ذیل ہیں:

جس دم ظہورِ سیدِ ابرار ہو گیا — آئینہ ذاتِ حق کا نمودار ہو گیا

☆☆☆☆

الٰہی منزلِ مقصود تک کیسے میں پہنچوں گا — کہ ضعف و ناتوانی سے نہیں اٹھتا قدم میرا

☆☆☆☆

چاند سا ابر سے نکلتا ہے زلف رخ سے وہ جب ہٹاتے ہیں

☆☆☆☆

نامہ بر! کیا ہے ضرورت ترے سمجھانے کی تو نے خود غور سے دیکھا ہے مرا حالِ خراب
میں تو کیا، میری بلا بھی نہیں اب آنے کی میرے اصرار پہ کہتے ہیں بگڑ کر مجھ سے

☆☆☆☆

حسرتوں کا خون آخر کر گئی شوخیِ دستِ حنائی دیکھیے
باریابی بزمِ جاناں میں ہوئی میری قسمت کی رسائی دیکھیے

(۸۲) نگاؔر، شِوراج سکسینہ : آپ کے بزرگ موضع عثمان پور، تحصیل سہسوان کے رہنے والے تھے۔ والد کا نام منشی رام سروپ سکسینہ تھا۔ ''تذکرۂ غیر مسلم شعرائے بدایوں'' کے مطابق آپ دسمبر ۱۹۳۰ء میں پیدا ہوئے۔ بی.اے. تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد شروع میں ایک اسکول میں بہ حیثیت ٹیچر کام کیا۔ بعد ازاں آپ کو ڈاک خانے کے محکمے میں ایک معقول ملازمت مل گئی۔ ماہ نامہ ''پروانہ'' بدایوں شمارہ جون ۱۹۶۱ء کے مطابق آپ اس وقت ڈاک خانہ ہردوئی میں بہ حیثیت سپرنٹنڈینٹ تعینات تھے۔ اس کے بعد کے حالات معلوم نہیں۔

آپ کو اوائل عمری ہی سے شعر و ادب سے دلچسپی تھی۔ جب خود شعر کہنا شروع کیا تو بہ غرضِ اصلاح حکیم لکشمی نرائن جوہؔر بدایونی (متوفّٰی ۱۹۶۳ء) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی زندگی کے اواخر تک ان سے فیضیاب ہوتے رہے۔ نمونۂ کلام یہ ہے:

ہمیں سے عظمتِ مے ہے، ہمیں ہیں وجہِ سرمستی نہ ہوں گے ہم تو مے خانے میں رقصِ جام کیا ہوگا
تمھیں سے پوچھتا ہوں اے بہار آسودہ دیوانو! کہ پیغامِ بہار اہلِ جنوں کے نام کیا ہوگا
میں تم سے وعدۂ ترکِ محبت کر تو سکتا ہوں مگر جب لب پہ آئے گا تمھارا نام، کیا ہوگا

(۸۳) نیاؔز، نیاز حسین : ''تذکرۂ شعرائے بدایوں'' کے مطابق نیاز حسین

نیازؔ سہسوانی منشی صابر حسین صباؔ سہسوانی کے شاگرد اور پیشے کے اعتبار سے مختار تھے۔ صاحب تذکرہ نے اس مختصر تعارف کے بعد ان کا صرف ایک شعر نقل کیا ہے جو درجِ ذیل ہے:

گر اقربا کفن کو بھگو دیں شراب سے
چھوٹ جاؤں میں جہاں کے عذاب وثواب سے

''قانونِ شریعتِ محمدی''، مصنفہ منشی محمد فاخر حسین فاخرؔ سہسوانی عقائد وبدعاتِ مروّجہ سے متعلق سولہ سوالوں کے جوابات پر مشتمل ہے۔ یہ سوالات مصنف کے ''حبیبِ دلی'' محمد نیاز حسن خاں کے قائم کردہ ہیں۔ قرائنِ ظاہری کی بنا پر راقم کا خیال یہ ہے کہ مذکور الصدر نیاز حسین نیازؔ اور یہ محمد نیاز حسن خاں شخصِ واحد ہیں۔

(۸۴) واقفؔ، مظہر علی انصاری : مظہر علی واقفؔ ابنِ طاہر علی انصاری اصلاً سہسوان کے رہنے والے ہیں لیکن بہ سلسلۂ کاروبار عرصے سے دہلی میں مقیم ہیں اور وقتاً فوقتاً وہاں کی شعری نشستوں میں شرکت کرتے رہتے ہیں۔ اخلاقؔ سہسوانی کے شاگردوں میں ہیں۔ کلام پختہ مشقی کے درجے کو پہنچا ہوا ہے۔ ایک غزل کے یہ چند شعر اس کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔

میں ساتھ میں اپنے کوئی لشکر نہیں رکھتا
دشمن کا مگر دل میں کبھی ڈر نہیں رکھتا

دیکھا ہے تصور نے مرے جب سے وہ پیکر
نظروں میں کوئی دوسرا منظر نہیں رکھتا

جو میرا مسیحا تھا، وہی تھا مرا قاتل
الزام کسی اور کے سر پر نہیں رکھتا

ہے خانہ بہ دوشی مری قسمت میں ابھی تک
بنجارہ ہوں میں، اپنا کوئی گھر نہیں رکھتا

واقف نہیں تم عادتِ واقفؔ سے کہ وہ شخص
مغرور کی چوکھٹ پہ کبھی سر نہیں رکھتا

(۸۵) ورماؔ، انبا پرشاد : آپ موضع عثمان پور، تحصیل سہسوان کے ایک علم دوست کایستھ گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ والد کا اسم گرامی منشی بھوگ چند تھا۔ سرکاری دستاویزات کے مطابق آپ کی پیدائش ۲۳؍جولائی ۱۹۱۴ء کو ہوئی تھی۔ شروع کی تعلیم ورنا کیولر

مڈل اسکول، سہسوان میں ہوئی۔ بعدازاں گورنمنٹ ہائی اسکول، بدایوں میں داخلہ لے کر وہاں سے ہائی اسکول پاس کیا۔ ملازمت کا آغاز محکمۂ زراعت میں کلرکی سے کیا۔ کچھ دنوں کے بعد میونسپل بورڈ، سہسوان میں بہ حیثیت ہیڈ کلرک آپ کا تقرر ہو گیا، جہاں آپ نے ایک طویل عرصے تک نہایت نیک نامی کے ساتھ اپنی خدمات انجام دیں۔ ملازمت کے اواخر میں مسلسل پانچ سال تک قائم مقام ایگزیکیوٹو افسر کے فرائض انجام دے کر ۲۲ جولائی ۱۹۷۴ء کو سبک دوش ہوئے۔ ریٹائرمینٹ کے بعد آپ نے قصبہ اجھیانی (ضلع بدایوں) میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ وہیں آپ کا انتقال ہوا۔

آپ کا شعری مجموعہ ''نکہتِ وطن'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ وطن دوستی اور قومی یک جہتی آپ کی شاعری کے خاص موضوعات ہیں۔ ''تذکرۂ غیر مسلم شعراے بدایوں'' کے حوالے سے چند شعر بہ طور نمونۂ کلام سطورِ ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

چمن مرجھا رہا ہے، موسمِ جورِ خزاں بدلو　　لبِ ساحل نہ ہو کشتی تو ساحل کا نشاں بدلو

☆☆☆☆

ترے اشارے سے ذرّے پہاڑ بن جائیں　　ترے کرم سے زمیں آسمان ہو جائے
وطن کے خارگلوں سے بھی ہیں عزیز مجھے　　خدایا باغِ جناں سہسوان ہو جائے

☆☆☆☆

نہ کیوں کر کروں دل سے میں قدردانی　　بڑھاپا ملا مجھ کو دے کر جوانی
جوانی نے رستے میں چھوڑا تھا ورنہ　　مگر ساتھ دے گا یہ تا زندگانی

اب تو کھادی کی جگہ لے لی ہے ٹیرالین نے
دیش میں کھدّر کی وہ سستی قبائیں اب کہاں

(۸۶) ہمدم، محمد اسمٰعیل : آپ کے والد کا نام امام الدین تھا۔ خاندانی روایت کے مطابق ۱۹۱۹ء میں پیدا ہوئے تھے۔ باقاعدہ تعلیمی سلسلہ اردو مڈل سے آگے نہ بڑھ سکا لیکن اہلِ علم کی ہم نشینی اور ذاتی مطالعے کے نتیجے میں اچھی خاصی استعداد پیدا کر لی تھی۔

ادبی، سماجی اور سیاسی ہر قسم کی سرگرمیوں میں پیش پیش رہنے والے لوگوں میں سے تھے۔ سہسوان میں انجمن ترقیِ اردو کی شاخ قائم ہوئی تو آپ اس کے سکریٹری بنائے گئے اور تا عمر اس عہدے پر قائم رہے۔ اردو کی توسیع و ترقی اور اس کی تعلیم سے بے حد دلچسپی تھی۔ کچھ دنوں تک تعلیمِ بالغان کا ایک اسکول بھی چلایا۔ دو تین بار میونسپل بورڈ کے ممبر بھی منتخب ہوئے۔ شعر گوئی اور مشاعروں میں شرکت بھی اسی مجلسی زندگی کا ایک حصہ اور ذوق و شوق کے سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ کم و بیش تہتر سال کی عمر میں ۱۹۹۲ء میں آپ کا انتقال ہوا۔ کلام محفوظ نہیں رہ سکا۔ حضورؔ سہسوانی نے چند اشعار فراہم کیے ہیں جو سطورِ ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:

مری ہستی تو فانی تھی، فنا ہو کر رہی آخر　　لیا کیوں خون اک بیکس کا تم نے اپنے دامن پر

☆☆ ☆☆

مدت کے بعد مجھ پہ عنایت کی ہے نظر　　بھولے ہوئے کو جیسے خدا یاد آ گیا

☆☆ ☆☆

منزلِ عشق کی تاریک فضا میں ہمدم　　غم کے فانوس جلائے ہیں تو ہم آئے ہیں

☆☆ ☆☆

لائی ہے سوغات وہ، دیوانگی میری لیے　　ہیں نظر میں ایک سے غم اور خوشی میرے لیے

☆☆ ☆☆

اظہارِ غم کی جب کوئی صورت نہ بن سکی　　حسرت سے ان کو چاکِ گریباں دکھا دیا

☆☆ ☆☆

رہِ عشق میں اب خدا لاج رکھے　　کہ وحشت مری راہبر ہو گئی ہے

کشتی سے نہ ہو جن کا رشتہ، دریا سے نہ ہو جن کو مطلب
آفت سے رہیں جو دور انھیں، اندازۂ طوفاں کیا ہوگا

جب بھی دیدار طلب ان پہ نظر جاتی ہے　　تابشِ حسن سے چہرے پہ بکھر جاتی ہے
یاد آجاتا ہے بربادی کا منظر اپنی　　جب کسی اجڑے گلستاں پہ نظر جاتی ہے

(۸۷) یتیم، کبیر خاں : کبیر خاں ولد کریم خاں متخلص بہ یتیم سہوانی مکتوبات ورقعات کے ایک مجموعے ''انشاے ہوش افزا'' کے مصنف کی حیثیت سے ہمارے سامنے آتے ہیں۔اس کتاب کے دو نسخے بنارس ہندو یونیورسٹی لائبریری کے ذخیرۂ لالہ سری رام میں محفوظ ہیں۔ ان میں سے ایک نسخے کی کتابت بہ خطِ میر قربان علی ۹/ ذی قعدہ ۱۲۳۵ھ (۱۸/ اگست ۱۸۲۰ء) کو اور دوسرے کی بہ دستخطِ شیو دیال ولد دھونکل سنگھ راے زادہ متوطن کاندھلہ (ضلع مظفر نگر) دہلی میں ۱۷/ ستمبر ۱۸۴۵ء کو مکمل ہوئی ہے۔ یہ کتاب یتیم نے اپنے بیٹے یوسف خاں اور بعض عزیزوں اور شاگردوں کے حسبِ خواہش ان کی تعلیم و تربیت کی غرض سے مرتب کی تھی۔اس کا سالِ ترتیب انھوں نے مندرجۂ ذیل قطعۂ تاریخ کے آخری مصرعے سے برآمد کیا ہے:

گوہر از بحرِ عقل آوردم — بنگر اے جوہریِ راہ نما

سالش از مصرعِ اخیر آمد — شدہ انشاے نو چہ ہوش افزا

چوتھے مصرعے سے حاصل شدہ اعداد کے مطابق یہ مجموعہ ۱۱۳۵ھ (۲۳-۱۷۲۲ء) میں مرتب ہوا تھا۔ مصنف کے اپنے بیان کے مطابق یہ ان کی عمر کا اکسٹھواں سال تھا۔ اس حساب سے ان کی پیدائش ۱۰۷۴ھ (۶۴-۱۶۶۳ء) میں ہوئی ہوگی۔ کتاب میں ایک جگہ انھوں نے اپنے بارے میں یہ بھی لکھا ہے کہ:

> ''ایں رضا جوے اربابِ معانی در ایامِ جوانی...... دیوانِ قصائد و غزل طرح ساختہ۔ الحال در ہنگامِ پیری کہ عینِ گوشہ گیری است، ترک نمودہ۔''

ایک دوسرے موقعے پر لکھتے ہیں:

> ''ایں کم سخن...... در نظمِ غزل و مثنوی و قصائد سادہ گوئی دارد و در نثر نویسی عبارتِ رنگیں نمی آرد...... در ایامِ جوانی در نسخۂ عالم گیر نامہ مضمونِ جنگ ہا گفتہ و گوہر معنی را بہ نوکِ خامہ سفتہ۔''

ان بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ یتیم اپنا دیوانِ غزلیات و قصائد عہدِ جوانی ہی میں مرتب کر چکے تھے۔ بڑھاپے میں اگر چہ انھوں نے بہ قولِ خود شعر کہنا ترک کر دیا تھا تاہم کسی وقت

تحریک یا ضرورت کے تحت گاہ بہ گاہ کچھ نہ کچھ کہتے رہنے کا سلسلہ بہ دستور جاری تھا۔ چنانچہ انشا کے پیشِ نظر مجموعوں میں سے آخرالذکر مجموعے میں بھی تازہ کہی ہوئی چار غزلیں، ۱۱۲۱ھ کا ایک اور ۱۱۳۳ھ کے دو قطعاتِ تاریخ اور ستر اشعار کی ایک مثنوی شامل ہے۔ مثنوی میں نواحِ اکبر آباد میں عبداللہ خاں کے ساتھ محمد شاہ بادشاہ کی جنگ کا حال بیان کیا گیا ہے۔ یہ معرکہ محرم ۱۱۳۳ھ/نومبر ۱۷۲۰ء میں پیش آیا تھا۔ یہاں صرف غزلوں کے چند اشعار بہ طور نمونۂ کلام سطورِ ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

کدا میں جلوہ گر مہرِ جہاں تاب است در صحرا — رگِ ہر خار و خس ہم رنگِ سیماب است در صحرا
بہ فیضِ صبح خیزی یافت بر روے زمیں شبنم — بہ خوابِ مخملِ ہر سبزہ خوناب است در صحرا
مگر سیلِ سرشکم رو بہ وادی کرد، دانستم — سرابش موج موج و ذرّہ گرداب است در صحرا
یتیمی نغمۂ مستانہ می آید بہ گوشِ من — رگِ ہر برگ تار و خار مضراب است در صحرا

☆☆☆☆

خوشا بزمے کہ ساقی مست بود و نشہ در سر ہم — بہ گوشم قلقلِ مینا، بہ چشمم موجِ ساغر ہم
بہ گلزارِ رخش زلفِ سیہ را خوش تماشا کن — کہ یک سو جلوۂ گل بود و یک سو سنبلِ تر ہم
بیا و اشک ریزی بر رخِ زردم تماشا کن — کہ سیمِ خام موجود است و بل گنجینۂ زر ہم

☆☆☆☆

رمیدن ہاز وحشت آورد آ ہوے دل تنگم — کہ از بالِ نظر پرواز دارد طائرِ رنگم
بہ خاموشیِ من صد جوش دارد معنیِ رنگیں — بہ رنگِ نالۂ مرغِ چمن گم کردہ آہنگم
غبارِ خاطرِ من سینہ صافاں را صفا بخشد — بہارِ جلوۂ طوطی است بر آئینۂ از زنگم

☆☆☆☆

حصولِ آرزو باقی است نقدِ زر شماراں را — نفس زخمی است از تیرِ بلا حسّت شعاراں را
بہ گردوں آشنا شد ابر از فیضِ در افشانی — بہ ہمّت پایہ والا ہست دستِ کامگاراں را

(۸۸) یوسفؔ، محمد یوسف انصاری : محمد یوسف انصاری، محمد صدیق

انصاری کے بیٹے اور محمد یعقوب آثر انصاری کے چھوٹے بھائی ہیں۔ ۱۲/ اگست ۱۹۶۵ء کو محلہ کٹرہ، سہسوان میں پیدا ہوئے۔ ناموافق گھریلو حالات کی بنا پر تعلیم مدرسے کے ابتدائی درجات تک محدود رہی۔ کچھ دنوں تک بہ سلسلۂ تجارت دہلی میں قیام رہا۔ آج کل سہسوان ہی میں مقیم ہیں اور زراعت ذریعۂ معاش ہے۔ ۱۹۸۶ء سے شعر کہہ رہے ہیں۔ اصلاح اخلاقؔ سہسوانی سے لیتے ہیں۔ کلام کا نمونہ درج ذیل ہے:

پھر لکھی جائے گی اس ملک کی تاریخ نئی
وہ اگر اب بھی زبانوں پہ نہ تالے دیں گے

مجھ سے احوال مری دشت نوردی کا نہ پوچھ
خود گواہی یہ مرے پانوؤں کے چھالے دیں گے

کیا خبر تھی کہ مرے چاہنے والے مجھ کو
زخم نفرت کے ہر اک روز نرالے دیں گے

جو جلانا ہی نہیں جانتے الفت کے چراغ
تجھ کو یوسفؔ وہ بھلا کیسے اجالے دیں گے

☆☆☆☆

وقت کے بدلنے میں دیر کتنی لگتی ہے
گر کے پھر سنبھلنے میں دیر کتنی لگتی ہے

پھر سے سیکھنا ہو گا ہم کو متحد ہونا
ظلم کو کچلنے میں دیر کتنی لگتی ہے

فہرستِ مآخذ ومراجع

(الف) مخطوطات

(۱) انشاے ہوش افزا، کبیر خاں یتیمؔ، مخزونہ بنارس ہندو یونیورسٹی لائبریری، وارانسی
(۲) بیاضِ یادداشت، سید اعجاز احمد معجزؔ، مملوکۂ راقم
(۳) تاریخ سہوان، سید اعجاز احمد معجزؔ، مملوکۂ راقم
(۴) تحفۃ العاشقین، منشی ہرسہاے وہبیؔ، مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور
(۵) حکایتِ فاخر، منشی فاخر حسین فاخرؔ، مخزونہ خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ
(۶) دیوانِ فاخر، منشی فاخر حسین فاخرؔ، مخزونہ خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ
(۷) دیوانِ وہبی، منشی ہرسہاے وہبیؔ، مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور
(۸) ریاض العاشقین، محمد ریاض الدین ریاضیؔ، مخزونہ مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ
(۹) کتابِ یادداشت، منشی شاکر حسین نکہتؔ، مملوکۂ راقم
(۱۰) مخزنِ تدابیر، منشی فاخر حسین فاخرؔ، مخزونہ خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ
(۱۱) مرصّع، منشی ہرسہاے وہبیؔ، مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور

(ب) مطبوعات

(۱۲) آثار الشعراے ہنود، منشی دیبی پرشاد بشاشؔ، مطبعِ رضوی، دہلی، ۱۸۸۵ء
(۱۳) اردو ادب کی ترقی میں بھوپال کا حصہ، ڈاکٹر سلیم حامد رضوی، ادارۂ ادب وتنقید، بھوپال، ۱۹۶۵ء

(۱۴) بزمِ سخن، نواب علی حسن خاں سلیم، مطبعِ مفیدِ عام، آگرہ، ۱۸۸۱ء
(۱۵) تاریخِ صحافتِ اردو (جلد دوم)، مولانا امداد صابری، جدید پرنٹنگ پریس، دہلی، ۱۹۶۳ء
(۱۶) تجلیاتِ سخن، نظامی بدایونی، نظامی پریس، بدایوں، ۱۹۳۰ء
(۱۷) تذکرۂ شاعراتِ روہیل کھنڈ، شاداب ذکی، بریلی الیکٹرک پریس، بریلی، ۱۹۹۰ء
(۱۸) تذکرۂ شعراے اترپردیش، عرفان عباسی، مختلف جلدیں، مطبوعہ لکھنؤ
(۱۹) تذکرۂ شعراے بدایوں (ہر دو جلد)، سید شہید حسین شہید، طلحہ پرنٹرز، کراچی، ۱۹۸۷ء
(۲۰) تذکرۂ شعراے حجاز، مولانا امداد صابری، مکتبۂ شاہراہ، دہلی، ۱۹۶۳ء
(۲۱) تذکرۂ علماے اہلِ سنت، مولانا محمود احمد قادری، رزّاقی پریس، کان پور، ۱۳۹۱ھ
(۲۲) تذکرہ غیر مسلم شعراے بدایوں، شاداب ذکی، بریلی الیکٹرک پریس، بریلی، ۱۹۸۷ء
(۲۳) تذکرۂ ماہ و سال، مالک رام، مکتبۂ جامعہ، نئی دہلی، ۱۹۹۱ء
(۲۴) تذکرۂ ناموارنِ سہسوان، وزیرالحسن، سعید زبیری، راشد زبیری اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۵ء
(۲۵) تلامذۂ غالب، مالک رام، مکتبۂ جامعہ، نئی دہلی، ۱۹۸۴ء
(۲۶) حیات العلما، مولوی سید عبدالباقی (طبعِ ثانی)، کونسل براے فروغِ اردو زبان، نئی دہلی، ۲۰۱۰ء
(۲۷) خزینۃ الانساب، مولوی سید نظر احمد افسوں، نظامی پریس، بدایوں، ۱۹۵۹ء
(۲۸) خلدِ خلیل، مولوی سید خلیل احمد عاقل، وکٹوریا پریس، بدایوں، ۱۸۸۶ء
(۲۹) خم خانۂ جاوید (تمام جلدیں) لالہ سری رام، مطبوعۂ لاہور و دہلی، ۱۹۰۸ تا ۱۹۴۰ء
(۳۰) درد و انبساط، مولوی سید عبدالودود درد، نظامی پریس، بدایوں، ۱۹۳۹ء
(۳۱) دیوانِ اظہر، میر اظہر علی، شروانی پرنٹنگ پریس، علی گڑھ، ۱۹۳۹ء

(۳۲) دیوانِ فدا، حکیم سید احمد حسن فداؔ، عثمانی پریس، مدراس، ۱۹۷۹ء
(۳۳) راجستھان میں اردو زبان و ادب کے لیے غیر مسلم حضرات کی خدمات، ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی، عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، راجستھان، ٹونک، ۱۹۸۵ء
(۳۴) رموز الاطبا، حکیم محمد فیروز الدین (جلد اول)، مطبوعہ لاہور، ۱۹۱۵ء
(۳۵) روزِ روشن، مولوی مظفر حسین صباؔ گوپا مئوی، مطبعِ شاہ جہانی، بھوپال، ۱۲۹۷ھ
(۳۶) سخنورانِ گجرات، ڈاکٹر ظہیر الدین مدنی، ترقیِ اردو بیورو، نئی دہلی، ۱۹۸۱ء
(۳۷) سیرِ سیاح، منشی انوار حسین تسلیمؔ و نواب احمد حسن خاں جوشؔ، مطبع نول کشور، لکھنؤ، ۱۸۷۲ء
(۳۸) شعاعِ انصار، مرتبہ محمد شریف انصاری، عبدالخالق انصاری و حاصلؔ سنبھلی شائع کردہ دہلی اسٹیٹ مومن کانفرنس، دہلی، ۱۹۹۷ء
(۳۹) شعاعِ مہر، نارائن پرشاد ورما مہرؔ، مطبع محمدی، بمبئی، ۱۹۳۷ء
(۴۰) شعرائے بدایوں دربارِ رسول میں (طبعِ ثانی)، ڈاکٹر شمس بدایونی، ڈان پرنٹنگ پریس، ناظم آباد، کراچی، ۱۹۹۷ء
(۴۱) شفائی جنتری، حکیم محمد مرتضیٰ حسن، شائع کردہ کارخانہ، معدن الشفا، گیا، ۱۹۲۱ء
(۴۲) صبحِ گلشن، نواب علی حسن خاں، مطبعِ شاہ جہانی، بھوپال ۱۲۹۵ھ
(۴۳) طورِ کلیم، نواب نور الحسن خاں کلیمؔ، مطبعِ مفید عام، آگرہ، ۱۸۸۱ء
(۴۴) غالب، احوال و آثار (طبع دوم)، حنیف نقوی، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۲۰۰۷ء
(۴۵) غالب اینڈ دی میرز آف گجرات (انگریزی)، جعفر امام، روپا کمپنی، دہلی، ۲۰۰۳ء
(۴۶) قانونِ شریعتِ محمدی، منشی فاخر حسین فاخرؔ، مطبعِ آگرہ پریس، آگرہ، ۱۸۷۵ء
(۴۷) کاروانِ ابر، شاداب ذکی بدایونی، بریلی الیکٹرک پریس، بریلی، ۱۹۸۷ء
(۴۸) کشایش نامہ، راج کرن، مطبعِ منشی نول کشور، ۱۸۷۳ء

(۴۹) مثنوی تحقیقِ خلیل، مولوی سید خلیل احمد عاقلؔ، نظامی پریس، بدایوں، ۱۸۹۵ء

(۵۰) مجموعۂ لغاتِ مرادف، مولوی سید خلیل احمد عاقلؔ، مطبعِ یوسفی، سہسوان، ۱۹۲۳ء

(۵۱) ملخصِ تسلیم، منشی انوار حسین تسلیمؔ، مطبعِ مطلع العلوم، مرادآباد، ۱۸۹۶ء

(۵۲) منشورِ سخن، سید علی اعظم ربطؔ، مطبعِ سکندری، بھوپال، ۱۳۰۶ء

(۵۳) نامۂ عشاق، مولوی محمد یعسوب زاہدؔ و سید محمد امین سوزؔ، مطبعِ مطلع العلوم، مرادآباد، ۱۲۹۷ھ

(۵۴) نسخۂ اسبابِ تندرستی، منشی فاخر حسین فاخرؔ، وکٹوریا پریس، بدایوں، ۱۹۰۵ء

(۵۵) واسوختِ نادر سہسوانی، چودھری نادر حسین نادرؔ، مطبعِ اودھ اخبار، لکھنؤ، ۱۸۷۳ء

(۵۶) یادگارِ ضیغم، عبداللہ خاں ضیغمؔ، مطبعِ قادری، حیدرآباد، ۱۳۰۳ھ

(ج) رسائل و جرائد

(۵۷) اردو ادب، علی گڑھ (سہ ماہی)، شمارہ نمبر ۲، ۱۹۶۶ء

(۵۸) جلوۂ یار، میرٹھ (ماہانہ گلدستہ) مختلف شمارے، ۱۹۱۰ء

(۵۹) روشن، بدایوں (دو ماہی بعدہٗ سہ ماہی)، جون جولائی ۱۹۸۰ء و اپریل تا جون ۱۹۸۳ء

(۶۰) زمانہ، کان پور (ماہ نامہ)، شمارہ مئی ۱۹۳۰ء

(۶۱) ظرافت، بنگلور (دو ماہی)، شمارہ جولائی، اگست ۲۰۰۸ء

(۶۲) کاروانِ سہسوان، کراچی، مختلف شمارے

(۶۳) مجلۂ بدایوں، کراچی، مختلف شمارے

(۶۴) مہرِ منیر بھوپال (ماہانہ گلدستہ)، شمارہ ذی الحجہ ۱۳۱۴ھ

Tazkira-e-Shoara-e-Sahaswan

Compiled By :

Abul Kamal Hakeem Syed Eijaz Ahmad 'Mojiz'

Edited By:

Prof. Haneef Naqavi